طلوعِ اسلام

اگست و ستمبر
۱۹۵۲

مقالہ خصوصی

جمع قرآن

(صفحات ۲۷ تا ۱۲۹)

1/4/-

صحیح انتخاب اس وقت ہو سکتا ہے

جب آپ کے سامنے انتخاب کیلئے قسم قسم کا مال موجود ہو، اور

خریداری کا فیصلہ

اسوقت ہو سکتا ہے جب آپ تسلی کرلیں کہ قیمت واجبی ہے اور

آپ کا اطمینان

اسوقت ہو سکتا ہے جب آپ خریدکردہ مال کے استعمال کے بعد دیکھ لیں کہ جیسا کہا گیا تھا مال ویسا ہی نکلا۔

آپ یونہی پریشان نہ ہوجئے

ہمارے ہاں آیئے اور دیکھئے کہ مذکورہ بالا شرائط کے مطابق آپ کا اطمینان ہوتا ہے یا نہیں۔

ہمارے ہاں ہر قسم کا ہوزری کا سامان، ٹائیلٹ کے لوازمات، اون، گرم کپڑا، ٹیلرنگ (صرف جنٹس کے لئے) تحفہ جات اور دیگر متفرق اشیائے ضروریات کا بہت بڑا اسٹاک موجود رہتا ہے۔

تھوک کے لئے — سمرسیٹ سٹریٹ، کراچی

پرچون کے لئے — الفنسٹن سٹریٹ، کراچی

تشریف لایئے

نیاز اگین: **ایچ غلام محمد اینڈ برادرز۔ کراچی**

اسلامی حیاتِ اجتماعیہ کا ماہوار مجلّہ

طلوعِ اسلام

کراچی

اس پرچہ کی قیمت	مُرتّب	بدل اشتراک
ایک روپیہ چار آنے (پاکستانی)	محمد یونس	سالانہ: چھ روپے پاکستانی (نو روپے ہندوستانی)
ایک روپیہ آٹھ آنے (ہندوستانی)		غیر ممالک سے ۲۱ شلنگ

جلد ۵	اگست و ستمبر ۱۹۵۲ء	نمبر ۷ و ۸

فہرست مضامین

یہ ہمارا خواب تھا۔	۴
یہ خواب کی تعبیر ہے۔	۵
لمعات	۶-۲۶
احادیث جمع قرآن	۲۷-۱۲۹
(علامہ تمنا عمادی مدظلہ)	
کوئی ہے جو اس سوال کا جواب دے؟	۱۳۲
صدر صاحب جمعیۃ اہل حدیث کراچی	۱۳۳
اشتہارات	۱۳۴-۱۳۶

یہ ہمارا خواب تھا

(۱) حضرت عمرؓ ایک مرتبہ جمعہ کی نماز کے لئے ذرا دیر سے نکلے۔ منبر پر چڑھے تو لوگوں سے معذرت کی کہ اس تاخیر کا باعث ان کا کُرتا ہے۔ انھوں نے اسے دھوکر سکھانے کے لئے ڈال رکھا تھا اور اس کے سوکھنے میں دیر ہوگئی۔ یہ اس لئے کہ آپ بیت المال سے صرف ایک چادر اور ایک کُرتا لیا کرتے تھے۔

❊

(۲) حضرت عمرؓ اپنے اہل وعیال کے اخراجات کے لئے صرف دو درہم روزانہ بیت المال سے لیا کرتے تھے۔ یہ ایک مزدور کی کم از کم روزانہ اجرت کے برابر تھا۔

❊

(۳) بیت المال میں کہیں سے مشک آئی۔ حضرت عمرؓ کی بیوی نے کہا کہ لائیے اسے ترازو سے تول دوں۔ فرمایا۔ ہاں! اسے تم ترازو میں تولوگی اور جو مشک پلڑے میں لگی رہ جائے گی اسے اپنے کپڑوں سے مل لوگی۔ یہ مسلمانوں کا مال ہے۔ عمرؓ کا نہیں کہ یوں اپنے صرف میں لے آؤ!

❊

(۴) حضرت عمرؓ کسی مقدمہ میں بطور مدعا علیہ حضرت زیدؓ (قاضی مدینہ) کی عدالت میں گئے تو حضرت زیدؓ تعظیم کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ آپ نے انھیں ڈانٹا کہ عدالت کی نگاہ میں عمرؓ اور مدعی یکساں ہونے چاہئیں۔ ہوسکتا ہے کہ اس قسم کا جذبہ غیر شعوری طور پر عدل میں مانع ہوجائے۔

یہ خواب کی تعبیر ہے

(۱) جب ہشام بن عبدالملک (خلیفۃ المسلمین) حج کے لئے آیا تو چھ سو اونٹوں پر صرف اس کے پہننے کے کپڑے ساتھ تھے۔

٭

(۲) مامون الرشید (خلیفۃ المسلمین) کے دسترخوان کا روزانہ خرچ دس ہزار درہم تھا۔

٭

(۳) ولید (خلیفۃ المسلمین) نے اشعب مسخرے کو بلایا۔ اسے بندر کی کھال پہن کر ناچنے کو کہا۔ اس نے اس طرح ناچ ناچا اور گایا تو ولید نے خوش ہو کر ہزار درہم انعام میں بخش دیئے!

٭

(۴) بغداد کے قاضی حفص نے ہارون الرشید کی بیوی زبیدہ کے کارندے کے خلاف ڈگری دیدی۔ وہ ہارون الرشید کے سر ہو گئی کہ قاضی کی یہ مجال کہ میرے کارندے کے خلاف فیصلہ دیدے۔ خلیفۃ المسلمین ہارون الرشید نے اس "جرم" کی پاداش میں قاضی کو معزول کر دیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لمعات

چہ مُلّائی۔ چہ درویشی۔ چہ سلطانی۔ چہ دربانی
فروغِ کارمی جوید، بسالوسی ورزّاقی

دنیا کی پانچویں بڑی مملکت اور مسلمانوں کی سب سے بڑی سلطنت، پاکستان کو وجود میں آئے پانچ برس ہو چکے ہیں۔ اس سالگرہ کی تقریب پر، غالب کی ہمنوائی میں، ہماری دعا ہے کہ

تم سلامت رہو ہزار برس ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

اگر اس پنج سالہ مدت کا جائزہ لیا جائے تو یہ حقیقت ابھر کر سامنے آجائے گی کہ اسوقت باشندگانِ پاکستان کو بالعموم تین طبقات میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ طبقۂ اول وہ ہے جس کی ترجمانی "فٹ پاتھ" پر زندگی بسر کرنے والوں کا گروہ کرتا ہے۔ یہ اصطلاح بڑی جامع اور ہمہ گیر ہے اور اس کا اطلاق ہر اس "سانس لینے والی لاش" پر ہو سکتا ہے جو زبانِ حال سے پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ

مجھ پر گراں ہے آسماں اور ہوں گراں زمیں کو میں

یہی گروہ اکثریت میں ہے۔ اور اگر کسی مملکت یا قوم کی بلندی اور پستی ماپنے کا معیار اس کے عوام قرار پا سکتے ہیں تو ہمیں اپنے صحیح مقام کے متعلق کوئی غلط فہمی نہیں ہونی چاہئے۔ عوام کو (MASSES) کہتے ہیں اور (MASS) کے معنی ہیں وہ بنیادی مسالہ جس سے کوئی شے وجود پذیر ہوتی ہے۔ اس لئے عوام درحقیقت وہ بنیادی اجزا ہیں جس سے قوم ترکیب پاتی ہے۔ قوم افراد ہی کے مجموعے کا نام ہے۔ افراد کو الگ کر لینے سے قوم کا وجود باقی نہیں رہتا۔ لہٰذا جو حالت کسی قوم کے افراد کی اکثریت کی ہوگی وہی حالت اس قوم کی قرار پائے گی۔ ہمارے مطالبۂ پاکستان کی خشتِ اول یہی عوام تھے، اسلئے کہ ہمارا مطالبہ یہ تھا کہ ہندوستان کے جن علاقوں میں مسلمانوں کی اکثریت ہے ان میں ہماری اپنی حکومت ہونی چاہئے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ "مسلمانوں کی اکثریت" کا انحصار تھا انہی عوام کی تعداد پر۔ بنابریں، دعوئے پاکستان کی سیاسی اور آئینی بنیاد۔ اس کے حصول کی قوت اور اس کے وجود کا تعمیری مسالہ، یہی عوام ہیں جو خون کے دریا پیرتے اور آگ کے شعلوں سے کھیلتے، نگاہوں میں ایک نئی دنیا کا منظر اور دلوں میں ایک جہانِ نو کا تصور لئے، اپنا سب کچھ برباد کر کے یہاں پہنچے تاکہ پاکستان آباد ہو جائے۔ انھوں نے یہاں پہنچکر کچھ نہیں مانگا۔ کوئی مطالبہ نہیں کیا۔ شہروں میں آئے تو بڑے بڑے سر بفلک محلات کے زیرِ سایۂ دیوار، رہگذاروں (Foot Paths) کے

کنارے، بجری کے فرش اور اینٹ کے تکیے پر۔ اور اگر دیہات کی طرف رُخ کیا تو سڑکوں کے کنارے، درختوں کے سائے میں، یوں اطمینان سے سو گئے گویا ہفت اقلیم کی پادشاہت ان کے حصے میں آگئی۔ ان کے نزدیک پاکستان کی تشکیل فی الواقعہ ہفت اقلیم کی پادشاہت تھی، بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ جب ان کی آنکھ کھلتی تو وہ دیکھتے کہ یہاں ساری دنیا لوٹ میں مصروف ہے۔ لیکن یہ ان کی طرف کبھی للچائی ہوئی نظروں سے نہ دیکھتے۔ ان کے تصورات کی رُو سے پاکستان نام تھا دیانت، امانت اور عدل و انصاف کے سائے میں خوش حالیوں اور خوش گواریوں کی زندگی کی ضمانت کا۔ دن گذر گئے اور ان کی امیدوں کی ہر نورانی صبح، یاس انگیز شام کی تاریکیوں میں گم ہوتی چلی گئی۔ حتیٰ کہ ان "خداداد"[1] محلات کے مکینوں کی نگاہوں میں ان کا "فٹ پاتھ" پر سونا بھی کھٹکنے لگا انھیں اندیشہ لاحق ہو گیا کہ اگر انِ خاک نشینوں کو کسی دن، فٹ پاتھ کی پستی اور محلات کی بلندی کا تفاوت سچ مچ نظر آنے لگ گیا تو مبادا ان کے دل میں نیچے سے اٹھ کر اوپر جانے کا ولولہ بیدار ہو جائے۔ اس کیلئے انھوں نے ایسا انتظام کیا جس سے وقتاً فوقتاً "خطرے کی گھنٹی" کھٹکا دی جاتی ہے کہ ان لوگوں کو "فٹ پاتھ" سے اٹھا دیا جائیگا۔ کیونکہ اس سے "صحتِ عامہ" خطرے میں ہے۔ اس آواز کے سنتے ہی ان بچاروں کے اوسان خطا ہو جاتے ہیں اور یہ بے ساختہ پکارنے لگ جاتے ہیں کہ

ہمیں فٹ پاتھ سے نہ اٹھائیے۔

چنانچہ "حسنِ تدبیر" کی ان فسوں سازیوں سے ان عوام کو اس مقام تک پہنچا دیا گیا ہے جہاں ان کی زندگی کے تمام مقاصد، مستقبل کے تمام تصورات، اپنی خوش حالیوں اور خوش گواریوں کے تمام ممکن مطالبات، سمٹ سمٹا کر، اس التجا میں مرکوز ہو گئے ہیں کہ "ہمیں فٹ پاتھ سے نہ اٹھائیے"۔ اب وہ اس سے زیادہ سوچنے کے قابل ہی نہیں رہے۔ غالب نے جب یہ کہا تھا کہ

بیٹھے ہیں رہ گذر پہ ہم، کوئی ہمیں اٹھائے کیوں

تو اس میں ایک اندازِ استحقاق پایا جاتا تھا۔ لیکن اب "رہ گذر" پر بیٹھنے کے لئے بھی ہزار التجائیں کرنی پڑتی ہیں اور اس کے بعد بھی "سیاستِ درباں" کا ڈر اطمینان کا سانس نہیں لینے دیتا۔

یہ ہے وہ مقام جہاں ہمارے عوام کی اکثریت پہنچ چکی ہے۔ طبقۂ اعلیٰ ان کی طرف نہایت حقارت آمیز نگاہوں سے دیکھتا ہے اور بات بات پر ان کے عیوب گنانے شروع کر دیتا ہے۔ یہ جاہل ہیں۔ غلیظ ہیں۔ بدتمیز ہیں۔ "بے ایمان" ہیں۔ کام چور ہیں۔ سہل انگار ہیں ـــــ اور آگے بڑھئے تو ـــــ جرائم پیشہ ہیں۔ بے غیرت ہیں۔ دلیوث ہیں۔ پست اخلاق ہیں۔ کمینہ فطرت ہیں۔ اور نہ جانے کیا کیا ہیں۔ یہ سب سچ ہے لیکن ان "ناصحین مشفق" سے کون پوچھے کہ ان کے ان عیوب و اسقام کا ذمہ دار کون ہے؟ نہیں اس حالت تک پہنچا کس نے دیا ہے؟ ان سے کون کہے کہ

شکریہ پرسشِ غم کا مگر اصرار نہ کر پوچھنے والے یہ تیرا ہی کہیں راز نہ ہو!

---

[1] ہمارے ہاں "دولتِ خداداد" کے معنی لئے جاتے ہیں وہ دولت جو کسی کی محنت سے حاصل نہ ہوئی ہو بلکہ بیٹھے بٹھائے چھپر پھاڑ کر مل گئی ہو۔ اقبال کے الفاظ میں ـــــ بہشتے "فی سبیل اللہ" ہم است۔

یہ حضرات یہ کچھ کہہ لینے کے بعد مطمئن ہو جاتے ہیں کہ قوم کی اصلاح ہو گئی اور یہ اپنے اہم فریضہ سے سبکدوش ہو گئے۔ اور نہیں سمجھتے کہ حالات کس نازک مقام تک پہنچ رہے ہیں۔ فضائی علوم کے ماہرین (METEOROLOGISTS) کا کہنا ہے کہ جب گرمی کی شدت سے کسی خاص خطۂ ارض کی ہوا گرم ہو کر اوپر اٹھ جاتی ہے تو وہاں خلاء پیدا ہو جاتا ہے۔ اس خلاء کو پُر کرنے کے لئے، دوسرے خطوں کی سرد ہوائیں ہجوم کر کے اِدھر آتی ہیں اور گاہ تند و تیز جھکڑ کی شکل اختیار کر لیتی ہیں اور گاہ بادل بن کر برستی ہیں۔ یعنی کسی خاص مقام کی گرمی کی شدت، دعوت بن جاتی ہے تباہ کار آندھیوں اور سیلاب آور بادلوں کے لئے۔ جو کچھ عالمِ آفاق میں ہوتا ہے وہی کچھ دنیائے انسانیت میں ہوتا ہے۔ ہمارے اس دَور میں عوام کی وہ حالت جس کا اوپر ذکر کیا گیا ہے، از خود دعوت (INVITATION) بن جاتی ہے، کمیونزم کے اس سیلِ بے پناہ کے لئے۔

جس سیلِ سبک سیر و زمیں گیر کے آگے عقل و نظر و علم و ہنر ہیں خس و خاشاک

اور جس کی طغیانیوں کو مقدس آرزوؤں کی کوئی دیوار اور جذباتی نعرہ آفرینیوں کا کوئی بند روک نہیں سکتا۔ آج اس سیلاب بے پناہ کی موجوں کا شور بہروں کو سنائی دے رہا ہے اور اس کے بہاؤ کی تیز رفتاری اندھوں کو بھی نظر آ رہی ہے۔ لیکن اگر کسی کو نہ یہ دکھائی دیتی ہے نہ وہ سنائی، تو وہ ہمارے ارباب بست و کشاد ہیں جن کی کیفیت یہ ہے کہ لھم قلوب لا یفقھون بھا۔ ولھم اذان لا یسمعون بھا ولھم اعین لا یبصرون بھا اولئک کالانعام بل ھم اضل۔

بوٹا بوٹا، پتہ پتہ، حال ہمارا جانے ہے جانے نہ جانے گل ہی نہ جانے۔ باغ تو سارا جانے ہے

لیکن جہل یا تجاہلِ عارفانہ سے سیلاب رک تھوڑا جایا کرتے ہیں۔ اس کیلئے تو کچھ کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔

دوسرا طبقہ وہ ہے جس کے نزدیک پاکستان سے مفہوم، دولت سمیٹنا اور جاہ و منصب کی کرسیاں سنبھالنا ہے۔ ان میں سے کچھ کامیاب ہیں باقی ہنوز ناکام[1]۔ جو کامیاب ہیں وہ اپنی "فتوحات" کی حفاظت کی فکر میں غلطاں و پیچاں ہیں۔ جو ناکام ہیں وہ اول الذکر سے ان "فتوحات" کے چھیننے اور جھپٹنے کی ہوس میں آشفتہ و پریشان۔ جو ان "فتوحات" کو سنبھالے بیٹھے ہیں وہ اس متاعِ گراں بہا (دولتِ خداداد) کے تحفظ (یعنی انھیں اپنے تک محدود رکھنے) میں اسلام کی حفاظت، اور اس کی تقویت میں پاکستان کی تقویت قرار دیتے ہیں۔ جو لوگ ان فتوحات کو ان سے چھیننا چاہتے ہیں ان کا دعویٰ یہ ہے کہ اگر یہ چیزیں دوسری پارٹی کے پاس رہیں تو اس سے اسلام سخت خطرے میں اور پاکستان موت کی آغوش میں آ جائیگا۔ برعکس اس کے، اگر یہ مال و منال اور جاہ و اقتدار ان کے ہاتھ میں آ جائے تو پھر اسلام محفوظ ہو جائیگا اور پاکستان مضبوط۔ ان میں سے جو کامیاب ہیں ان کا دعویٰ یہ ہے کہ ہم قائداعظم مرحوم کے ترکہ کے جائز وارث اور مسلم لیگ کی "قبر" کے متولی ہیں اس لئے اس آستانۂ عالیہ کی سجادہ نشینی ہمارا حق اور "خلافت" ہمارا ورثہ ہے۔

قرآن بتاتا ہے کہ حکمتِ فرعونی کی رُو سے قوت کے استحکام کا راز اس میں ہوتا ہے کہ مملکت کے باشندوں کو پارٹیوں میں تقسیم

---

[1] ان مختلف طبقات کے مخلص حضرات سے بعد میں تخاطب کیا جائے گا۔ اس وقت ان کی عمومیت مخاطب ہے۔

کر دیا جائے (وجعل اهلها شیعة) تشکیل پاکستان کے بعد سب سے پہلی آواز جو طلوعِ اسلام کی طرف سے بلند کی گئی تھی یہ تھی کہ اب پوری کی پوری ملتِ اسلامیہ پاکستانیہ کو ایک جماعت تصور کیا جائے اور ملت کے اندر پارٹی بازی کی قطعاً اجازت نہ دی جائے۔ کیونکہ قرآن کی رُو سے اس قسم کی پارٹی بازی اور گروہ سازی شرک ہے۔ اس مقصدِ عظیم کے حصول کیلئے پہلا اور مؤثر قدم یہ بتایا گیا تھا کہ مسلم لیگ کو ختم کر دیا جائے۔ لیکن اربابِ متعلقہ نے ایسا نہ کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ملک میں مختلف پارٹیاں وجود میں آگئیں اور اس طرح ملت کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔ اب ہر پارٹی (مسلم لیگ سمیت) دوسروں کو فتنہ پرداز، تخریبی عنصر، پاکستان کے دشمن، تفرقہ انگیز، قرار دیتی ہے اور اپنے آپ کو ملک و ملت کی بہترین بہی خواہ اور جاں نثار۔ کل حزب بما لدیهم فرحون۔

دوسری آواز جو طلوعِ اسلام کی طرف سے اٹھائی گئی تھی یہ تھی کہ پاکستان کے مختلف صوبوں کو مٹا کر ایک مرکزی حکومت قائم کر دی جائے تاکہ صوبجاتی تفریق کی لعنت ختم ہو۔ لیکن چونکہ یہ قدم بھی ملت کی وحدت کی طرف منجر تھا۔ (فلہذا اقتدار پرست طبقہ کے مفاد کے خلاف جاتا تھا کیونکہ ان کی قوت کا راز ملت کی تفریق و تقسیم میں ہے) اسلئے اس کی بھی مخالفت کی گئی۔ اس مخالفت کی ایک وجہ اور بھی تھی۔ برسرِ اقتدار پارٹی کے پاس، لوگوں کو اپنے ساتھ رکھنے کے لئے مناصب و مدارج ہی کی تو جاذبیت ہے۔ جسقدر زیادہ اسمبلیاں، وزارتیں، عہدے، مناصب ہونگے اسی قدر زیادہ تعداد برسرِ اقتدار پارٹی کے ساتھ رہے گی۔ نتیجہ اس کا یہ کہ صوبجاتی تفریق، باہمی نفرت بلکہ عداوت کی حد تک پھیل چکی ہے اور آج پاکستان میں کوئی "پاکستانی" نہیں بستا مختلف صوبوں کے افراد بستے ہیں جن میں باہمی مودت اور ائتلاف تو کجا ہم وطنی تک کے روابط و تعلقات بھی باقی نہیں رہے۔ اس صوبجاتی گروہ بندی کو اسقدر شدید کر دیا گیا ہے کہ ملازمتوں میں بھی صوبجاتی نیابت (PROVINCIAL QUOTAS) مقرر کر دی گئی ہے۔ ہندوستان میں مسلمانوں کیلئے ملازمتوں میں جداگانہ نیابت کا اصول اس بنیاد پر منوایا گیا تھا کہ ہندو اور مسلمان دو الگ الگ قومیں ہیں جن کے مفاد ایک دوسرے سے متضاد و متناقض ہیں۔ لہٰذا ملازمتوں میں ان کے نیابتی حقوق بھی الگ الگ ہونے چاہئیں۔ تشکیل پاکستان کے بعد ہندوؤں اور مسلمانوں کی جداگانہ قومیت کا سوال تو ختم ہو گیا لیکن یہاں مختلف صوبوں میں جداگانہ نیابت کے اصول کو برقرار رکھ کر ملت کو اسی طرح مختلف "قوموں" میں بانٹ دیا جس طرح ہندوستان میں ہندو اور مسلمان مختلف قوموں میں بٹے ہوئے تھے۔ پاکستان کے مطالبہ کی بنیاد (بلکہ اصل پوچھئے تو ہمارے دعوٰے اسلام کی صداقت) اس اصول پر تھی کہ مسلمانوں کی قومیت کا مدار، جغرافیائی حدود پر نہیں بلکہ دین کی وحدت پر ہے۔ اس دعوے کی بنا پر ہم نے پاکستان کا مقدمہ جیتا اور اسی بنیاد پر ہم مسلمان کہلاتے ہیں لیکن تشکیل پاکستان کے بعد، یہ تمام اصول و معانی، نقش و نگارِ طاقِ مفاد پرستی ہو گئے اور مختلف صوبوں کے مسلمان عملاً مختلف قومیتوں میں بٹ گئے۔ چنانچہ آج یہ امر واقعہ ہے (خواہ اس کا تذکرہ کسی قدر خراش اور جگر سوزی کیوں نہ ہو) کہ ملازمتوں میں جداگانہ نیابت کی بنا پر ہندوستان میں ہندوؤں اور مسلمانوں میں جسقدر بُعد اور عناد تھا پاکستان کے مختلف صوبوں کے مسلمانوں میں اس سے کم بغض و عناد نہیں۔ حیرت ہے کہ ہم نے ہندوستان میں مختلف صوبوں کے مسلمانوں کیلئے جداگانہ ملازمتی نیابت کا سوال کبھی نہیں اٹھایا تھا۔ لیکن آج یہ سوال ہماری سیاست کی خشتِ اول بن چکا ہے۔

ان سب گروہ بندیوں اور پارٹی بازیوں، صوبجاتی نیابتوں اور متفرق اسمبلیوں اور وزارتوں کا نتیجہ یہ ہے کہ اسوقت ملک میں صرف افراد بستے ہیں، قوم کا کہیں نام و نشان نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جسقدر مسائلِ حیات، قومی (یعنی اجتماعی) سطح (LEVEL) پر حل ہوا کرتے ہیں۔

پاکستان میں ان کی طرف کسی کی نگاہ ہی نہیں اٹھتی۔ یہ کیفیتِ حال مفاد پرست گروہ کیلئے تو سازگار رہتی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ اس سے مملکت کی بنیادیں کھوکھلی ہو جاتی ہیں؟

یہ تو رہی کامیاب گروہ کی حالت۔ ناکام (یعنی مناصب واقتدار کی کرسیاں چھیننے کی ہوس میں رقصاں وکوشاں) پارٹیوں میں سے ایک جماعت ایسی ہے جو باقی پارٹیوں کے مقابلہ میں سب سے زیادہ خطرناک ہے ــــ پاکستان اور انسانیت دونوں کیلئے خطرناک ــــ یوں تو

تاریخِ امم کا یہ پیام ازلی ہے صاحب نظراں! نشۂ قوت ہے خطرناک

لیکن تاریخ ہی ہمیں یہ بھی بتاتی ہے کہ جب زمامِ اختیار ان لوگوں کے ہاتھ میں آجائے جو خدا کے نام (مذہب) کو اپنی ہوسِ اقتدار کا آلۂ کار بنائیں تو یہ ادوار، تاریخِ انسانیت میں سب سے زیادہ وحشت انگیز، اور انسانیت کُش ہوتے ہیں۔ اسوقت ہر گرگِ خون آشام، برۂ معصوم کی کھال اوڑھ کر سامنے آتا ہے اور ہر ابلیس، خدائی فوجدار ہونے کا مدعی ہوتا ہے۔ جبر و قہرمانیت کے اس اندازِ سیاست میں، جسے مذہبی پیشواؤں (PRIESTS) کا گروہ "حکومتِ الٰہیہ" (THEOCRACY) کے مقدس نام سے لوگوں پر مسلط کرتا ہے، خدا کے نام پر ہر وہ ظلم و استبداد روا رکھا جاتا ہے جس سے خود ظلم شرمائے اور استبداد کی آنکھوں میں حیا آجائے۔ اہل پاکستان کی بدبختی سے آج ان "فتوحات" چھیننے والے ہوس کاروں میں ایک گروہ وہ ہے جو اپنے حصولِ مقصد کے لئے مذہب کو آلۂ کار بنا رہا ہے۔ یہی ہے وہ سب سے زیادہ خطرناک گروہ جس کی طرف اوپر اشارہ کیا گیا ہے۔ ان لوگوں کی داستان بڑی دلچسپ (اور معیارِ انسانیت کے مطابق بڑی افسوسناک) ہے۔ ملک کی دوسری پارٹیاں جو حصولِ اقتدار کیلئے باہم دست و گریباں ہیں، ان کی پھر بھی یہ کیفیت ہے کہ وہ حصولِ پاکستان کی تحریک کے ہم نوا تھے اور اس مقصد کے لئے اس زمانے میں جو کوششیں بھی ہو رہی تھیں، ان میں مسلم لیگ کا ساتھ دیتے تھے۔ لیکن مذہب کے نام پر زمامِ اقتدار حاصل کرنے والے مقدسین کے اس طائفہ کا ماضی یہ ہے کہ تحریکِ پاکستان کے زمانے میں یہ جماعت پاکستان کی بدترین دشمن تھی۔ اور چونکہ ان کا اُسوقت بھی یہ دعویٰ تھا (جیسا کہ آج دعویٰ ہے) کہ کسی مسلک سے ان کی موافقت یا مخالفت ذاتی رجحانات کی بنا پر نہیں بلکہ از روئے شریعت ہوتی ہے اس لئے یہ حضرات اس وقت تحریکِ پاکستان کو شریعت کے خلاف قرار دیتے تھے اور مسلمانوں کو اس "زہریلے حلوے" سے دور رکھنے کی ہر ممکن کوشش کرتے تھے[1]۔ لیکن پاکستان بن جانے کے بعد ان حضرات کی "شریعتِ حقہ" نے یہ فتویٰ دیدیا کہ اس مملکت کی حکومت کی کرسیوں پر متمکن ہونے کی کوشش عین جہاد ہے۔ مومن کا مقام تو خیر بہت بلند ہے۔ آپ غور کیجئے کہ کیا دنیا میں کوئی انسان جس کے دل میں اصول پرستی کا ذرا سا بھی خیال ہو، اس قسم کی ننگِ انسانیت روش اختیار کر سکتا ہے؟ (ان سے تو حسین احمد مدنی، مفتی کفایت اللہ، احمد سعید، حفظ الرحمٰن جیسے لوگ ہزار درجے اچھے ہیں کہ اگر پاکستان کی مخالفت کی تھی تو پھر پاکستان کی طرف رخ نہیں کیا)۔ اس قسم کا مسلک صرف موقع پرستوں (OPPORTUNISTS) کا ہو سکتا ہے جسے قرآن کی اصطلاح میں منافقت کہا جاتا ہے۔

کہا جا سکتا ہے کہ پاکستان میں ہزاروں (لاکھوں) کی تعداد میں وہ مسلمان موجود ہیں جو تحریکِ پاکستان کے زمانے میں نیشنلسٹ تھے۔ ان کے متعلق کیا کہا جائے گا؟ سو اول تو ہم ان کے متعلق بھی یہی کہیں گے کہ کیرکٹر کا تقاضا یہی تھا کہ یہ لوگ بھی ہندوستان ہی میں رہتے۔ لیکن اگر وہاں حالات ایسے پیدا ہو چکے تھے جن کی رو سے وہاں سے جان بچا کر بھاگ آنا ضروری ہو گیا تھا تو یہ لوگ یہاں پاکستان کے شہریوں کی حیثیت سے

---

[1] ان امور کی تفصیلات طلوع اسلام کی سابقہ اشاعتوں میں آچکی ہیں۔

رہ سکتے ہیں۔ اگر ان کا اب بھی یقین (CONVICTION) وہی ہے جو تحریکِ پاکستان کے زمانے میں تھا تو ان کی مثال پاکستان میں بسنے والی اقلیتوں کی سی ہوگی۔ لیکن اگر اب ان کا وہ یقین بدل چکا ہے تو ان کیلئے ضروری ہے کہ وہ نہایت دیانتداری سے اس امر کا اعلان کریں۔ اس کے بعد ان کی مثال فتح مکہ کے بعد کے مسلمانوں کی سی ہو جائے گی۔

لیکن اسلامی جماعت کی پوزیشن مذکورہ صدر نیشنلسٹوں سے مختلف ہے۔ ان لوگوں کا محض از روئے سیاستِ ملکی یہ خیال تھا کہ مسلمانوں کی بہتری اسی میں ہے کہ وہ ہندوؤں کے ساتھ ملکر متحدہ حکومت قائم کریں۔ برعکس ان کے، اسلامی جماعت کا دعویٰ یہ تھا کہ تحریک پاکستان اسلام کی روح کے منافی اور شریعت کے خلاف ہے۔

کہا جا سکتا ہے کہ حالات کے بدل جانے سے شریعت کا فیصلہ بدل سکتا ہے لیکن ہم پوچھتے یہ ہیں کہ حالات میں وہ کونسی تبدیلی واقع ہوئی ہے جس کی بنا پر شریعت کا فیصلہ بدل گیا؟ پاکستان بننے کے بعد بھی یہاں وہی مسلمان بستے ہیں جو پاکستان کا مطالبہ کرتے تھے (اور جنھیں یہ حضرات "پیدائشی مسلمان" کہکر "اصل مسلمانوں" کے حلقے سے خارج کر دیتے تھے) اور وہی حکومت ہے جس کے قیام کیلئے پاکستان کا مطالبہ کیا جاتا تھا۔ جب یہ دونوں صورتیں اپنی جگہ پر قائم ہیں تو پھر شریعت کا فیصلہ کس طرح بدل گیا؟

ان حضرات کی طرف سے کہا یہ جاتا ہے کہ مملکت پاکستان قرارداد مقاصد کے پاس کرنے سے "مسلمان ہوگئی ہے" اسلئے اس تبدیلی کی بنا پر شریعت کا فیصلہ بدل گیا ہے۔ قرارداد مقاصد میں صرف اس امر کا اعلان ہے کہ مسلمانانِ پاکستان اپنا آئین کتاب و سنت کے مطابق مرتب کریں گے۔ سوال یہ ہے کہ تحریک پاکستان کے دوران میں مسلمانوں نے کب کہا تھا کہ اگر ہماری حکومت قائم ہوگئی تو اس کا آئین متومرتی کے مطابق بنایا جائیگا جو اس وقت پاکستان کی تائید کر رہی تھی اور اب وہ عین اسلام ہوگئی؟ تحریک پاکستان کی تو بنیاد ہی اس دعوے پر تھی کہ مسلمان اپنا جداگانہ تمدن، جداگانہ تہذیب، جدا معاشرت، جدا تصورِ زندگی رکھتے ہیں اسلئے یہ اپنی جدا حکومت چاہتے ہیں جس میں اپنی زندگیوں کو اپنے مخصوص تصور کے مطابق ڈھال سکیں۔ اس حقیقت کو بار بار دہرایا جاتا تھا حتیٰ کہ جب نیشنلسٹ علماء یہ کہتے کہ متحدہ حکومت میں مسلمانوں کا پرسنل لا (شخصی قانون) مذہب کے مطابق ہوگا تو اس کے جواب میں کہا جاتا تھا کہ مسلمانوں کا مذہب پرسنل لا تک ہی محدود نہیں۔ اس کا دائرہ زندگی کے ہر شعبے کو محیط ہے اسلئے انھیں "مذہبی آزادی" صرف اپنی حکومت میں حاصل ہو سکتی ہے۔ فرمائیے کہ ان اعلانات میں اور قرارداد مقاصد میں مفہوم کے اعتبار سے فرق کیا ہے کہ اول الذکر کفر تھا اور ثانی الذکر عین اسلام بن گیا؟

اُسوقت اسلامی جماعت کا دعویٰ یہ تھا کہ اسلام کا مقصود "پیدائشی مسلمانوں" کو "اصلی مسلمان" بنانا ہے نہ کہ پیدائشی مسلمانوں کی حکومت قائم کرنا۔ اسلئے ہم پیدائشی مسلمانوں کو اصلی مسلمانوں میں تبدیل کرنے کی فکر میں ہیں اور یہی اسلام کا منشا ہے۔ ہمیں اس سے کوئی دلچسپی نہیں کہ پیدائشی مسلمان اپنی حکومت قائم کرتے ہیں یا محکوم رہتے ہیں۔ ہمارے نزدیک ان دونوں صورتوں میں کچھ بھی فرق نہیں۔ حتیٰ کہ ہمارے نزدیک پیدائشی مسلمانوں کا مسلمان رہنا یا نہ رہنا بھی برابر ہے۔ آج وہی پیدائشی مسلمان ہیں اور وہی ان کی حکومت۔ لیکن آج ان علمبرداران شریعتِ حقہ کے نزدیک سب سے مقدم مسئلہ اس حکومت کی کرسیوں پر متمکن ہونا ہے۔ پیدائشی مسلمان کو اصلی مسلمان بنانے کا کام "پنڈت نہرو" کے سپرد کر دیا گیا ہے۔

اصل یہ ہے کہ جمہور کا حافظہ (PUBLIC MEMORY) اسقدر کمزور ہوتا ہے کہ انھیں یاد ہی نہیں رہتا کہ جو شخص ہم سے آج یہ کچھ کہہ رہا ہے وہ کل کیا کہہ رہا تھا۔ یہ حضرات عوام کی اسی کمزوری سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ ورنہ ظاہر ہے کہ جن لوگوں کے ماضی اور حال میں اسقدر تضاد ہو

اور جو آج کچھ کہتے ہوں اور کل کچھ۔ وہ کہیں چار آدمیوں کی مجلس میں کھڑے بھی ہو سکتے ہیں؟

اب دیکھئے کہ ان لوگوں کی تکنیک کیا ہے؟ مسلمانوں کی کیفیت یہ ہے (اور یہ کیفیت ہر اس قوم کی ہو جاتی ہے جس نے سوچنا چھوڑ دیا ہو) کہ ان کے ہاں کچھ الفاظ وراثتاً (نسلاً بعد نسلٍ) چلے آتے ہیں جو ان کے نزدیک بالکل غیر شعوری طور پر بہت محبوب اور واجب الاحترام ہیں۔ انھوں نے کبھی نہیں سوچا کہ ان الفاظ کا مفہوم کیا ہے اور ہم انھیں کیوں محبوب سمجھتے ہیں۔ خدا پرستی۔ نیک عملی۔ ثواب۔ تقویٰ۔ تزکیۂ نفس۔ روحانی ترقی۔ وغیرہ اسی قسم کے الفاظ ہیں۔ انہی الفاظ میں "شریعت" بھی شامل ہے۔ جیسا کہ اوپر لکھا گیا ہے مسلمانوں کو یہ الفاظ غیر شعوری طور پر اچھے لگتے ہیں اور جس گوشے سے ان الفاظ کی آواز کان میں پڑتی ہے وہ بازار اراده اس طرف کھنچے چلے جاتے ہیں۔ نہ سوچنے والی قوموں کی یہی روش ہے جس کے متعلق قرآن نے کہا ہے کہ وہ جن چیزوں کو دل کی گہرائیوں میں جگہ دیئے ہوئے ہیں وہ بجز اس نیست کہ اسماء سمیتموھا انتم وآباءکم (کچھ الفاظ ہیں جنھیں تم نے اور تمہارے آباؤ اجداد نے اختیار کر رکھا ہے) مسلمانوں کی یہی نفسیاتی کیفیت ہے جس سے مفاد پرست گروہ ہمیشہ فائدہ اٹھاتے چلے آرہے ہیں۔ وہ ان الفاظ کو بطور سلوگن (SLOGAN) پیش کر دیتے ہیں اور اس کے بعد عوام بلا سوچے سمجھے ان کے پیچھے لگ جاتے ہیں اور اسے نہایت نیک نیتی سے ثواب کا کام سمجھتے ہیں۔ مسلمانانِ ہند و پاکستان کی گذشتہ پچاس سالہ اجتماعی زندگی پر تیرتی ہوئی نگاہ ڈالئے اور پھر دیکھئے کہ اس قسم کی نعرہ بازیوں نے انھیں کس طرح اپنے پیچھے لگا کر تباہ و برباد کیا۔ یہی کچھ ان کے ساتھ آج اسلامی جماعت کر رہی ہے۔ ان کا سلوگن یہ ہے کہ پاکستان کا آئین شریعت کے مطابق ہونا چاہئے۔ زمامِ حکومت خدا کے صالح بندوں کے ہاتھ میں ہونی چاہئے۔ عوام کو کچھ معلوم نہیں کہ شریعت کسے کہتے ہیں اور صالح بندوں سے مفہوم کیا ہے۔ یہ الفاظ انھیں غیر شعوری طور پر محبوب ہیں اسلئے وہ ان کی طرف بلا ارادہ کھنچے چلے آرہے ہیں۔ اسکے ساتھ ہی ایک بات اور بھی ہے جس سے ان لوگوں نے فائدہ اٹھا لیا۔ موجودہ برسر اقتدار طبقہ بالعموم ان لوگوں پر مشتمل ہے جو ڈاڑھیاں منڈاتے، سر پر انگریزی بال رکھتے اور سوٹ پہنتے ہیں۔ ان میں ایسے بھی ہیں جو کلبوں میں جاتے ہیں، شراب سے بھی پرہیز نہیں کرتے۔ علاوہ بریں ان کی بیویاں بے پردہ پھرتی ہیں۔ ان حضرات نے عوام کے سامنے ان لوگوں کی تصویر پیش کر کے کہنا شروع کر دیا کہ یہ ہیں وہ لوگ جو شریعتِ حقہ کی تضحیک کرتے ہیں ان کے برعکس ہمیں دیکھئے کہ ہماری ڈاڑھیاں بھی ہیں اور سر پر پٹھے بھی[1] ہمارے پائجامے ٹخنوں سے اونچے ہیں اور ہماری بیویاں پردہ بھی کرتی ہیں۔ اب کہو کہ خدا کے صالح بندے یہ لوگ ہیں یا ہم۔ عوام کے لئے صالحیت اور غیر صالحیت کا یہ معیار کافی تھا۔ اسلئے وہ ان کے پیچھے ہو لئے۔

اب ایک قدم اور آگے بڑھئے۔ مغربی جمہوریت کی تکنیک یہ ہے کہ کسی نہ کسی طرح عوام کی اکثریت کو اپنے ساتھ رکھا جائے۔ اس کیلئے ضروری ہے کہ عوام سے مبہم الفاظ میں باتیں کی جائیں اسلئے کہ جب تک الفاظ میں ابہام رہے گا انھیں مختلف معانی پہنائے جا سکیں گے! اور اس طرح زیادہ سے زیادہ لوگوں کو اپنے ساتھ رکھا جا سکے گا۔ اگر بات واضح اور متعین الفاظ میں کی جائے تو صرف وہی گروہ ساتھ رہ سکے گا جو اس متعین مسلک میں آپ کا ہم نوا ہوگا۔ اس تکنیک کے پیش نظر اسلامی جماعت نے اپنے مطالبہ کو ہمیشہ مبہم رکھا ہے۔ اس کے الفاظ کا مفہوم متعین نہیں کیا۔ مطالبہ یہ ہے کہ پاکستان کا آئین شریعت کے مطابق ہونا چاہئے۔ انھوں نے (باوجود تقاضوں کے) آج تک یہ نہیں بتایا کہ "شریعت" سے ان کا مفہوم کیا ہے۔ اس لئے کہ یہ خوب

---

[1] واضح رہے کہ خود امیر جماعت اسلامی (سید ابوالاعلیٰ صاحب مودودی) نے اس جماعت سازی کے وقت ڈاڑھی رکھ لی تھی اور سر کے بال بھی پٹھوں میں تبدیل کر لئے تھے۔ ورنہ اس سے پہلے وہ (SHAVE) کرتے تھے اور سر پر بال بھی انگریزی وضع کے تھے۔

جانتے ہیں کہ شریعت کا کوئی سا مفہوم بھی متعین کیا جائے، ان کے ساتھیوں کا ایک نہ ایک طبقہ ان کا ساتھ چھوڑ کر مخالفت شروع کر دیگا۔ اسلئے ان کی مصلحت بینی کا تقاضا یہی ہے کہ اس لفظ کو غیر متعین رہنے دیا جائے تاکہ سادہ لوح مسلمانوں کی اکثریت کو اپنے ساتھ رکھا جا سکے۔ اگر آپ اس کی تصدیق چاہتے ہیں تو ان سے پوچھئے (اور کہئے کہ یہ اس کا دوٹوک جواب دیں) کہ وہ شریعت جس کے مطابق یہ چاہتے ہیں کہ پاکستان کا آئین مرتب ہو، اہل حدیث کے مسلک کے مطابق شریعت ہوگی یا اہل فقہ کے مسلک کے مطابق۔ اگر اہل فقہ کے مسلک کے مطابق ہوگی تو یہ فقہ حنفی کے مطابق ہوگی یا کسی اور امام کی فقہ کے مطابق۔ اہل حدیث کے مسلک کی صورت میں احادیث کے صحیح اور ضعیف ہونے کا معیار وہی ہوگا جو اہل حدیث کے ہاں مسلّم ہے یا اس سے الگ معیار ہوگا۔ اگر الگ معیار ہوگا تو اس معیار کی تشریح کیا ہے۔ اہل فقہ کے مسلک کی صورت میں کیا اجتہاد کا دروازہ کھلا ہوگا یا بند رہے گا۔ اگر کھلا ہوگا تو اس اجتہاد کا اختیار کسے حاصل ہوگا۔ اس شریعت میں قرآن کا مقام کیا ہوگا اور اس کے جزئی احکام کو کس طرح متعین کیا جائے گا۔ کیا قرآنی احکام غیر متبدل ہوں گے یا کوئی دوسری چیز انھیں منسوخ کر سکے گی۔ "شریعت" کا مفہوم متعین کرنے کیلئے ان سوالات کا جواب نہایت ضروری ہے۔ ان سے کہئے کہ ان امور کی تشریح صاف صاف اور واضح الفاظ میں کریں تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ "شریعت" سے مراد کیا ہے؟

اکثریت کو اپنے ساتھ رکھنے کیلئے انھوں نے ایک اور تکنیک بھی اختیار کر رکھی ہے۔ ہمارے ہاں ایک طبقہ تو یکسر عوام کا ہے جو اندھی تقلید کے بہاؤ میں بہے چلا جاتا ہے۔ ایک طبقہ ایسا بھی ہے جو اگرچہ تعلیم یافتہ کہلاتا ہے لیکن ابتدائی تعلیم و تربیت و ماحول کے اثرات اور اپنی فکری صلاحیتوں کے فقدان کے باعث، مذہب کے معاملے میں بالکل عوام جیسا ہے۔ یہ وہ طبقہ ہے جس کا ظاہر ماڈرن ہے لیکن باطن اسی دقیانوسی ملائیت کا حامل۔ یہی وہ طبقہ تھا جو آج سے کچھ عرصہ پہلے، مرزائیت کے دام تزویر میں گرفتار ہوا کیونکہ انھوں نے بھی ان کے دونوں پہلوؤں کی تسکین کا سامان فراہم کیا تھا۔ اب وہی انداز اسلامی جماعت نے اختیار کر رکھا ہے۔ یہ جماعت دقیانوسی ملائیت کی پیکر ہے لیکن انھوں نے اسلوب نگارش (FORM OF EXPRESSION) اور طریق استدلال ماڈرن رنگ کا اختیار کر رکھا ہے۔ چونکہ یہ طریق، پرانے مولویانہ طریق سے مختلف ہے اسلئے یہ لوگ (محض اسلوب بیان اور طریق استدلال کے فرق کی بنا پر) یہ خیال (IMPRESSION) عام کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ ان کا پیش کردہ مذہب ملائیت سے مختلف ہے۔ اس سے وہ تعلیم یافتہ طبقہ (یعنی سوٹ پہننے والا ملّا) ان کا ہم نوا ہو جاتا ہے کیونکہ اس سے ان کی ظاہرا ماڈرن ازم بھی قائم رہ جاتی ہے اور قلبی ملائیت کی بھی تسکین ہو جاتی ہے۔ اس جماعت کی خوش قسمتی سے بعض مولویوں کی طرف سے ان کی مخالفت بھی ہو گئی ہے[1]۔ یہ لوگ اس سے بھی فائدہ اٹھا رہے ہیں اور یہ ظاہر کر رہے ہیں کہ دیکھ لو ہم ملّا نہیں ہیں۔ یہ بھی بہت بڑا دھوکا ہے جو ان لوگوں کی طرف سے دیا جا رہا ہے۔ آپ ان سے کہئے کہ یہ واضح الفاظ میں بتائیں کہ وہ کون کون سے امور ہیں جن میں یہ دیگر علماء سے اختلاف رکھتے ہیں۔ بات صاف ہو جائے گی!

اب یہ دیکھئے کہ ان لوگوں نے اپنے قیام کیلئے سہارا کون سا پکڑا ہے۔ اس دور میں قرآنی تعلیم کے بہت سے گوشے بڑی سرعت سے آشکارا

---

[1] مولویوں میں شروع سے باہمد گر مخالفت چلی آ رہی ہے۔ مقلد اور غیر مقلد حنفی اور شافعی وغیرہ کی باہمی مخالفتیں کسی سے چھپی ہوئی نہیں۔ اسی قسم کی کچھ اصطلاحی سی چیزیں ہیں (مثلاً فقہ میں اجتہاد یا روایات پرکھنے کا معیار) جن کی بنا پر بعض ملّا مودودی صاحب کی مخالفت کر رہے ہیں۔ کیا اس قسم کی مخالفت سے ایک ملّا ملّا نہیں رہتا؟ کیا مقلد ملا کی مخالفت سے غیر مقلد ملا، ملّا سے کچھ اور ہو جاتا ہے؟

ہوتے چلے جارہے ہیں۔ ملوکیت بڑی تیزی سے ختم ہورہی ہے۔ پیشوائیت کا جنازہ نکل رہا ہے، نسل پرستی کا تصور معدوم ہوتا جارہا ہے۔ جغرافیائی حدود کی جگہ عالمگیر انسانی برادری کا خیال افق سے ابھر رہا ہے۔ اسی کے ساتھ ہی سرمایہ داری کی لعنت بھی مٹتی چلی جارہی ہے۔ زمینداری اور جاگیرداری سرمایہ داری کے قدیم ادارے ہیں۔ انھیں بھی نفرت کی نگاہ سے دیکھا جارہا ہے۔ ان لوگوں کو اپنا مستقبل سخت خطرے میں دکھائی دے رہا ہے۔ اسلئے اگر انھیں کسی طرف سے تائید کی ذرا سی امید بھی نظر آئے تو یہ اس گوشے کی طرف لپک کر جاتے ہیں۔ اسلامی جماعت نے ان لوگوں کی اس کمزوری اور احتیاج تائید کی کیفیت کو بھانپا اور زمینداری کی تائید شروع کردی۔ چونکہ ہماری روایات کے مجموعے، ہمارے دورِ ملوکیت میں وضع ہوئے تھے اسلئے ان میں مفاد پرستی اور سرمایہ داری کی تائید میں بہت کچھ مل سکتا ہے۔ چنانچہ انہی روایات کی بنا پر اس جماعت نے زمینداری کے مسئلہ (CASE) کو اپنے ہاتھ میں لیا ہے اور یہ کہنا شروع کردیا ہے کہ اسلام میں زمین کی انفرادی ملکیت پر کوئی حد نہیں باندھی جاسکتی اسلئے زمینداری عین شریعت کے مطابق ہے[1]۔ اسی طرح سرمایہ داری بھی۔ یہ ہے وہ "ارضی" سہارا جس پر یہ "آسمانی" تحریک قائم ہے۔

پروپیگنڈا اس جماعت کا خاص فن ہے۔ گذشتہ انتخابات میں ناکام رہنے کے بعد انھیں پھر پروپیگنڈا کی ضرورت محسوس ہوئی۔ ان کے پاس کوئی پروگرام نہیں۔ (اپنی مفاد پرستی کے علاوہ) کوئی نصب العین نہیں۔ اسلئے پروپیگنڈا کیلئے نئے حربے کہاں سے آئیں؟ چنانچہ انھوں نے پھر سے اسی پرانے سلوگن کو دہرانا شروع کردیا ہے کہ پاکستان کا آئین شریعت کے مطابق ہونا چاہیئے۔ اب پھر مسجدوں میں اس کیلئے جلسے منعقد کئے جارہے ہیں اور اس سلوگن پر مشتمل ریزولیوشن پاس کرکے حکومت کے پاس بھیجے جارہے ہیں۔ اب ذرا اس مہم کی حقیقت پر غور کیجئے۔ حکومت کی پاس کردہ قرارداد مقاصد میں یہ اصول موجود ہے کہ پاکستان کا آئین کتاب وسنت کے مطابق ہے۔ خود اسلامی جماعت کے نزدیک اس قرارداد کی اہمیت اسقدر تھی کہ انھوں نے کہا تھا کہ اس قرارداد کے منظور کرنے سے مملکت پاکستان مسلمان ہوگئی ہے۔ یہ قرارداد ابھی تک اپنی اصلی شکل میں موجود ہے۔ نہ اس میں کوئی ترمیم و تنسیخ ہوئی ہے نہ ردوبدل۔ اس قرارداد کو بنیاد تسلیم کرکے، حکومت تدوینِ آئین کے کام میں مصروف ہے۔ ان حالات میں یہ ایجی ٹیشن شروع کرنا کہ حکومت سے مطالبہ کیا جائے کہ پاکستان کا آئین شریعت کے مطابق ہونا چاہیئے، بے معنی غوغا آرائی نہیں تو اور کیا ہے؟ یہ مطالبہ تو پھر بھی قابلِ فہم ہوسکتا تھا کہ آئین سازی کا کام جلدی ختم کیا جائے۔ ظاہر ہے کہ اس پروپیگنڈے سے اس جماعت کا مقصود اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ لوگوں پر ظاہر کیا جائے کہ شریعت کے مطابق آئین سازی کا خیال صرف اسی جماعت کو ہے۔ اس کے بعد اگر آئین ان کی مرضی کے مطابق بن جائے تو پھر ڈھنڈورا پیٹا جائے کہ یہ سب اسلامی جماعت کی کوششوں کا نتیجہ ہے، جس طرح انھوں نے اس سے پیشتر ڈھنڈورا پیٹا تھا کہ قرارداد مقاصد انہی کی جدوجہد کا نتیجہ ہے۔ ان کی بددیانتی اس سے ظاہر ہے کہ انھوں نے اپنے آٹھ نکاتی اشتہارات میں یہ کہیں نہیں لکھا کہ حکومت کی پاس کردہ قرارداد مقاصد میں یہ چیز موجود ہے کہ پاکستان کا آئین کتاب وسنت کے مطابق ہوگا۔

اب یہ دیکھئے کہ اس مطالبے کی تہ میں ہے کیا؟ ان لوگوں کا عقیدہ یہ ہے کہ

(۱) شریعت صرف قرآن سے مرتب نہیں ہوتی۔ قرآن مجمل بھی ہے اور نامکمل بھی۔ اس کے اجمال کی تفصیل، اور اس کی ناتمامی کی تکمیل "سنت" سے ہوتی ہے۔ سنت سے مراد ہیں روایات کے مجموعے۔

---

[1] دیکھئے رسالہ "ملکیتِ زمین" از سید ابوالاعلیٰ صاحب مودودی۔ اسی قسم کی "شریعت" میرزا بشیرالدین احمد صاحب نے بھی اپنی کتاب میں پیش کی ہے۔

(ب) روایات کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ ان میں غلط بھی ہیں اور صحیح بھی۔

(ج) غلط اور صحیح روایات پرکھنے کا معیار یہ ہے کہ جس روایت کے متعلق "مزاج شناس رسول" یہ کہدے کہ وہ صحیح ہے اسے صحیح تسلیم کیا جائے۔ جس کے متعلق وہ کہدے کہ غلط ہے اسے غلط مانا جائے۔[۱]

(د) جس مسئلہ کے متعلق کوئی روایت نہ مل سکے اس کیلئے بھی "مزاج شناس رسول" کہہ سکتا ہے کہ اگر اس وقت رسول اللہ موجود ہوتے تو وہ کیا فیصلہ دیتے۔[۲]

آپ نے غور فرمایا کہ ان عقائد کی رُو سے شریعت سمٹ سمٹا کر کہاں پہنچ جاتی ہے؟ شریعت محصور ہو جاتی ہے "مزاج شناس رسول" کے فیصلوں میں۔ اسے اپنے ان فیصلوں کی تائید میں نہ کسی سند کی ضرورت ہے نہ مشورے کی۔ نہ دلیل کی حاجت ہے نہ شہادت کی۔ آخری فیصلہ ٹھہرتا ہے اس کی نگاہ پر۔ کیونکہ اس کی نگاہ میں وہ بصیرت ہوتی ہے جو یہ کہہ سکے کہ اس مقام پر رسول اللہ کا فیصلہ کیا ہو سکتا تھا۔ وہ اپنی رائے کو رسول اللہ کے حکم کی حیثیت سے پیش کرتا ہے اور اسی حیثیت سے اُسے منواتا ہے۔ جو اس سے اختلاف کرتا ہے وہ رسول اللہ کے حکم سے اختلاف کرتا ہے اور چونکہ رسول اللہ کا حکم درحقیقت خدا کا حکم ہے، اس لئے اس "مزاج شناس رسول" کا حکم دراصل خدا کا حکم قرار پا جاتا ہے۔[۳] یہ ہیں وہ خدائی اختیارات جو یہ "مزاج شناس رسول" اپنی ذات میں سمیٹ لیتا ہے اور اس طرح خود خدا بن کر مخلوقِ خدا پر حکومت کرتا ہے یہ ایک ایسی ڈکٹیٹر شپ ہے جس کی مثال دنیا کے مستبد ترین آہنی ڈکٹیٹروں کے ہاں بھی نہیں ملے گی۔ یہ ہے وہ ... "حکومتِ الٰہیہ" (THEOCRACY) کی مطلق العنان آمریت جسے مقدمین کا یہ طائفہ امت پر مسلط کرنا چاہتا ہے۔ ان کے اس استبداد کی زد کہاں تک ہوگی، اس کا اندازہ اس سے لگائیے کہ ان لوگوں کی طرف سے ابھی سے یہ اعلانات شروع ہو گئے ہیں کہ اسلام میں مرتد کی سزا قتل ہے۔ اور مرتد سے مراد وہی شخص نہیں جو اسلام چھوڑ کر دوسرا مذہب اختیار کرلے۔ بلکہ "شریعت" کی رو سے ہر وہ شخص مرتد ہے جو اسلام کے "مسلمہ عقائد" سے اختلاف رکھے۔ اور عقائد وہی مسلمہ ہو سکتے ہیں جن کی صحت کی تصدیق ان حضرات کی طرف سے ہو۔ ان سے ذرا اختلاف ہوا اور آپ مرتد قرار پائے۔ اس کے بعد آپ کا انجام ظاہر ہے۔ یعنی جن اختلافات کی بنا پر آج یہ حضرات (اختیارات نہ ہونے کی وجہ سے) صرف گالیوں تک اکتفا کرتے ہیں۔ اختیارات حاصل ہونے کے بعد انہی اختلافات کی بنا پر ان کے مخالفین کو حوالۂ دار و رسن کیا جائیگا۔ اور چونکہ یہ سب کچھ کیا جائیگا "خدا کا نام بلند" کرنے کے لئے۔ اس لئے جو شخص ان کے اس استبداد کے خلاف لب کشائی کریگا اس کا مقام بھی پھانسی کا تختہ ہوگا۔ آپ دنیائے مذہب کی تاریخ کا مطالعہ کیجئے اور دیکھئے کہ جس زمانے میں زمامِ اقتدار مذہبی ملاؤں کے ہاتھ میں آئی ہے انسانیت پر کیا گذری ہے؟ خود مسلمانوں کی تاریخ میں ایسے زمانے گذر چکے ہیں جب ہر شخص کو اپنی جیب میں "صحتِ عقائد" کا

---

[۱] جن اختلافات کی بنا پر مولوی صاحبان ابوالاعلیٰ صاحب مودودی کی مخالفت کرتے ہیں، ان میں ایک اختلاف یہ بھی ہے۔

[۲] یہ تمام امور بہ تفصیل اس مضمون میں درج کئے جا چکے ہیں جو "مسئلہ مو" کے عنوان سے طلوعِ اسلام میں شائع ہو چکا ہے۔

[۳] آپ نے غور فرمایا کہ یہ حضرات احادیث کی اطاعت پر اتنا زور کیوں دیتے ہیں؟ اسلئے کہ احادیث کی اطاعت سے مقصود ہوتا ہے خود ان لوگوں کے فیصلوں کی اطاعت۔ اس طرح یہ لوگ، رسول اللہ کے نام کی سپر میں اپنی ہوسِ اقتدار کی تسکین چاہتے ہیں۔

حکایتِ قرآں یار دلنواز کنم بایں بہانہ مگر عمرِ خود دراز کنم

سارٹیفکٹ" رکھنا پڑتا تھا جس کے پاس ایسا سارٹیفکٹ نہ ہوا سے ہر وقت اپنی جان کا خوف رہتا تھا کیونکہ ارتداد کے جرم میں اس کا خون مباح ہوتا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ دنیا میں جسقدر خونِ ناحق مذہبی پیشواؤں کے خود ساختہ "خدا" کے نام پر بہایا گیا ہے، شیطان کے حصے میں اس کا عشر عشیر بھی نہیں آیا ہوگا۔ آج بھی جن "اسلامی ممالک" میں شریعت کا نفاذ ہے وہاں دیکھئے کہ شخصی استبداد کی گرفت کسقدر آہنی ہے۔ وہاں ملوکیت اسی شریعت کے سایہ میں پروان چڑھتی ہے اور ہر ظلم "خدا" کے نام پر روا رکھا جاتا ہے۔ اسی کی کوشش آج پاکستان میں ہو رہی ہے۔ اسوقت یہ لوگ "شریعت" کے نام پر اپنی قوت مجتمع کر رہے ہیں اور سادہ لوح مسلمان کو کچھ معلوم نہیں کہ اس دامِ ہمرنگ زمین کے نیچے کیا ہے؟ جب انھوں نے اس طرح قوت فراہم کرلی تو اس کے بعد آپ دیکھیں گے کہ یہاں جو آئین بھی مرتب ہوا اس کے متعلق یہ لوگ اعلان کردیں گے کہ یہ شریعت کے مطابق نہیں۔ شریعت کے مطابق صرف وہی آئین ہوسکتا ہے جسے "مزاج شناسِ رسول" کی تصویب حاصل ہو۔ اس طرح یہ کوشش کرینگے کہ ان کا مرتب کردہ آئین ملک میں نافذ ہو۔ آئین کسی جامد شے کا نام نہیں کہ ایک دفعہ مرتب ہوچکنے کے بعد قصہ ختم ہو۔ آئین، چند بنیادی اصولوں پر مشتمل ہوتا ہے جن کی تعبیرات (INTERPRETATIONS) اور جزئیات کی ترتیب کا کام مستقلاً جاری رہتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ کام انہی کے سپرد ہوسکے گا جو آئین کی تدوین کے ذمہ دار ہونگے۔ یہ ہے وہ طریق کار جس سے یہ لوگ یہاں اپنا اقتدار قائم کرنا چاہتے ہیں۔ آپ خود سوچ لیجئے کہ اگر (خدانکردہ) یہ لوگ اپنے عزائم میں کامیاب ہوگئے تو پاکستان کا حشر کیا ہوگا؟ یہ دوسرا "افغانستان" بن جائیگا۔

یہ ہیں وہ وجوہات جن کی بنا پر طلوع اسلام ان حضرات کی، مقدس نقابوں میں چھپی ہوئی اقتدار پرستیوں کی مخالفت کرتا ہے۔ اور یہ ہے وہ مخالفت جس کی وجہ سے یہ لوگ طلوعِ اسلام کو "منکرِ حدیث" ایک "جدید اسلام کا بانی" اور نہ جانے کیا کیا قرار دیکر، سزاوارِ دار و رسن قرار دیتے رہتے ہیں۔ طلوع اسلام نہ مقامِ رسالت کا منکر ہے نہ مقامِ حدیث کا۔ یہ منکر ہے ان لوگوں کی وسیع کاریوں کا جو رسول اور حدیث کے نام پر اپنا اقتدار قائم کرکے پیشوائیت (PRIESTHOOD) کا وہی استبداد پھر سے لانا چاہتے ہیں جسے مٹانے کے لئے قرآن نازل ہوا تھا اور جس کے ذریعے رسول اللہ نے دنیا کو انسانیت ساز اور زندگی بخش پیامِ عدل و ربوبیت دیا تھا۔ طلوع اسلام اسی قرآنی اسلام کی تجدید کرنا چاہتا ہے۔

اب ہمارے سامنے تیسرا گروہ آتا ہے اور یہی گروہ درحقیقت ہمارا مخاطب ہے اور انہی سے ہماری توقعات وابستہ ہیں۔ یہ وہ گروہ ہے جس نے تحریک پاکستان میں پورے انہماک سے حصہ لیا۔ اس گروہ کے سامنے پاکستان کے حصول سے کوئی ذاتی مفاد نہیں تھا۔ ان کا مقصد صرف اسقدر تھا کہ اس خطۂ زمین میں خدا کے اُس نظامِ عدل و ربوبیت کو عملاً نافذ کیا جاسکے جو انسانیت کی نشوونما کا ضامن اور جوہرِ خودی کی برومندی اور ثمرباری کا کفیل ہے۔ یہ گروہ، ان حسین توقعات کو لیکر پاکستان آیا تھا لیکن اس پانچ سال کے عرصے میں جو کچھ انھوں نے دیکھا اس سے یہ سخت شکستہ خاطر ہوگئے اور اب ان کی حالت یہ ہوچکی ہے کہ یہ مستقبل سے ناامید ہوکر، عملی رہبانیت اختیار کرچکے ہیں۔ یہ وہ گروہ تھا جو طلوع اسلام کی قرآنی آواز پر شریکِ ہنگامۂ تحریک پاکستان ہوا تھا اور اس لئے یہ (ایک مخلص اور شفیق لیکن غم خوردہ دوست کی طرح) طلوع اسلام سے اس طرح گلہ سنج ہے گویا یہی ان حالات کا ذمہ دار ہے جو پاکستان میں رونما ہوئے (اور ہو رہے ہیں)۔ طلوع اسلام ان کی ان شکایت ہائے رنگیں کو سر آنکھوں پر رکھتا ہے اور اس قلبی تعلق کی بنا پر جو انھیں طلوع اسلام سے ہے (اور جس کا اظہار ان محبت آمیز شکووں کی صورت میں ہوتا ہے) اُن سے

خصوصی تخاطب چاہتا ہے۔ آؤ! آج ایک مدت کے بعد ذرا جی کھول کر باتیں کریں۔

غزل سرائے و نواہائے رفتہ باز آور ہائے فسردہ دلاں حرفِ دل نواز آور

یہ ایک حقیقت ہے جس سے (ہم میں سے) کسی کو بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ (۱) ایک خطۂ زمین کا حاصل کرنا اور (۲) اس خطۂ زمین میں خالص قرآنی نظام کا رائج کرنا، دو متمیز شقیں تھیں۔ یہ ظاہر ہے کہ شق اول کے حصول کے بغیر شقِ دوم کا سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا تھا۔ ہمارا اور آپ کا منتہائے نگاہ شق دوم تھی لیکن اس کیلئے پہلا مرحلہ شقِ اول کا حصول تھا۔ ہندوستان میں سیاسی تبدیلیاں اس سرعت سے رونما ہو رہی تھیں کہ اگر ہم اپنی توجہ شق اول سے ذرا بھی اِدھر اُدھر ہٹا لیتے تو زمانہ ہمیں روند کر آگے بڑھ جاتا اور اس شق کا حصول ناممکن ہو جاتا۔

جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں، اس وقت تحریک پاکستان کے مخالف مسلمان دو گروہوں میں بٹے ہوئے تھے۔ ایک گروہ نیشنلسٹ مسلمانوں کا تھا جو مسلمانوں کی جداگانہ قومیت اور جداگانہ حکومت کے تصور کا مخالف تھا۔ دوسرا گروہ اسلامی جماعت والوں کا تھا جو مسلمانوں کو (تحریک پاکستان کے خلاف) یہ کہکر ورغلاتے تھے کہ اصل چیز کسی خطۂ زمین کا حصول نہیں بلکہ پیدائشی مسلمانوں کو اصلی مسلمان بنانا ہے۔ اس "مقدس جہاد" سے ان کا مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کی توجہ حصول پاکستان سے ہٹا کر دوسری طرف منعطف کر دی جائے اور اتنے میں ہندوستان پورے کا پورا ہندوؤں کے ہاتھ میں چلا جائے۔ یہ سب کچھ اس جذبے کے ماتحت ہو رہا تھا کہ مسلمانوں نے اپنی قیادت کیلئے مرکزی حیثیت محمد علی جناح کو کیوں دیدی ہے، ہمیں قائد اعظم کیوں نہیں بنایا گیا۔ ان دونوں گروہوں کے برعکس، طلوع اسلام کی آواز یہ تھی کہ سیاسی حالات نے ایسے تقاضے پیدا کر دیئے ہیں جن کے پیش نظر سب سے مقدم سوال یہ ہے کہ پورے کے پورے ہندوستان کو ایک مملکت تسلیم کر لیا جائے یا مسلمانوں کو اپنی جداگانہ مملکت کے قیام کیلئے ایک خطہ ملک الگ دیدیا جائے۔ طلوع اسلام کا کہنا یہ تھا کہ اگر ہم اس وقت اپنی علیحدگی کے مطالبہ میں ذرا بھی چوک گئے تو پھر شقِ دوم (یعنی ایک خطۂ زمین میں قرآنی نظام کی ترویج و تنفیذ) ناممکن ہو جائے گی۔ آپ حضرات نے طلوع اسلام کی اس آواز کی تائید کی اور ہندوستان کے بٹوارے میں ایک خطۂ زمین مسلمانوں کی تحویل میں آ گیا۔

ہم پوچھتے یہ ہیں کہ کیا یہ کامیابی (مفاد پرستانہ نقطۂ نظر سے نہیں بلکہ اس مقصد عظیم یعنی شق دوم کے پیش نظر جس کا اوپر ذکر کیا جا چکا ہے) کچھ کم کامیابی تھی؟ کیا یہ تبدیلی ایسی تھی جس پر ہم آج اس طرح شکوہ سنج اور گلہ طراز ہو جائیں؟ کیا آپ کی سعی و عمل کا یہ نتیجہ ایسا تھا جس پر آپ تاسف و پشیمان ہوں؟ اگر یہ تاسف و پشیمانی کا مقام نہیں بلکہ مقام تبریک و تہنیت ہے تو پھر اس سے دل گرفتگی اور شکستہ خاطری کیوں؟ یہ تو بہت بڑی کامیابی ہے جو تمہیں نصیب ہوئی تھی۔ فلیفرحوا اھا۔

اب لیجئے شق دوم۔ یعنی پاکستان میں قرآنی نظام کی ترویج و تنفیذ کو۔ اس باب میں آپ کی بنیادی غلطی یہ تھی کہ آپ نے سمجھ لیا تھا کہ شق اول (زمین کے حصول) کے بعد شق دوم خود بخود پیچھے پیچھے چلی آئیگی۔ جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے، یہ دونوں شقیں الگ الگ تھیں اور ان میں باہمی ربط صرف اسقدر تھا کہ شق دوم کے حصول کیلئے شق اول کا حصول ناگزیر تھا، جس طرح مکان بنانے کیلئے زمین کا حاصل کرنا ناگزیر ہوتا ہے۔ شقِ اول کے حصول کے بعد شق دوم کے لئے ایک نئے سلسلۂ جدوجہد اور سعی و کاوش کی ضرورت تھی۔ اس جدوجہد کی ذمہ داری آپ کے سر تھی کیونکہ شقِ دوم کا تصور صرف آپ کی نگاہوں کے سامنے تھا۔ سوچئے کہ آپ نے اس جدوجہد میں کسقدر حصہ لیا ہے؟

آپ اسلئے مایوس ہو گئے کہ آپ کے نزدیک ہمارے "طبقۂ اعلیٰ" کا کیرکٹر اسقدر پست نکلا؟ لیکن یہ بھی کوئی خلافِ توقع بات نہ تھی جس سے اسقدر مایوسی ہو جاتی۔ پہلی قابلِ غور بات تو یہ ہے کہ آپ نے انھیں "طبقۂ اعلیٰ" فرض کس طرح کر لیا؟ محض اس بنا پر کہ ان میں سے اکثر لوگ ایک اتفاقی حادثہ (نہ کہ جوہرِ ذاتی) کی بنا پر جاہ و منصب کے مالک بن گئے؟ اگر اس طرح جاہ و منصب کے حصول سے کوئی انسان بلند مرتبہ قرار پا سکتا تو اسلام ملوکیت کو کبھی وجہِ فسادِ آدمیت قرار نہ دیتا۔ ملوکیت میں یہی ہوتا ہے کہ ایک شخص ایک اتفاقی حادثہ (بادشاہ کے گھر پیدا ہو جانے) کی بنا پر برسرِ اقتدار آجاتا ہے۔ اس اقتدار کو اپنے ذاتی جوہروں اور بلند صلاحیتوں کی بنا پر حاصل نہیں کرتا۔ اسلئے قرآن اس طرح اقتدار کا وارث بن جانیوالے کو اکرم (واجب التکریم) قرار نہیں دیتا۔ اس کے نزدیک اکرم (واجب التکریم) وہی ہے جو ذاتی جوہروں کی بنا پر اس مقام کا مستحق قرار پاتا ہو (ان اکرمکم عند اللہ اتقکم)۔ لہٰذا قرآنی معیار کے مطابق یہ طبقہ "طبقۂ اعلیٰ" قرار ہی نہیں پا سکتا۔

دوسرے یہ کہ اسوقت ہمارے معاشرے میں جسقدر خرابیاں ابھری ہوئی نظر آرہی ہیں، یہ سب پہلے بھی موجود تھیں۔ فرق صرف یہ تھا کہ ہندوستان میں ان کے ابھرنے کے مواقع کم تھے یہاں وہ مواقع بکثرت سامنے آگئے اسلئے یہ مستور خرابیاں ابھر کر سطح کے اوپر آگئیں۔ چیچک کا مواد تو بہت پہلے سے جسم میں موجود ہوتا ہے۔ جسوقت خارجی حالات اس سے موافق ہو جاتے ہیں وہ ابھر کر چیچک کے دانوں سے سارے جسم کو داغدار بنا دیتا ہے۔ یا یوں کہئے کہ پاکستان بننے کے بعد کیرکٹر کی پستی کے مظاہرات کی نوعیت میں فرق آگیا ہے۔ محکومی کے زمانے کے عیوب اور قسم کے ہوتے ہیں اور قوت و اقتدار کے زمانہ اور قسم کے۔ ہندوستان میں ہمارے معاشرے کے عیوب و نقائص اول الذکر قسم کے تھے۔ حصولِ اقتدار کے بعد یہ دوسری قسم میں بدل گئے۔ آپ نے یہ بات اکثر سنی ہو گی کہ معلوم نہیں کیا وجہ ہے، جس شخص کے ہاتھ میں اختیار آجائے وہ انہی جیسا ہو جاتا ہے جن کی شکایتیں پہلے وہ خود کیا کرتا تھا! یہ اسلئے کہ پہلے اس کی پستیٔ سیرت کے مظاہرے کے مواقع نہیں تھے اسلئے وہ مستور تھی۔ اختیار ملنے پر وہ مشہود ہو گئی۔ یا یہ کہ پہلے اس کے عیوب اور قسم کے تھے۔ صاحبِ اقتدار ہونے پر ان کی نوعیت بدل گئی۔

لہٰذا یہ عیوب ہمارے پورے معاشرے میں پھیلے ہوئے ہیں اور ایک مدت سے چلے آرہے ہیں۔ ان میں نہ ادنیٰ کی تخصیص ہے نہ اعلیٰ کی۔ نہ ہی یہ پاکستان سبکِ محدود میں مسلمانوں کے تمام ممالک کا یہی حال ہے! اس لئے یہ چیز بھی وجہِ مایوسی نہیں ہونی چاہئے۔

اب سوال یہ ہے کہ اس صورتِ حالات میں کیا کیا جائے؟ اس کے دو ہی جواب ہو سکتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ بھارت ورش کے ہندوؤں سے کہدیا جائے کہ ہم سے حماقت ہوئی جو تم سے الگ ہو گئے۔ ہماری توبہ۔ ہماری ہفت پشت ہفتاد نسل کی توبہ۔ اس خطۂ زمین کو پھر سے ہندوستان میں شامل کر لیجئے اور ہمیں اپنی غلامی میں قبول فرما لیجئے۔ یہ وہ انداز (ATTITUDE) تھا جسے بنی اسرائیل نے اختیار کیا تھا جب صاحبِ ضربِ کلیم انھیں فرعون کی غلامی سے نکال کر سینا کی وادیوں میں لے آئے تھے تاکہ وہاں انسانوں کی ذلت آمیز غلامی سے نکل کر اپنے خدا کے حیات بخش قانون کے مطابق زندگی بسر کر سکیں وہ قدم قدم پر حضرت موسیٰؑ کا دامن پکڑ کر بیٹھ جاتے اور نہایت تند و تلخ لہجہ میں کہتے کہ تم نے ہم پر ظلم کیا جو یہاں لے آئے۔ ہم وہیں اچھے تھے۔ اب بھی ہمیں وہیں بھیجدو۔ کس اطمینان اور سکون کی تھی وہ زندگی!

نے تیر کماں میں تھا نہ صیاد کمیں میں گوشے میں قفس کے ہمیں آرام بہت تھا

ہم پوچھتے ہیں اپنے اس مخاطب گروہ سے کہ کیا آپ واقعی یہ چاہتے ہیں کہ آپ کی آرزوؤں کی آماجگاہ، یعنی سرزمینِ پاکستان پھر سے ہندوؤں کو لوٹا دی جائے

اور آپ اور آپ کی آنیوالی نسلیں ان کی غلامی میں زندگی بسر کریں؟ ہم نہیں سمجھتے کہ اس گروہ میں کوئی ایک متنفس بھی ایسا ہوگا جو یہ کہے کہ ہاں میں یہی چاہتا ہوں؟ یہ کچھ تو وہ پاگل کہیگا جس کے نزدیک سر درد کا علاج سر کاٹ دینا ہو۔ وہ جو یہ سمجھتا ہو کہ اگر کسی بچے نے سلیٹ پر غلط الفاظ لکھ دیئے ہوں تو بجائے اس کے کہ انھیں مٹا کر ان کی جگہ صحیح الفاظ لکھ دیئے جائیں، اس سلیٹ ہی کو توڑ دینا چاہیئے۔ ہمیں اس کی قطعاً توقع نہیں کہ ہمارے زیرِ نظر گروہ میں کوئی بھی ایسا پاگل ہوگا جو اس قسم کا خیال تک بھی دل میں لائے خواہ حالات کی ظلمت انگیزیوں نے اسے کتنا ہی مایوس کیوں نہ کر دیا ہو!

دوسری صورت لامحالہ یہی ہے کہ اب جبکہ یہ خطۂ زمین حاصل ہو چکا ہے، اس میں قوانینِ خداوندی کے نفاذ کی کوشش کی جائے۔ ہم اپنے اس مخاطب گروہ سے پوچھتے ہیں کہ آپ (اور صرف آپ ہی) وہ تھے جو ایک خطۂ زمین اسلئے چاہتے تھے کہ اس میں نظامِ خداوندی کو رائج کیا جا سکے۔ اب اگر آپ ہی ہمت ہار بیٹھیں تو بتائیے کہ اس نظام کی تنفیذ و ترویج کا کوئی امکان باقی رہے گا؟ آپ کے علاوہ کوئی گروہ ایسا نہیں جو اس نظام کی ترویج سے خوش ہو، اسلئے کہ اس نظامِ عدل و ربوبیت میں ہر مفاد پرست گروہ کو اپنی موت نظر آتی ہے۔ یہ وہ نظام ہے جس میں کوئی انسان کسی دوسرے انسان کا محکوم نہیں ہوتا اسلئے اس نظام میں حکومت و اقتدار کی ہوس رکھنے والوں کی موت ہے۔ یہ وہ نظام ہے جس میں خدا اور بندے کا براہِ راست تعلق (بذریعہ قانونِ خداوندی) قائم ہو جاتا ہے اسلئے اس میں ملا کی پیشوائیت (PRIESTHOOD) کی موت ہے۔ یہ وہ نظام ہے جس میں رزق کے سرچشمے، اللہ کے قانون کے مطابق رزق بانٹنے والوں کے ہاتھ میں ہوتے ہیں، اسلئے اس میں زمینداروں، جاگیرداروں، زراندوزوں اور سرمایہ پرستوں کی موت ہوتی ہے۔ یہ وہ نظام ہے جس میں ہر فرد مملکت کی بنیادی ضروریاتِ زندگی (روٹی، کپڑا، مکان، حفاظت) کی بہم رسانی[1] اور ان کی مضمر انسانی صلاحیتوں کے نشوونما کے اسباب و ذرائع کی فراہمی نظامِ معاشرہ کے ذمے ہوتی ہے اسلئے اس میں ہر اس مفاد پرست کی موت ہے جو دوسروں کی احتیاج سے فائدہ اٹھا کر ان کے خون کی رنگینی سے اپنے عشرت کدہ کی تزئین و آرائش کا سامان خریدتا ہے۔ سوچئے کہ ان گروہوں میں سے کوئی گروہ بھی ایسا ہو سکتا ہے جو اس نظام کے قیام و استحکام کے لئے کوشاں ہو؟ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ یہ اتنے ہی پاگل ہیں کہ اپنے ہاتھوں اپنی خودکشی کا سامان بہم پہنچائیں!

اندریں حالات آپ فرمائیے کہ اگر آپ بھی نامساعدتِ حالات سے مایوس ہو کر رسمِ خانقاہیت اختیار کر لیں اور دنیا کے ہنگاموں سے منہ موڑ کر، گوشوں اور زاویوں میں روٹھ کر بیٹھ جائیں، تو اس نظامِ ربوبیت کی تنفیذ کیلئے آسمان سے فرشتے آئیں گے؟ اگر وہ سر جن میں ربوبیتِ انسانیہ کو بے حجاب جلوہ فرما دیکھنے کا سودا تھا، اس طرح بادِ دوش ہو جائیں، تو کہئے کہ باطل کے انسانیت سوز کارگہ شیشہ گراں میں کلوخ اندازی کا "جنون" اپنا مسکن کہاں تلاش کرے؟ اگر وہ دل جن میں ارضی معاشرہ کو سماوی قوانین سے ہم آہنگ کرنے کا ولولہ موج انگیز تھا، فرطِ یاس سے لحدِ سینہ میں ہم آغوشِ موت ہو جائے تو فرمائیے کہ مفاد پرستانہ مہرہ بازیوں کی بساط الٹنے کا جذبہ کونسے قلب کو اپنا مأمن بنائے؟ سوچئے اور جواب دیجئے۔ اس کا جواب آپ کے ذمے ہے کہ اگر اس مقام تک پہنچکر یوں روٹھ کر بیٹھ جانا تھا تو

مکتبِ عشق میں کیا کام تھا، آیا تھا کیوں؟

---

[1] آجکل، طلوعِ اسلام کی دیکھا دیکھی (اور لوگوں کے اعتراضات سے بچنے کی خاطر) اسلامی جماعت نے بھی یہ کہنا شروع کر دیا ہے کہ شریعت کے مطابق آئین کی رو سے، افرادِ مملکت کی بنیادی ضروریاتِ زندگی، حکومت کے ذمے ہونگی حالانکہ اس سے پہلے ان کے ہاں کبھی اس چیز کا ذکر نہیں آتا تھا۔ اب بھی جب ان سے کہا جاتا ہے کہ جب رزق کے سرچشمے انفرادی ملکیت میں ہوں گے تو نظامِ حکومت، افرادِ مملکت کی بنیادی ضروریاتِ زندگی کا سامان کہاں سے فراہم کریگا تو ان کے پاس اس اعتراض کا کوئی جواب نہیں ہوتا!

اسوقت حالت یہ ہے کہ استبداد کے پنجۂ آہنی میں جکڑی ہوئی انسانیت، متیٰ نصر اللہ متیٰ نصر اللہ پکار رہی ہے اور تم، کہ جن کی زبانوں پر ان حالات میں بے ساختہ نحن انصار اللہ کا نعرۂ جاں بخش آجانا چاہیے تھا، نامساعدتِ حالات سے منہ موڑ کر بت بنے بیٹھے ہو؟

وائے سنگے کہ صنم گشت و بہ بینا نرسید!

تم مایوس اس لئے ہو گئے ہو کہ تم نے فرض کر لیا ہے کہ حالات اس حد تک بگڑ چکے ہیں کہ ان میں تبدیلی پیدا کرنا ناممکن ہے۔ حالانکہ ذالکم الشیطن یخوف اولیاءہٗ۔ یہ ابلیس کا دھوکا ہے جو تمہیں اس طرح موہوم چھلاوؤں سے ڈراتا ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ لفظ ابلیس کا مادہ ابلاس ہے اور ابلاس کے معنی ہی ناامیدی ہیں۔ اسلئے ابلیس کا حربہ یہ ہے کہ وہ انسان کے دل میں ناامیدی پیدا کر دے۔ اسوقت آپ مایوس ہیں جس کے معنی یہ ہیں کہ آپ پر ابلیس کا جادو چل گیا ہے اور ابلیس کا جادو سوائے فریبِ نگاہ کے اور کچھ نہیں ہوتا۔ جن حالات کو آپ اسدرجہ حوصلہ فرسا اور ہمت شکن خیال کرتے ہیں وہ صرف اسوقت تک ہمت شکن ہیں جب تک آپ مایوسیوں کے ابلیسانہ فریب میں گھرے ہوئے ہیں۔ اگر آپ ایک دفعہ زندہ امیدوں کا سہارا لیکر اٹھ کھڑے ہوں تو آپ دیکھیں گے کہ ان نگاہ فریب چھلاوؤں کا کہیں وجود تک بھی نظر نہیں آئیگا۔ حقیقت یہ ہے کہ

ایں صنم تا سجدہ اش کردی خدا ست! چو یکے اندر قیام آئی فنا ست

یہ "برف کے بت" سورج کی پہلی کرن کے ساتھ ہی پگھلنے شروع ہو جاتے ہیں۔ محرومِ دیانت معاشری نظام (CORRUPT SOCIAL ORDER) خود اپنے بوجھ سے ٹوٹ جایا کرتا ہے۔ تدبیر کی فسوں سازیاں اسے زیادہ دیر تک قائم نہیں رکھ سکتیں۔ تاریخ کے اوراق اس پر شاہد ہیں۔ باقی رہی ملّا کی غوغا آرائی۔ تو (جیسا کہ اوپر لکھا جا چکا ہے) اس کا وجود زمینداری کی تائید پر قائم ہے۔ لیکن جب زمانے کے تقاضے، خود زمینداری ہی کو ختم کرنے کے درپے ہیں تو اس شاہ بلوط کے آسرے پر ایستادہ انگور کی بیلیں کب تک قائم رہ سکیں گی؟ اس میں شبہ نہیں کہ ان "مقدس پیشوایانِ ملت" کی کوشش یہ ہے کہ ان کا یہ آسرا زیادہ سے زیادہ عرصہ تک قائم رہ سکے، لیکن ان کی یہ چارہ سازی اسی قسم کی ہے جس قسم کی تدبیریں، پیرانِ کلیسا، جمعیت الاقوام کو زندہ رکھنے کیلئے کیا کرتے تھے اور جن کے متعلق اقبال نے کہا تھا کہ

بیچاری کئی روز سے دم توڑ رہی ہے ڈر ہے خبر بد نہ مرے منہ سے نکل جائے
تقدیر تو مبرم نظر آتی ہے ولیکن پیرانِ کلیسا کی دعا یہ ہے کہ ٹل جائے
ممکن ہے کہ یہ داشتۂ پیرکِ افرنگ ابلیس کے تعویذ سے کچھ روز سنبھل جائے

حقیقت یہ ہے کہ اس وقت ساری دنیا میں پیشوائیت (PRIESTHOOD) کے پاؤں اکھڑ چکے ہیں۔ اب اس کا آخری حربہ یہ ہے کہ یہ "ماڈرن ازم" کے نقاب میں سامنے آرہی ہے[1]۔ (جیسا کہ پاکستان میں بدیہی طور پر ہو رہا ہے) لیکن یہ بھی اس کی حرکتِ مذبوحی ہے۔ یہ فریب زیادہ دن چل نہیں سکتا۔ اب دنیا قرآن کے بہت قریب آچکی ہے۔ اب ملوکیت۔ پیشوائیت۔ سرمایہ پرستی۔ نسلی امتیازات۔ جغرافیائی حدود کی بنا پر انسانوں کی تقسیم وغیرہ غیر قرآنی تصورات، ایک ایک کر کے مٹ رہے ہیں۔ یہ سب ڈوبنے والے تارے ہیں۔ اس لئے

---

[1] سچائی کی افضلیت کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ خود جھوٹ کو بھی سچائی کا نقاب اوڑھ کر سامنے آنا پڑتا ہے۔ کوئی جھوٹا یہ کہہ کر کامیاب نہیں ہو سکتا کہ میں جھوٹ بول رہا ہوں۔ اسے اپنی کامیابی کیلئے ہمیشہ یہ کہنا پڑتا ہے کہ میں سچ بولتا ہوں۔ اسلئے خود جھوٹا بھی سچ کی کامیابی کا معترف ہوتا ہے۔

سحر قریب ہے۔ اللہ کا نام لے ساقی

یہ ہے حقیقت مخالف قوتوں کی۔ ان کے برعکس، آپ کے پاس قرآن ہے اور قرآن اور نصرتِ خداوندی (یعنی قانونِ خداوندی کی تائید) لازم و ملزوم ہیں۔ اس وقت آپ اس تائید و نصرت سے محروم، فلہذا، مایوس، اس لئے ہیں کہ آپ کو قانونِ خداوندی کی نصرت کو اپنے ساتھ ملانے کا طریقہ یاد نہیں۔ تائید و نصرتِ قانونِ خداوندی کا غیر متبدل اصول یہ ہے کہ آغاز کار (INITIATIVE) انسانوں کی طرف سے ہونا چاہیے۔ جونہی اِدھر سے آغازِ کار ہوا اُدھر سے تائید و نصرتِ قانونِ ایزدی کے "ملائکہ" کا نزول شروع ہو گیا۔ ان الذین قالوا ربنا اللہ ۔ ثم استقاموا۔ تتنزل علیھم الملائکۃ۔ "جن لوگوں نے اس محکم اصول کو اپنا نصب العین حیات بنا لیا کہ ہماری ربوبیت کا دامن، قانونِ خداوندی کے ساتھ وابستہ ہے۔ اور پھر اپنی قوتوں میں توازن پیدا کر کے اس نظام کے قیام کے لئے مصروفِ عمل ہو گئے تو کائنات کی وہ قوتیں جو قانونِ خداوندی کے مطابق اعمال کو نتیجہ خیز بنانے پر مامور ہیں ان کی رفیقِ کار ہو گئیں۔ ہماری بھول یہ ہے کہ ہم ابتدا اُدھر سے چاہتے ہیں اور اس کے انتظار میں ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہتے ہیں۔ اور جب اس طرح اُدھر سے تائید کی آواز نہیں آتی تو ہم پر نا امیدی کی افسردگی طاری ہو جاتی ہے۔ ہم نہیں سوچتے کہ اس میں قصور خود ہمارا ہی ہے نہ کہ تائیدِ ایزدی کا۔

آپ ان گذارشات کو اپنے سامنے رکھئے اور پھر اپنے سینے کو کریدیئے جو اس وقت، خود آوردہ مایوسیوں اور افسردگیوں سے راکھ کا ڈھیر بن رہا ہے۔ اور دیکھئے کہ اس خاکستر کے نیچے وہ چنگاری باقی ہے جس نے کبھی اس نیستانِ نم خوردہ کو شعلۂ جوالہ بنا دیا تھا؟ اگر اس میں اُس شررِ نہفتہ کا نشان مل جائے (اور ہمیں یقین ہے کہ اس کا سُراغ ضرور مل جائیگا) تو اسے زندہ رکھنے کی کوشش کیجئے کہ

دلِ مردہ دل نہیں ہے، اسے زندہ کر دوبارہ کہ یہی ہے امتوں کے مرضِ کہن کا چارہ

اور اس کے بعد، حالات کی نامساعدت۔ مخالفتوں کے ہجوم اور اپنی بے سروسامانی سے نہ گھبرائیے۔ اسلئے کہ شعلۂ عشق کی یہ چھوٹی سی چنگاری جو آپ کے سینے میں زندہ و تابندہ ہے، ہزار سامانوں پر بھی بھاری ہے کیونکہ یہ اپنی زندگی اور تابندگی کیلئے کسی خارجی قوت کی محتاج نہیں۔ اس کی زندگی خود اس کے سوز دروں سے قائم ہے۔ اس قائم بالذات زندگی کی رمق، صرف تمہارے ہی حصے میں آئی ہے۔ اسلئے حیاتِ مستعار کے پیکرانِ آب و گل، تمہاری اس زندہ قوت کا مقابلہ کس طرح کر سکتے ہیں۔

نورِ قدیمی! شب را بر افروز دستِ کلیمی! در آستینی!

علاوہ بریں جو کچھ آپ کو اس پروگرام کے مرحلۂ اول میں کرنا ہے اس کیلئے کسی خاص سروسامان کی ضرورت بھی نہیں۔ طلوعِ اسلام نے اپنے دورِ اول میں جو تحریک پیش کی تھی اس میں آپ نے اتنا ہی کیا تھا کہ اس کے پیش کردہ قرآنی مسلک کی عام نشر و اشاعت کی تھی۔ اسی نشر و اشاعت سے یہ تصورات ملک کے گوشے گوشے میں پھیل گئے تھے۔ اور اس کے بعد انھوں نے از خود اتنی قوت پکڑ لی تھی کہ مخالفت کی آوازیں (جو شروع میں ایک عجیب ہنگامہ آرائی اور طوفان خیزی سے اٹھی تھیں) سب خاموش ہو گئیں۔ اس کیلئے نہ کسی سے تصادم کی ضرورت پیش آئی نہ تزاحم کی۔ نہ ٹکراؤ کی نہ پچھاڑ کی۔ طلوعِ اسلام کی اس تحریک نے تو ثابت ہی یہ کیا تھا کہ

ندارد عشق سامانے ولیکن تیشۂ دارد ترا شد سینۂ کہسار و پاک از خونِ پرویز است

جو کچھ آپ نے اُس وقت کیا تھا، وہی کچھ اب کرنے کی ضرورت ہے۔ طلوعِ اسلام گذشتہ پانچ سال سے قرآنی نظام کے بنیادی خطوخال کو نہایت واضح الفاظ میں پیش کر رہا ہے۔ لیکن ہنوز یہ تصور ایک خاص دائرے کے اندر محدود ہے۔ اس کی اشاعت عام نہیں ہوئی۔ ضرورت یہ ہے کہ اس پیغام کو ملک کے گوشے گوشے تک پہنچا دیا جائے۔

بعض گرم رَو، بیتاب فطرت، احباب کہدیتے ہیں کہ کسی پیغام کے عام کرنے سے کیا ہوتا ہے۔ اصل کام تو انقلاب برپا کرنا ہے۔ لیکن یہ حضرات اپنی گرمجوشی میں اس حقیقت کو فراموش کر دیتے ہیں کہ دنیا میں کوئی انقلاب برپا نہیں ہو سکتا (اور اگر وقتی ہنگاموں سے کوئی تبدیلی پیدا بھی کر دی جائے تو وہ پائیدار نہیں ہو سکتی) جب تک پہلے ذہنی انقلاب نہ پیدا ہو جائے۔ آپ ہندوستان میں مسلمانوں کی (زیادہ نہیں تو کم از کم) گذشتہ پچاس سالہ تحریکات پر غور کیجئے ان میں سے ہر تحریک[1] بگولے کی طرح اٹھی، ہزاروں انسانوں کو تباہ و برباد کیا۔ لاکھوں اور کروڑوں روپے کا نقصان ہوا لیکن اس کے بعد آنسوؤں کی طرح بیٹھ گئی، بایں نمط کہ اس کے بعد (سوائے زخم خوردہ پس ماندگان کے) کسی کو یاد تک بھی نہ رہا کہ کوئی ایسا واقعہ رونما ہوا تھا۔ ایسا کیوں ہوا؟ اسلئے کہ ان تحریکات کو خالص جذبات کے آسرے مشتعل کیا گیا تھا اور ذہنی انقلاب پیدا کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی گئی تھی۔ برعکس اسکے، اسلام اپنے آپ کو ایک ایسی تحریک کی صورت میں پیش کرتا ہے جس کا تمام تر مدار ذہنی انقلاب پر ہے۔ جو شخص ذہنی طور پر اس تحریک سے متفق نہیں ہوتا، وہ اسے اپنے حلقہ رکنیت میں داخل ہی نہیں کرتا۔ ذہنی انقلاب سے مراد ہے، قلب و نگاہ کی تبدیلی۔ اسی کو اصطلاح میں ایمان کہتے ہیں۔ یعنی پورے غور و خوض کے بعد اس تحریک کے پیش کردہ نصب العین کو اپنی زندگی کا نصب العین قرار دینا۔ اسلام پہلے اس قسم کی جماعت تیار کرتا ہے اور پھر ان کے ذریعے خارجی انقلاب برپا کر دیتا ہے۔ بلکہ بالفاظِ صحیح خود اس جماعت کی اجتماعی زندگی ایسا معاشرہ تشکیل کر دیتی ہے جو اس تحریک کا نصب العین ہے۔ یعنی اس جماعت کا وجود خود انقلاب ہوتا ہے اس قسم کی ذہنی تبدیلی، بڑی سست رفتار، صبر آزما اور وقت طلب ہوتی ہے اسلئے تیز مزاج حضرات اس حصۂ پروگرام کو "بے عملی" سے تعبیر کرتے ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہی حصۂ پروگرام، اصلِ عمل ہوتا ہے۔ اگر یہ حصہ کمزور رہ جائے تو اس سے وہ شجرِ طیب کبھی نہیں ابھر سکتا جس کے متعلق قرآن کہتا ہے کہ اصلھا ثابت وفرعھا فی السماء۔ اس قسم کے ذہنی انقلاب کیلئے ضروری ہے کہ اس پیغام کو عام کیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا کی سب سے بڑی انقلاب آور ہستی، حضور نبی اکرمؐ سے بھی سب سے پہلے یہی کہا گیا کہ بلغ ما انزل الیک (جو کچھ تم پر نازل کیا جاتا ہے اسے دوسروں تک پہنچاؤ)۔ یہی تبلیغ رسالت (اس پیغام کو دوسروں تک پہنچانے کا مرحلہ) پیش خیمہ تھا اس پیغام کی عملی تشکیل کا۔

بعض حضرات کہتے ہیں کہ ہم طلوعِ اسلام کے پیش کردہ پیغام سے متفق ہو چکے ہیں اسلئے ہمیں اب بتایا جائے کہ اگلا قدم کیا ہے؟ ان حضرات سے گذارش ہے کہ آپ کے اس پیغام سے متفق ہو جانے سے یہ مراد نہیں کہ یہ پیغام بھی عام ہو چکا ہے۔ آپ دوسروں کا قیاس اپنے آپ پر کر رہے ہیں۔ آپ اپنی طرف نہ دیکھئے۔ دیکھئے یہ کہ آپ کے گرد و پیش کتنے لوگ ہیں جو آپ کی طرح، اس پیغام کو اپنے دل کی گہرائیوں میں جگہ دے چکے ہیں۔ اور ان کے مقابلے میں کتنے ایسے ہیں جو ہنوز اُسی پرانی ڈگر پر چلے جا رہے ہیں۔ جسدن آپ مطمئن

---

[1] تحریک پاکستان کی صورت جداگانہ تھی کیونکہ اس کی نوعیت ایک تحریک سے زیادہ، عدالت میں پیش شدہ مقدمہ کی سی تھی۔

ہو جائیں گے کہ ان لوگوں کی اکثریت آپ سے ہم نوا ہو چکی ہے، اس دن ہم بتائیں گے کہ اس سے اگلا قدم کیا ہے۔ اس وقت تو آپ کیلئے اگلا قدم یہی ہے کہ

دیکھا ہے جو خود تم نے، اوروں کو بھی دکھلا دو

یعنی قرآن کے نظامِ ربوبیت کا چرچا عام کرتے جاؤ۔ لیکن قبل اس کے کہ آپ اس پیغام کو اوروں تک پہنچائیں، پہلے ایک مرتبہ خود دہرا لیجئے کہ اس پیغام کے بنیادی خط و خال کیا ہیں۔ وہ یہ ہیں:-

(۱) دنیا میں ہر فرزندِ آدم کے اندر، اللہ کی طرف سے، انسانیت کے جوہر مضمر کر کے رکھ دیئے گئے ہیں۔ یہ جوہر صفاتِ خداوندی (اسماء الحسنیٰ) کے پرتو ہیں اور انہی کی وجہ سے انسان، بحیثیت انسان، واجب التکریم ہے۔

(۲) مقصودِ حیات یہ ہے کہ ان مضمر جوہروں کی مکمل نشوونما کی جائے تاکہ انسان زندگی کے موجودہ اور آئندہ مراحل کو بہ حسن و خوبی طے کرتا ہوا آگے بڑھتا جائے جو قانونِ ارتقاء کا تقاضا ہے۔

(۳) ان انسانی صلاحیتوں کی نشوونما انفرادی طور پر نہیں ہو سکتی۔ اس کیلئے اجتماعی زندگی (معاشرہ کا وجود) ناگزیر ہے۔

(۴) قرآن اس معاشرے کی تشکیل چاہتا ہے جس میں ان صلاحیتوں کی نشوونما ہو سکے۔

(۵) اس مقصد کیلئے اس نے ایسے ابدی اصول عطا کر دیئے ہیں جن میں کوئی تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا۔

(۶) مسلمانوں کا اجتماعی نظام ان ابدی اصولوں کی روشنی میں اپنے اپنے زمانے کے تقاضوں کے مطابق جزئی قوانین (BYE-LAWS) مرتب کرے گا۔

ان ابدی اصولوں اور ان کی روشنی میں مرتب کردہ جزئی قوانین کو شریعت کہتے ہیں۔ یعنی ایک حصہ (اصول) غیر متبدل اور دوسرا حصہ (جزئی قوانین) ہر زمانے کے تقاضوں کے مطابق قابلِ تغیر و تبدل۔

(۷) قرآنی معاشرے کے وجود کا مقصد یہ ہے کہ وہ ایسے سامان و ذرائع فراہم کرے جن سے تمام افرادِ معاشرہ کی مضمر صلاحیتوں کا نشوونما ہوتا جائے۔ چونکہ انسانی صلاحیتوں کی نشوونما کے لئے انسان کی طبعی ضروریات کا کما حقہ پورا ہونا بنیادی شرط ہے اسلئے ہر فردِ معاشرہ کی بنیادی ضروریاتِ زندگی کا بہم پہنچانا اس معاشرے کے ذمے ہوگا۔

اس معاشرے کی تشکیل ہی اس طرح ہوتی ہے کہ اس میں ہر فرد، دوسرے فرد کی نشوونما ربوبیت کا ذمہ دار بن جاتا ہے۔

(۸) ظاہر ہے کہ اس قسم کے معاشرے کی تشکیل کیلئے رزق کے سرچشمے انفرادی ملکیت کی بجائے، نظامِ اجتماعی کی تحویل میں ہونگے تاکہ ان سے تمام افرادِ معاشرہ کی ربوبیت کا انتظام ہو سکے۔

(۹) اس معاشرے میں "حاکم و محکوم" کا تصور نہیں ہوگا بلکہ ہر فردِ معاشرہ خدا کے قانون کا پابند ہوگا جو خود معاشرے کے مشورے سے نافذ پذیر ہوگا۔

(۱۰) اس نظام کا نام ہے قرآنی نظامِ ربوبیت۔ یعنی خدا کی صفتِ رب العالمینی کا عملی مظہر۔ اس نظام کو (پہلے اپنے اندر قائم کر کے پھر) تمام دنیا تک پھیلا دینا، ملتِ اسلامیہ کا فریضہ ہے۔

یہ ہے وہ نظام جس کا قیام طلوعِ اسلام کے پیش نظر ہے۔ اس کیلئے پہلا قدم اس تصور کو عام کرنا ہے اور اسوقت طلوع اسلام آپ سے اسی کا خواہاں ہے۔ اس تصور کو عام کرنے کیلئے خود طلوع اسلام کے سامنے (جو کچھ ہو رہا ہے اس سے زیادہ کچھ کرنے کیلئے) کیا پروگرام ہے، اس کے متعلق آئندہ اشاعت میں گذارش کیا جائے گا۔

شاید آپ کے دل میں یہ خیال پیدا ہو کہ اسوقت وہ کونسی ضرورت، بالخصوص، لاحق ہو گئی تھی جس کیلئے طلوع اسلام نے اس تمام داستان کو اس تفصیل سے دہرایا ہے اور اس کے پیغام کو عام کرنے کیلئے خصوصی اپیل کی ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ اس کی ضرورت تو ہر وقت موجود رہتی ہے لیکن ہم دیکھ رہے ہیں کہ ان لوگوں نے جو پاکستان کے خلاف دل میں عناد لئے ہوئے ہیں، اہل پاکستان میں بددلی پھیلانے کیلئے اپنی مذموم کوششوں کو تیز تر کر دیا ہے۔ ان کا طریق کار یہ ہے کہ وہ بستی بستی، قریہ قریہ، گلی گلی، کوچے کوچے، خلوت میں جلوت میں، سفر میں حضر میں، ہر جگہ (شریعت کی آڑ میں) موجودہ معاشرے کی تمام برائیوں کو ایک ایک کر کے گناتے ہیں اور اس کے بعد عوام کو یہ کہہ کر ورغلاتے ہیں کہ ان سب برائیوں کا ذمہ دار پاکستان ہے۔ مقصد اس سے صرف یہ ہوتا ہے کہ لوگوں کو بتایا جائے کہ ہم تحریک پاکستان کی اسی لئے مخالفت کیا کرتے تھے! اس کے بعد وہ یہ بتانے کی کوشش کرتے ہیں کہ ان تمام خرابیوں کا علاج صرف ایک ہی ہے اور وہ یہ کہ موجودہ برسر اقتدار طبقہ کو حکومت سے الگ کر کے، نظم و نسق "خدا کے صالح" بندوں کے ہاتھ میں دیدو۔ (اور یہ ظاہر ہے کہ "خدا کے صالح بندے" یہ خود ہیں)۔

اس مہم کو ان لوگوں نے آجکل بہت تیز کر رکھا ہے۔ نتیجہ اس کا یہ ہے کہ عوام میں بددلی اور شکستہ خاطری بڑی سرعت سے پھیل رہی ہے جس کا نتیجہ سوائے انتشار (CHAOS) کے اور کچھ نہیں ہوگا۔ اور یہ ظاہر ہے کہ کسی ملک میں انتشار پھیل جانا، اس ملک کی موت ہوتی ہے۔ (بالخصوص آجکل کے بین الاقوامی حالات میں)۔

یہ ہے صورت حالات کا وہ شدید احساس جس کے ماتحت ہم نے اس مخلص طبقہ کی توجہ کو اس طرف منعطف کرانا ضروری سمجھا ہے جو سرزمین پاکستان کی حفاظت کو اسلئے ضروری سمجھتے ہیں کہ اس میں اس نظام خداوندی کا قیام ہو سکے گا جس کی طرف اوپر اشارہ کیا گیا ہے۔

آخر میں ہم، مندرجہ بالا ہر سہ طبقات کے ان تمام مخلص احباب سے کچھ عرض کرنا چاہتے ہیں جن کے دل میں پاکستان کا سچا درد ہے اور جو چاہتے ہیں کہ یہ خطۂ زمین مستقبل کی خوشگواریوں کا گہوارہ بن جائے۔ ہم طبقۂ اول (عوام الناس) سے کہیں گے کہ اس میں شک نہیں کہ آپ کی بہبودی اور خوشحالی کیلئے ارباب بست و کشاد کی طرف سے وہ کچھ نہیں ہوا جو کچھ ہونا چاہئے تھا لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ آپ خود پاکستان کی طرف سے بددل ہو جائیں۔ ایک بنیادی چیز کو ہمیشہ یاد رکھئے اور وہ یہ ہے کہ عوام کی حالت کو بہتر بنانے کیلئے صرف حکومت ہی ذمہ دار نہیں ہوا کرتی خود عوام کا اس میں بہت زیادہ حصہ ہوتا ہے اسلئے آپ اپنی حالت کو بہتر بنانے کیلئے خود بھی کوشش کیجئے۔ بہت سی باتیں ایسی ہیں جن کی اصلاح آپ خود کر سکتے ہیں۔ کم از کم ان کیلئے تو کسی خارجی امداد کا انتظار نہ کیجئے۔

یہ بھی سمجھ لیجئے کہ آپ سے جو یہ کہا جاتا ہے کہ اگر پاکستان میں "آئینِ شریعت" کا نفاذ ہو گیا تو عوام کی حالت اسی دن سنور جائیگی۔ یہ بھی

فریب ہے اور محض آپ کے ووٹ حاصل کرنے کا ایک ذریعہ۔ اول تو جس قسم کا "آئینِ شریعت" ان لوگوں کے ذہن میں ہے اس میں عوام کی حالت نہ کبھی سدھری تھی نہ سدھر سکتی ہے۔ وہ آئین، مفاد پرستی اور سرمایہ داری کا محافظ ہے جس میں عوام کو ہمیشہ لوٹا کھسوٹا گیا ہے۔ اُس آئین میں بھی دنیا کی خوشگواریاں مفاد پرست طبقے کے حصے میں آئیں گی اور آپ کو "آخرت میں جنت" ملنے کی تھپکیاں دیکر سلا دیا جائے گا۔ دوسرے یہ کہ قوموں کی حالت خالی قوانین کے زور پر نہیں بدلا کرتی۔ اس کیلئے ذہنی تبدیلی کی بڑی ضرورت ہوتی ہے۔ ذہنی تبدیلی صرف قرآنی فکر سے پیدا ہو سکتی ہے اور یہی وہ تبدیلی ہے جس سے صحیح معاشرہ وجود میں آتا ہے۔ قانون کا کام معاشرہ کے مستثنیات (EXCEPTIONS) یعنی جرائم پسند طبائع کی روک تھام ہوتا ہے۔ نہ کہ صحیح معاشرہ کی تخلیق۔ اسلئے آپ کی اصلاح کا راز بھی صرف قرآنی فکر کے عام ہونے میں ہے۔

اس کے بعد ہم برسر اقتدار طبقہ کے مخلص حضرات سے عرض کریں گے کہ اس میں شبہ نہیں کہ مملکتِ پاکستان نئی نئی وجود میں آئی ہے اور اس کے نظم و نسق کو اطمینان بخش سطح تک پہنچنے میں وقت لگے گا۔ لیکن بہت سے کام ایسے بھی ہیں جو آپ حضرات کی تھوڑی سی محنت، فکر اور ایثار سے بہ حسن و خوبی سرانجام پا سکتے ہیں۔ ایسے امور کیلئے یہ عذرات کہ مملکت نئی ہے اور قوم بڑی نااہل ہے، محض اعذارِ بارد ہیں جو زیادہ دیر تک کارگر نہیں ہو سکتے۔ اگر آپ اور کچھ بھی نہیں کر سکتے تو کم از کم عوام کی موجودہ بھوک ہی کا کچھ علاج کیجئے۔ اس وقت پاکستان کے بعض علاقوں میں روپے کا ڈیڑھ سیر آٹا ملتا ہے[1]۔ آپ سوچئے کہ کتنے لوگ ہیں جو اس نرخ پر آٹا خرید کر اپنا اور اپنے بچوں کا پیٹ پال سکتے ہیں؟ یہ حالت روز بروز خراب سے خراب تر ہوتی جا رہی ہے اور اس کے نتائج و عواقب بالکل کھلے ہوئے ہیں۔ حکومت اور عوام کا تعلق باپ اور بچوں کا سا سمجھا جاتا ہے۔ جو باپ اپنے بچوں کا پیٹ نہ پال سکے اسے سوسائٹی میں کبھی عزت کی نگاہوں سے نہیں دیکھا جاتا۔

جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ موجودہ برسر اقتدار افراد کی جگہ دوسرے افراد کے آنے سے حالات سُدھر جائیں گے، ہم ان سے عرض کریں گے کہ سوال افراد کا نہیں، پورے کے پورے معاشرے کا ہے۔ ہم نے مختلف صوبوں میں افراد کو بدل بدل کر بھی دیکھ لیا ہے۔ اس سے بھی حالات میں کچھ فرق نہیں پڑا۔ اس لئے آپ اس کوشش کی بجائے عوام کی حالت کو بہتر بنانے کیلئے اور کوششیں کیوں نہیں کرتے؟ بہت سے اصلاحی کام تھے جنھیں ہم نے انگریز کے عہدِ حکومت میں، حکومت کی مدد کے بغیر سرانجام دیا۔ آپ ہی سمجھ لیجئے کہ اس وقت بھی وہی حالات ہیں۔ اس کے بعد ان اصلاحی کاموں کی طرف توجہ دیجئے اور کچھ نہیں تو قوم کی تعلیم کے لئے ہی کچھ کیجئے۔ آپ کی موجودہ رسہ کشی میں قوم کا کچومر نکل رہا ہے۔ اس کی جگہ ان کی بہبودی کی صورتیں سوچئے۔

اب رہے وہ حضرات جو نہایت دیانتداری سے سمجھ رہے ہیں کہ ملک میں "قانونِ شریعت" نافذ ہو جانے سے حالات بدل جائیں گے، سو ان کی خدمت میں عرض ہے کہ مسلمانوں کے جن ممالک میں اس وقت مُلّا کی شریعت کا قانون نافذ ہے ذرا ان ممالک کی حالت پر غور کیجئے (مثلاً سعودی عرب) اور پھر سوچئے کہ کیا ان ممالک کی حالت فی الواقعہ اطمینان بخش ہے اور کیا آپ اسی قسم کے حالات یہاں دیکھنا چاہتے ہیں؟ حقیقت یہ ہے کہ مُلّا کے نزدیک شریعت کے قوانین سے مراد وہ فقہی قوانین ہیں جو تعزیرات یا شخصی قانون (PERSONAL LAWS)

---

[1] بالخصوص صوبہ سرحد میں غلّے کی گرانی انتہائی شدت اختیار کر چکی ہے اور اکثر علاقوں میں لوگ بھوکوں مر رہے ہیں۔ ان کے گاؤں میں بجلی کی جگمگاہٹ ان کی بھوک کا علاج نہیں کر سکتی۔

کی حیثیت سے نافذ ہوتے ہیں۔ اس میں شبہ نہیں کہ ان فقہی جزئیات کو بھی اپنی جگہ اہمیت حاصل ہے لیکن اسلام جس معاشری انقلاب کا مقتضی ہے وہ انقلاب ان تعزیری احکام کے تنفیذ سے برپا نہیں ہو سکتا۔ اس کیلئے اسی قرآنی نہج زندگی کی ضرورت ہے جس کا ذکر اوپر کیا جا چکا ہے۔ چونکہ ہمارے ملا کے نزدیک اسلام نام ہی انہی جزئی احکام کا ہے، وہ انہی پر زور دیتا ہے اور اسی لئے زور دیتا ہے کہ اس سے اس کا اپنا اقتدار قائم رہتا ہے۔ ہم ہزار برس سے "ملا کے اس اسلام" کے نتائج دیکھتے چلے آرہے ہیں۔ کیا آپ ان تاریخی شواہد کی موجودگی میں پھر اسی تجربے کو دہرانا چاہتے جس نے تمام روئے زمین کے مسلمانوں کو اس پستی کی حالت تک پہنچا رکھا ہے؟

اس کے بعد ہم ایک مرتبہ پھر اپنے اس مخاطب طبقے کو سامنے لاتے ہیں جس سے اتنا کچھ پہلے کہا جا چکا ہے۔ ہم پوچھتے یہ ہیں کہ حالات جس حد تک بھی یاس انگیز ہیں، کیا آپ کا اس پر ایمان ہے یا نہیں کہ قرآن میں یہ صلاحیت ہے کہ وہ ان میں بھی انقلاب پیدا کر سکتا ہے؟ اگر (معاذ اللہ) آپ کا اس پر ایمان نہیں رہا تو پھر آپ سے ہم کچھ نہیں کہنا چاہتے۔ اور اگر آپ کا اس پر ایمان ہے تو پھر سوچئے کہ کیا آپ پر اس ضمن میں کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی؟ یاد رکھئے۔ اسوقت، پاکستان ہی نہیں بلکہ ساری دنیا قرآن کے پیغام ربوبیت کے لئے تڑپ رہی ہے۔ کیا آپ اس پیغام کے عام کرنے میں کچھ بھی حصہ نہیں لیں گے؟

اپنے دل سے فیصلہ کرنے کے بعد پرچہ ایک طرف رکھئے؟ کیونکہ آپ کے فیصلے پر ایک عظیم القدر مستقبل کا انحصار ہے۔

(۳)

جمع القرآن سابقہ اشاعت میں اعلان کیا گیا تھا کہ اشاعت حاضرہ میں علامہ تمنا عمادی کی گراں قدر تصنیف "جمع القرآن" پوری کی پوری شائع کی جائیگی۔ وہ تصنیف اشاعتِ رواں میں شامل ہے۔ علامہ تمنا صاحب کا اسلوب نگارش قدیم طرز کا ہے جس سے قارئینِ طلوع اسلام زیادہ مانوس نہیں۔ لیکن انھوں نے موضوع پیش نظر پر جس کاوش اور تجسس سے تحقیق فرمائی ہے اس کا تقاضا ہے کہ ان کی تصنیف کا بڑے غور سے مطالعہ کیا جائے۔ چونکہ اس تصنیف کا حجم زیادہ تھا اسلئے موجودہ پرچہ، اگست اور ستمبر کا مشترکہ پرچہ ہے۔ اس کے بعد ہم یکم اکتوبر کو پھر حاضر ہوں گے۔ ہمیں احساس ہے کہ قارئینِ طلوعِ اسلام، اس ایک ماہ کے بُعد کو بہت محسوس کرینگے۔ لیکن وہ ہم سے متفق ہوں گے کہ یہ ناگزیر تھا۔

ہمارے پاس استفسارات آرہے ہیں کہ مرزائیوں کے متعلق طلوع اسلام کا مسلک کیا ہے۔ ان حضرات کو ہم فرداً فرداً جواب نہیں دے سکتے۔ وہ براہِ کرم طلوعِ اسلام کا شائع کردہ پمفلٹ "احمدیت اور اسلام" پڑھ لیں۔ اس سے انھیں احمدیت کی حقیقت اور ان کے متعلق طلوع اسلام کا مسلک نہایت عمدگی سے معلوم ہو جائے گا۔ قیمت مع محصول ڈاک ۱۲ر

ناظم ادارۂ طلوع اسلام۔ کراچی۔

Blank Page

بسم اللہ الرحمن الرحیم

إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ

صحاح کی

احادیث جمع قرآن

اور

ان کی بے لوث تنقید

علامہ تمنا عمادی مدظلہ

فہرست مضامین

مقدمہ ۴۴
اصل کتاب ۴۸
قرآن بعہد صدیق اکبرؓ اور اس کا جھوٹا پروپیگنڈہ ۴۸
عبید بن السباق ۴۹
ابن عباس اور ابن السباق ۴۹
اسامہ بن زید اور ابن السباق ۵۰
سہل بن حنیف اور ابن السباق ۵۰
ابن السباق اور بعض ام المومنین ۵۰
ابن السباق اور زوجہ حضرت ابن مسعودؓ ۵۰
ابن السباق اور زید بن ثابت ۵۱
ابن السباق کے سات مروی عنہم ۵۱
ابن السباق کے تلامذہ ۵۱
ایک قابل داد دلیری ۵۱
جمع قرآن کی اصل روایت ۵۲
ابن حجر کے مقدمہ فتح الباری کی عبارت کہ وہ فتح الباری میں مسند ہی حدیث لائے ہیں جس کو وہ مسند سمجھتے ہیں (حاشیہ) ۵۲
اسمائے شہدائے جنگ یمامہ ۵۲
اصل حدیث جمع قرآن بعہد صدیق اکبرؓ باب جمع قرآن ۵۳
حدیث جمع قرآن از کتاب التفسیر بخاری ۵۴
حدیث جمع قرآن از کتاب الاحکام بخاری ۵۴
متابعتوں میں اختلافات (حاشیہ) ۵۴
حدیث جمع قرآن از باب کتاب النبی بخاری ۵۶
حدیث جمع قرآن کتاب التوحید بخاری ۵۶
خزیمہ یا ابو خزیمہ ۵۶
نقشہ متابعات ۵۷
مسند احمد میں بعض متابعات بخاری ۵۷
روایات مسند احمد ۵۷
"لایوعیٰ" کا اضافہ خطرناک ۵۸
اخبار الاعتصام گوجرانوالہ میں مولانا لائلپوری کا دجل (حاشیہ) ۵۸
مسند احمد کی ایک اور روایت ۵۸
ابراہیم بن سعد ہی کی روایت میں تمام اختلاف ہیں ۵۹
عبدالرحمٰن بن مہدی کی متابعت کا ذکر بخاری میں کیوں نہیں؟ (حاشیہ) ۵۹
اظہار اصل حقیقت ۶۰
متابعت کے معنی ۶۰
یہ متابعتیں بالکل غیر مفید ہیں ۶۰
ابو الیمان کی روایت شعیب سے صحیح نہیں (حاشیہ) ۶۱
زہری اور زہری سے اوپر ۶۱
عبید بن السباق کی روایت زید بن ثابت سے ناممکن ہے ۶۱
تنقید متن حدیث ۶۱
جمع قرآن کا کام تخلیہ میں کیوں ہوا ـــــ زید بن ثابت ۶۱
کتابت وحی کا کام کسی ایک شخص کے سپرد نہ تھا ۶۱
مصادرہ علی المطلوب اور اس کے معنی (حاشیہ) ۶۲
سب سے پہلے ابی بن کعب نے مدینہ میں وحی لکھی ۶۲
مدنی کاتبوں کے نام جو اسلام سے پہلے سے کاتب تھے (یہ تینوں مضامین اسی ایک حاشیہ میں ہیں۔) ۶۲
جنگ بدر کے قیدی کفار مکہ کا فدیہ اور تعلیم کتابت (حاشیہ) ۶۲
طبقات ابن سعد کی عبارت اور اس کی غلطی زید بن ثابت کا کفار مکہ سے سیکھنا ۶۲
قاری و حافظ کے معنی (حاشیہ) ۶۳
صرف انصار کیوں؟ تعلیم و جمع قرآن میں ۶۴
ہر صحابی کے گھر میں قرآن کے مکمل نسخے موجود تھے ۶۶
تمام مہاجر و انصار قرآن کے حافظ تھے ۶۶
ازواج مطہرات قرآن کی حافظ نہیں۔ ۶۶
صحابہ میں کتابت جاننے والے بہت تھے ۶۶
سالم مولیٰ حذیفہ ۶۷
عبداللہ بن مسعود ۶۷
معاذ بن جبل ۶۷

. . . . .	
. . . . .	
ابی بن کعب	۶۷
زید بن ثابت (ان کی تعلیم سریانی یا عبرانی حاشیہ)	۶۷
ابوزید بن النضیر بن ضمضم	۶۷
ابودرداء عویمر بن عامر	۶۷
تعلیم قرآن اور انصار	۶۷
اصل قرآن کا وہ نسخہ جس کو رسول اللہ صلعم نے لکھوایا تھا جس کا نام الامام اور ام تھا۔	۶۹
اسطوانۂ مصحف	۶۹
اعراب یا نقطے نہ ہونے سے پڑھنے میں اختلاف کی کوئی وجہ نہ تھی	۶۹
کتاب دیکھ کر پڑھنے کا حکم اور تاکید	۷۰
غلطی کتابت سے کوئی حافظ غلط نہیں پڑھ سکتا بلکہ غلطی کی تصحیح کریگا	۷۰
ترتیب نزول کی پر فریب اہمیت (حاشیہ)	۷۱
حضرت علیؓ کے جمع قرآن مطابق ترتیب نزول کی روایت باطلہ (حاشیہ)	۷۱
آنحضرت صلعم توقیف الٰہی کے مطابق آیات و سور کی ترتیب قائم کر کے مصحف الامام میں لکھواتے جاتے تھے	۷۱
عوف اعرابی رافضی شیطان تھا (جیسا کہ امام ذہبی ابن حجر نے لکھا ہے۔	۷۲
زید بن ثابت کی کتابت وحی میں کوئی خصوصیت نہ تھی	۷۲
زید بن ثابت کی عرضۂ اخیرہ میں شرکت	۷۲
زید بن ثابت نے واقعہ جمع قرآن عبید بن السباق کے سوا کسی سے کبھی بیان نہ کیا، جس کو دیکھا بھی نہ تھا صرف اسی سے بیان کیا	۷۳
انس بن مالک خادم النبی صلعم کو جمع صدیقی کی خبر نہ تھی	۷۳
انس بن مالک کو اس کی مطلق خبر نہ تھی کہ حضرت حفصہؓ کے پاس جو صحیفے ہیں وہ کیسے ہیں	۷۳
جمع صدیقی کی روایت پوری رازداری کے ساتھ سو برس وحدانی سلسلے سے سینہ بہ سینہ مروی ہوتی رہی	۷۴
جس کو صدیق اکبرؓ نے زید بن ثابت کے پاس ان کو بلانے کے لئے بھیجا تھا اس کا نام مصلحتاً نہیں بتایا گیا	۷۴
قرآن کے بہت سے حصے جاتے رہیں گے۔	۷۴
اتقان و کنز العمال کی ایک روایت جس میں ظاہر کیا گیا ہے کہ قرآن کے بعض حصے غائب ہو گئے۔	۷۴
صحابہ کی کثرت تعداد	۷۴
ایسا کام جس کو رسول اللہ صلعم نے نہیں کیا	۷۵
کاغذ کا فقدان	۷۵
مکہ و مدینہ میں لکھنے والوں کا قحط۔	۷۵
تفسیر کبیر سے ایک شہادت	۷۵
قرآنی شہادت	۷۵
خود زید بن ثابت کا ایک اقرار	۷۶
صحابہ کتاب الامام سے اپنے اپنے مصاحف میں رسول اللہ صلعم کے پیش نظر نقل کر کے لے جایا کرتے تھے (حاشیہ)	۷۶
عہد نبوی میں پیشہ ور کاتبین مصاحف	۷۶
زید بن ثابت کے وجوہِ انتخاب پر بحث	۷۶
حضرت ابوبکر و عمر نے زید پر بھروسہ کر لیا مگر حضرت عثمان نے نہیں کیا	۷۷
یہ نہیں کہا سکتا کہ حضرت ابوبکر نے زید کے ساتھ کسی اور کو بھی شریک کار بنا دیا تھا، جیسا کہ صحاح سے باہر کی روایتوں میں اس کا اضافہ کیا گیا ہے بخاری کی روایت اس اضافے کی متحمل نہیں ہو سکتی	۷۷
قرآن کے عرضۂ اخیرہ میں زید بن ثابت کی شرکت	۷۷
آخر سورۂ برأت والے واقعے پر غور	۷۷
اِلَّا الَّذِی نَہ اُمَّۃَ الَّذِی (حاشیہ)	۷۸
تعجب اور سخت تعجب !	۷۹
ایک اور تعجب کی بات	۷۹
نفسیات صحابہؓ کا بیدردانہ قتل عام	۷۹
زید بن ثابت نے قرآن کتنے دنوں میں جمع کر لیا (حاشیہ)	۸۰
حضرت عثمان نے لغت قریش کا خیال کیا مگر حضرت ابوبکر نے کچھ خیال نہ کیا	۸۰
حضرت ابوبکر نے جو صحیفے لکھوائے وہ ان کی ذاتی ملک تھے؟ یا بیت المال کی ملک تھے؟	۸۰
صحف نبوی یا صحف حفصہ ؟	۸۱
ابراہیم بن سعد نے زہری کو دیکھا بھی نہ ہوگا۔ ان سے حدیث کیا سنتے۔	۸۲

مؤطا امام مالک میں جمع قرآن کی کوئی حدیث نہیں	۸۲
قرآن کی شہادت۔	۸۲
عہد نبوی میں مصحف کا وجود (حاشیہ)	۸۲
قرآن کی تقسیم باعتبار سورتوں کے۔	۸۳
قرآن کی سات منزلیں	۸۴
کتابت وحی شہادت قرآنیہ	۸۴
کاتبین وحی	۸۴
سفارت کے معنی	۸۵
سفارت کے معنی صحیح بخاری میں صحیح نہیں بتائے گئے	۸۵
بعض کاتبین وحی کے بارے میں بہتان و افترا	۸۵
اہل عرب زمانہ جاہلیت میں بھی قواعد املا و انشاء وغیرہ سے واقف تھے (حاشیہ)	۸۵
سفارت کے معنی کی تشریح و تفصیل اور یہ کہ سَفَرَۃ سافر کی جمع ہے نہ کہ سفیر کی	۸۵
حضرت عبداللہ بن ابی سرح کے ارتداد کی روایت شیعوں کی من گھڑت ہے۔	۸۶
قرآن کے نزول اولی کا مقام اور کس چیز پر قرآن لکھا جاتا تھا	۸۶
بخاری کی آغاز وحی کی حدیث اور اس پر بحث (طویل حاشیہ)	
جملۃ واحدۃ والی آیت کی شرح اسی طویل حاشیہ میں	۸۸
قرآن کے بعض نام جو قرآن میں مذکور ہیں۔	۸۹
حضرت جبرئیل کا رسول اللہ صلعم کے سامنے بیٹھکر کاتبوں سے قرآن لکھوانا	۹۰
قرآن میں حکم کتابت	۹۰
آنحضرت صلعم کی حیات میں قرآن جمع نہ ہو سکنے کی غلط وجہ	۹۰
ناسخ و منسوخ کی بحث (حاشیہ)	۹۱
خطابی کی تاریخ وفات (حاشیہ)	۹۲
خطابی کے عذر لنگ پر بحث	۹۲
صحیح مسلم کی ایک روایت کہ وحی تادم وفات آتی رہی	۹۲
پھر وہی زہری	۹۲
عقل و دیانت والے اتنا کیوں نہیں سمجھتے	۹۲
رسول کی موت و حیات اللہ کے اختیار میں تھی	۹۳
سورتوں اور آیتوں کی تحدید توقیفی ہے	۹۳
"توقیف" کے معنی (حاشیہ)	۹۳
قرآن کی کوئی آیت صرف خزیمہ یا ابوخزیمہ کے پاس کیوں ہونے لگی۔	۹۳
آخر سورۂ توبہ و آیت احزاب کی حدیثوں اور خزیمہ و ابوخزیمہ پر بحث	۹۴
خارجہ بن زید سے جمع قرآن یا نقل مصاحف کے واقعے کے متعلق کوئی روایت نہیں۔ صرف سورہ احزاب والی آیت کے نہ ملنے اور پھر خزیمہ بن ثابت کے پاس ملنے کی روایت ہے اور بس	۹۴
باب جمع القرآن والی روایت	۹۴
تفسیر سورہ احزاب والی روایت	۹۴
کتاب الجہاد والی روایت	۹۴
زہری کے مدنی نہ ہونے کی ایک اور دلیل	۹۵
اسمٰعیل بن ابن اویس شیخ امام بخاری	۹۵
ایک حدیث مگر بیان کا عنوان مختلف	۹۵
واو عطف کا اضافہ اور اس کا مطلب	۹۵
مسند احمد میں حرث ابن خزیمہ (حاشیہ)	۹۶
آخر سورہ توبہ اُبَی بن کعب کے پاس تھی (ایضاً)	۹۶
ترمذی میں عبداللہ بن مسعود کی ناگواری	۹۶
زید بن ثابت کا انتخاب عبداللہ بن مسعود کو ناگوار گذرا (ایضاً)	۹۶
عبداللہ بن مسعود کی خلافت اور ان کا غصہ	۹۷
غلول کا حکم اور عبداللہ بن مسعود (ایضاً۔ بقیہ حاشیہ)	۹۷
جمع متکلم اور واحد متکلم کی ضمیریں	۹۷
عبداللہ بن مسعود پر ایک اور بہتان	۹۷
امام بخاری کی کوشش	۹۸
ایک شہادت دو شہادتوں کے برابر	۹۸
ابن شہاب سے جمع قرآنی کی ایک اور روایت (حاشیہ)	۹۸
ذوالشہادتین ہونے کی روایت بخاری میں نہیں	۹۸
عبید بن السباق اور خارجہ بن زید دونوں کا فرق بیان	۹۹
"الحاق فی المصحف" کا لفظ بھی دو پہلو تھا۔	۱۰۰
خزیمہ در بو خزیمہ	۱۰۰

نقشۂ روایات خزیمہ و ابوخزیمہ	۱۰۰
امام بخاریؒ سے ایک سوال	۱۰۱
مجھے حضرت زید بن ثابتؓ سے بھی ایک سوال کرنا تھا	۱۰۱
خلاصۂ بحث	۱۰۲
اعجب العجائب وعجب العجاب بخاری ہی کی ایک حدیث ہے	۱۰۲
ذوالشہادتین والی حدیث	۱۰۳
ذوالشہادتین والی حدیث کے راوی	۱۰۴
اَلْفِئَۃُ الْبَاغِیَۃ والی حدیث	۱۰۴
ذوالشہادتین والی حدیث کے راوی بھی زہری ہیں	۱۰۴
عمارۃ بن خزیمہ	۱۰۴
ابن مندہ دور کی کوڑی لائے۔	۱۰۵
مسبرہ بن الفاکہ یا ابن الفاکہ	۱۰۵
ذوالشہادتین والی روایت و درایت کی روشنی میں	۱۰۵
اس کی ایک دلیل کہ جمع قرآن سے متعلق حدیثیں بخاری و ترمذی میں داخل کر دی گئی ہیں جامعین احادیث نے خود نہیں درج کیں۔	۱۰۶
ہر پھر کر زہری	۱۰۶
حضرت حفصہ کے پاس سے وہ صحیفے پھر کیا ہوئے	۱۰۶
حضرت حفصہ کے پاس کب تک وہ صحیفے رہے (حاشیہ)	۱۰۶
شیعہ مجتہد مولوی علی نقوی لکھنوی	۱۰۶
ترجمہ عبارت میں مجتہد صاحب کی تحریفیں (حاشیہ)	۱۰۷
کنز العمال کی روایت	۱۰۷
مروان بن الحکم (حاشیہ)	۱۰۷
یہاں بھی زہری ہی	۱۰۷
حضرت حفصہ کے صحیفوں کا حال زہری جانتے تھے۔	۱۰۸
مروان کی دوراندیشی	۱۰۸
ذکر متابعات، طریقۂ محدثین، احادیث جمع صدیقی اور صحیح بخاری۔	۱۰۸
حدیث نقل مصاحف بعہد ذی النورین رضؓ	۱۰۹
جمع صدیقی کا بعض طرق اور نقل مصاحف دونوں کے اسناد استاد زہری تک ایک ہی ہیں۔ زہری کے بعد فرق ہوتا ہے (حاشیہ)	۱۰۹
اصل حدیث نقل مصاحف	۱۰۹
اس حدیث کا ایک ٹکڑا بخاری باب نزل القرآن بلسان قریش میں بھی ہے مگر امام بخاری نے اسکو متابعت نہیں قرار دی بسبب اول و آخر غائب ہونے کے	۱۱۰
یہی حدیث ترمذی میں بھی ہے عبدالرحمٰن بن مہدی سے	۱۱۰
اضافہ ترمذی	۱۱۱
نفس روایت کی تنقید	۱۱۲
متن حدیث پر ایک نظر	۱۱۲
حضرت حفصہ نے حضرت عثمان سے واپس کر دینے پر قسم لے کر ان کے پاس صحیفے بھیجے۔	۱۱۲
جمع صدیقی والی حدیث میں زید بن ثابت نے نہیں بتایا کہ حضرت ابوبکر نے انھیں بلانے کیلئے کس کو بھیجا تھا اور یہاں نقل مصاحف والی حدیث میں انس بن مالک نے نہیں بتایا کہ حضرت عثمان نے صحیفے لانے کے لئے حضرت حفصہ کے پاس کس کو بھیجا تھا؟	۱۱۳
زید ہی کے ہاتھ کے لکھے ہوئے صحیفوں میں زید سے اختلاف کا خطرہ کیوں؟	۱۱۳
لسان قریش یا مُضَر	۱۱۴
چار معلمین قرآن	۱۱۴
پانچ قابل توجہ نمبر	۱۱۴
۱۔ حضرت عثمانؓ جانتے تھے کہ حضرت حفصہؓ کے پاس صحف نبوی ہیں۔	۱۱۵
۲۔ حضرت حفصہ کے پاس والے صحیفے زید بن ثابت کے لکھے ہوئے نہ تھے	۱۱۵
۳۔ حضرت عثمان نے تمام مسلمانوں کو حرف واحد پر جمع کر دیا اس کا پروپیگنڈہ۔ ایک فتنۂ آئندہ کا پیش خیمہ۔	۱۱۵
پورا قرآن محدثین کے نزدیک کسی کے پاس بھی مجتمع نہ تھا	۱۱۷
جمع صدیقی والے صحیفوں سے نقل مصاحف بعہد عثمانی کے سوا کبھی کسی نے کوئی فائدہ نہ اٹھایا وہ مقفل ہی رہے	۱۱۷

حضرت صدیق نے ساتوں قراتوں کو جمع کرایا تھا یہ کسطرح ممکن ہے	۱۱۷
لقشہ اختلاف قرات	۱۱۷
اتنا لکھ لینے کے بعد	۱۱۸
عبارت اتقان جلد ۱ صفحہ ۸۹ و ۹۰ میں گذری اس کی تشریح	۱۱۸
پوری دنیا میں سات قراتیں مروج ہوں پھر سب کو ایک قرات کا پابند بنا دینا محال ہے	۱۱۹
صرف ایک مصحف بھیج دینا کس طرح کافی ہو سکتا ہے	۱۱۹
مصاحف پر نقطہ و اعراب لگانے والے (حاشیہ)	۱۲۰
مصحف معمیٰ	۱۲۰
صفائی کی گواہی	۱۲۰
رسول، جبرئیل، اور اللہ تعالےٰ سب کی غیر مآل اندیشی (معاذ اللہ من ذالک)	۱۲۰
۴۔ اول الامر و آخر الامر کے درمیان "بیں تفاوتِ رہ از کجاست تا بکجا"	۱۲۲
۵۔ تین سوالوں کا حشر	۱۲۲
عثمان بن ابی شیبہ (حاشیہ)	۱۲۲
نقل مصاحف بعہد عثمانی کی تعین تاریخ	۱۲۲
حضرت عبداللہ بن مسعود و ابی بن کعب وغیرہ صحابہ پر اتہامات افترآت و البہتانات (حاشیہ) رضی اللہ عنہم اجمعین و انہم لبراء مما یفترون ابن حجر کی غلطی۔	۱۲۳
حضرت عثمانؓ کا ایک خطبہ	۱۲۳
تطابق کی سعی ناکام	۱۲۳
سنین پر بحث	۱۲۴
حضرت عثمانؓ کا ایک اور خطبہ	۱۲۴
ابو یعلےٰ موصلی (حاشیہ)	۱۲۴
علمائے حدیث سے استفسار	۱۲۵
دونوں خطبوں پر تبصرہ	۱۲۵
حدیث نقل مصاحف اختلاف قرآت کی پیش بندی تھی (حاشیہ)	۱۲۵
حقیقت حال	۱۲۵
منافقین عجم کا تمام اسلامی ممالک میں سازشی جال	۱۲۶
بنی امیہ کی خلافت کا خاتمہ اور بنی عباس کے عہد حکومت کا آغاز	۱۲۷
ہر مصحف کے ساتھ ایک قریشی قاری بھی ہر ملک میں حضرت عثمان کو بھیجنا تھا	۱۲۷
جامعین احادیث کا بھرم رکھنے کے لئے، اللہ، رسول اور قرآن کسی کی بھی پرواہ نہ کرنا	۱۲۷
علمائے وقت سے باادب معذرت	۱۲۸
عذر مصنف و خاتمہ کتاب و دعائے مغفرت برائے اسلاف و اخلاف و برائے خود	۱۲۹

معراجِ انسانیت (معارف القرآن جلد چہارم)

سیرت صاحب قرآن علیہ التحیہ والسلام
قرآن کے آئینے میں

قیمت بیس روپے (۱۵ جولائی سے ۱۵ اکتوبر ۱۹۵۲ء تک رعایتی قیمت بارہ روپے) محصول ڈاک علیحدہ بذمہ خریدار

ادارہ طلوع اسلام۔ کراچی

بسم اللہ الرحمن الرحیم وبہ نستعین

الحمد للہ رب العلمین۔ وسلام علی المرسلین۔ لا سیما علی خاتم النبین۔ وعلی آلہ وصحبہ اجمعین

مُقدّمہ

الحمد للہ کہ میں ایک مسلم ہوں، اور مسلم جینے اور مسلم ہی مرنے کا آرزومند ہوں۔ اللہ، اللہ کے رسول، اور اللہ کی کتاب پر ایمان رکھتا ہوں سنت رسول وسنت خلفائے راشدین پر عمل کرتا ہوں۔ میرا ایمان ہے کہ جو قرآن ہم لوگوں کی تلاوت میں ہے یہ لفظاً لفظاً اور حرفاً حرفاً بالکل اسی طرح ہے جسطرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اترا تھا اور آپ نے مرتب ومدوّن صحابہ کو دیا تھا۔ لا یاتیہ الباطل من بین یدیہ ولا من خلفہ تنزیل من حکیم حمید ۝ باطل نہ اس کے آگے آسکتا ہے نہ اس کے پیچھے۔ حکمت کے مالک حمد وستائش کے تنہا مستحق کی طرف سے اترا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت کا خود وعدہ فرمایا ہے نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون ۔ ہم نے اس قرآن کو اتارا ہے اور ہمیں اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ ان علینا جمعہ وقرآنہ اس کو جمع کرادینا اور پڑھوادینا میرے ذمے ہے یہاں تک کہ لتبین للناس ما نزل الیھم کے مطابق مبین قرآن کی خدمت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق تھی اس کے بارے میں بھی فرمایا ثم ان علینا بیانہ یعنی پھر اس قرآن کو تم سے بیان کرادینا بھی ہمارے ہی ذمہ ہے۔ یعنی ہم تم سے صحیح ومکمل تعیین کرادیں گے۔

ان وعدوں کے ہوتے کیا یہ ممکن ہے کہ قرآن کا نقطہ بھی اِدھر کا اُدھر ہوجائے؟ ایک حرف بھی بدل جائے؟ اور کوئی نقطہ بھی چھوٹ جائے؟ چہ جائیکہ کوئی آیت غائب ہوجائے؟ معاذ اللہ من ذالک! قرآن مبین میں یہ اعلان واضح بھی موجود ہے کہ ولو کان من عند غیر اللہ لوجدوا فیہ اختلافا کثیرا ۔ اگر یہ قرآن اللہ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا یعنی انسانی تصنیف ہوتا، تو اس میں بہت سے اختلاف لوگ پاتے۔ یعنی تقریباً تیئیس برس کی مدت میں تھوڑا تھوڑا مختلف وقتوں اور مختلف احوال اور مختلف زمانوں میں لوگوں کی تعلیم اور حفظ کی سہولت کے خیال سے نازل ہوتا رہا۔ اس وقت بھی جب مسلمان مشرکین مکہ کے مظالم جھیل رہے تھے، اس وقت بھی جب کہ مسلمانوں کی ایک جماعت مشرکین مکہ کے مظالم سے تنگ آکر حبشہ ہجرت کرگئی تھی، اس وقت بھی جب کہ صحابہ اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکے سے ہجرت کرکے مدینے چلے آئے تھے اور یہاں بھی دشمنوں کے حملہ کی وجہ سے اطمینان وسکون مسلمانوں کو پوری طرح حاصل نہ تھا۔ اور اس وقت بھی جب کہ مسلمان ایک فاتح قوم تھی اور اس کی دھاک سارے عرب میں بیٹھ گئی تھی۔ اتنے مختلف احوال اور مختلف ماحول میں ایک انسان کی باتیں یقیناً مختلف ہی ہوں گی۔ مگر قرآن کی ابتدائی تعلیم، وسطی تعلیم اور آخری تعلیم سب کو ملاکر دیکھئے تو ایک ہی زنجیر کی کڑیاں نظر آئیں گی اور کسی طرح کی نامناسبت کہیں نہیں معلوم ہوگی، اختلاف کا کیا ذکر ہے۔

مگر جب فرقہ بندی کا دور آیا تو پھر کونسا دینی مسئلہ ہے جس میں ہمارے اسلاف نے اختلاف پیدا نکیا۔ اسلامی توحید بھی وحدت وجود ووحدت شہود کے اکھاڑے میں پھنس کر اختلاف سے نہ بچ سکی۔ نماز جیسا اہم فریضہ جس کو ہر مسلم مرد عورت بوڑھا جوان یہاں تک کہ بچے بھی عہد نبوی سے لے کر آج تک ہر چوبیس گھنٹے میں پانچ مرتبہ پڑھتے چلے آرہے ہیں۔ چار پانچ طریقہ سے پڑھی جارہی ہے۔ حالانکہ رسول صلعم کی آخری نماز یقیناً کسی ایک ہی طریقہ کی ہوگی، اور جب بوجہ معذوری آپ خود مسجد نہ جاسکے تو آپ نے فرمایا کہ مروا ابا بکر یصلی بالناس ابوبکرؓ سے کہو کہ وہ لوگوں میں نماز پڑھائیں۔ تو یقیناً حضرت صدیق اکبر نے اسی طرح نماز پڑھائی ہوگی جس طرح رسول صلعم نے آخری نماز پڑھی تھی۔ اور تمام صحابہ نے بھی اسی طرح پڑھی ہوگی۔ پھر بعد وفات نبوی کے حضرت صدیق اکبرؓ تا حیات اسی ایک طریقے سے نماز پڑھتے اور پڑھاتے رہے ہوں گے اور سب نے اسی ایک طریقے سے برابر پڑھی ہوگی۔ اسی طرح ہر خلیفہ نے اسی ایک طریقے سے ہمیشہ نماز پڑھی اور پڑھائی ہوگی

اور سارے اہل مدینہ اسی ایک طریقہ سے نمازیں پڑھتے رہے ہوں گے۔ کوئی وجہ ہی نہیں ہے کہ ان میں کسی قسم کا بھی اختلاف ہو۔ پھر یہ چار پانچ طریقے کی نمازیں کہاں سے آگئیں؟ کوئی ہے جو اس کی صحیح وجہ بتا دے؟

غرض تفسیر اور مطالب میں تو طرح طرح کے اختلافات پیدا ہی کئے گئے الفاظ میں بھی اختلافات پیدا کئے بغیر نہ رہا گیا اور اس کے ثبوت کے لئے انزل القرآن علی سبعۃ احرف ایسی حدیث پیش کی گئی جس کے صحیح اور قطعی معنی آج تک کوئی نہ سمجھ سکا کہ اَحْرُف سے یہاں کیا مراد ہے۔ اور پھر اختلافات قرات کا طومار لگا دیا گیا۔ اور اس طرح قرآن کو عدم اختلاف کے دعوے کو غلط ثابت کرنے کی کوشش کی گئی کہ دیکھو ہر طرح کا اختلاف لفظاً و معنیً دو چار دس بیس نہیں بلکہ سیکڑوں موجود ہیں۔ مگر قرآن کا بھی عجب اعجاز ہے۔ اس کے بارے میں پہلے ہی کہہ دیا کہ ان الذین اختلفوا فی الکتٰب لفی شقاق بعید ۵ جن لوگوں نے اللہ کی کتاب میں اختلاف پیدا کیا وہ کھلی ہوئی گمراہی میں ہیں۔ صدق اللہ۔ ومن اصدق من اللہ قیلا۔

نفس قرآن مجید کے بارے میں ایسی ایسی روایتیں ملتی ہیں کہ حیرت ہوتی ہے کہ ان روایتوں کو محدثین نے کس طرح اپنی کتابوں میں داخل کر لیا۔ مثلاً

صحیح بخاری جلد اوّل، آخر باب اوّل از کتاب البیوع صفحہ ۲۷۵ میں منقول ہے جس کا ماحصل یہ ہے کہ لیس علیکم جناح ان تبتغوا فضلا من ربکم (بقرہ ع ۲۵) کے بعد فی مواسم الحج کے اضافہ کے ساتھ یہ آیت نازل ہوئی تھی، اور ابن عباسؓ اس اضافے کیساتھ پڑھتے تھے۔

۲۔ ترمذی (ب ۲ صفحہ ۱۱۷) میں ہے کہ سورہ واللیل میں جو وما خلق الذکر والانثی ہے اس کو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت ابو درداءؓ والذکر والانثی پڑھتے تھے (صحیح مسلم ب ۱ صفحہ ۲۷۲)

۳۔ اور ترمذی (ب ۲ صفحہ ۱۱۷) میں یہ بھی ہے کہ سورہ ذاریات میں جو ان اللہ ھو الرزاق ذو القوۃ المتین ہے اس کو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ انا الرزاق الخ پڑھا کرتے تھے۔ (ابوداؤد ب ۲ صفحہ ۱۹۹)

۴۔ ابن مردویہ کی کتاب سے کنز العمال (ب ۲ صفحہ ۱۷۵) مؤلفہ ۹۵۷ھ میں منقول ہے کہ ولا تقربوا الزنا انہ کان فاحشۃ وساء سبیلا جو سورہ بنی اسرائیل ۴ میں ہے اس کو حضرت ابی بن کعبؓ یوں پڑھتے تھے ولا تقربوا الزنا انہ کان فاحشۃ ومقتا وساء سبیلا ۵ الا من تاب فان اللہ کان غفورا رحیما۔ حضرت عمرؓ نے ان کو کہنے لگے کہ میں نے اس کو رسول اللہ صلعم کی زبان مبارک سے سیکھا ہے۔ اور تمہارا تو بازار کی خرید و فروخت کے سوا کچھ کام نہ تھا۔ یہ روایت ابی یعلے میں بھی ہے

۵۔ کنز العمال (۹۵۷ھ تالیف) کے اسی صفحے میں ہے کہ ابی بن کعبؓ نے کہا کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے حکم ہوا ہے کہ میں تمہارے سامنے قرآن پڑھوں تو آپ نے لم یکن الذین کفروا کا سورہ پڑھا اور اس میں یہ آیتیں بھی پڑھیں۔ اِنَّ ذَاتَ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْحَنِیْفِیَّۃُ۔ لَا الْمُشْرِکَۃُ وَلَا الْیَھُوْدِیَّۃُ وَلَا النَّصْرَانِیَّۃُ وَمَنْ یَّعْمَلْ خَیْرًا فَلَنْ یُّکْفَرَہٗ۔ اور رسول اللہ صلعم نے ان کے سامنے یہ بھی پڑھا لو کان لابن ادم وادٍ لابتغی الیہ ثانیا۔ ولو اعطی الیہ ثانیا لابتغی ثالثا ولا یملأ جوف ابن ادم الا التراب ویتوب اللہ علی من تاب۔

---

۱ میں نے اپنی کتاب "اقام الصلوٰۃ" میں اس پر مفصل بحث کی ہے اور اس پر روشنی ڈالی ہے کہ اگر مختلف ان کے الفاظ کی روایتیں صحیح ہیں تو ان کی کیا توجیہ عقل سلیم کر سکتی ہے۔ افسوس ہے کہ یہ کتاب ابھی تک چھپی نہیں۔ ۱۲ منہ غفر اللہ

۲ حضرت عمرؓ جیسے محقق یہ سن کر چپ رہ گئے اور دوسرے صحابہ سے نہ پوچھا کہ ابن مسعودؓ کے سوا اور بھی کسی نے رسول اللہ صلعم سے اس طرح سیکھا یا پڑھتے سنا ہے۔ منہ

۳ ابی بن کعبؓ انصاری ہیں عقبہ ثانیہ میں ایمان لائے لم یکن الذین کفروا کا سورہ مکی ہے اور مکہ کی ابتدائی درسگاہوں میں سے ابی بن کعبؓ سے زیادہ حضرت عمرؓ واقف تھے۔ اگر یہ اضافہ مدینہ میں ہوا تو حضرت عمرؓ ابی سے سن کر ضرور دوسرے صحابہ سے اس کو پوچھتے چھپ نہ رہ جاتے۔ ۱۲

ع۶ سورۂ فتح میں ہے اِذْ جَعَلَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْحَمِیَّةَ حَمِیَّةَ الْجَاهِلِیَّةِ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِیْنَتَهٗ عَلٰی رَسُوْلِهٖ وَعَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ وَاَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰی وَكَانُوْٓا اَحَقَّ بِهَا وَاَهْلَهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا ۝ کنز العمال (ص۳۷۹ ج۱) میں بحوالہ نسائی وکتاب المصاحف ابن ابی داؤد ومستدرک وصحیح ابن خزیمہ منقول ہے کہ حضرت ابی بن کعبؓ اس آیت میں حمیۃ الجاھلیۃ کے بعد وَلَوْ حَمِیْتُمْ كَمَا حَمُوْا نَفْسَهٗ لَفَسَدَ الْمَسْجِدُ الْحَرَامُ کا فقرہ بھی پڑھتے تھے (نفسہٗ کی ضمیر کا مرجع مجھے معلوم نہ ہوا۔ شاید اَلْفُسُهُمْ ہو) اس اضافہ کے سلسلے میں حسب روایت منقولہ حضرت اُبیؓ نے حضرت عمرؓ کے ٹوکنے پر کہا کہ "تم جانتے ہو کہ میں[1] رسول اللہ صلعم کے پاس رہتا تھا، اور وہ ہمیں اپنے سے قریب رکھتے تھے اور تم دروازے پر رہا کرتے تھے۔ اگر تم پسند کرتے ہو کہ میں لوگوں کو قرآن پڑھاؤں اس کے مطابق جیسا کہ رسول اللہ صلعم نے مجھے پڑھایا ہے، تو میں پڑھاؤں گا۔ ورنہ جبتک زندہ رہوں گا کبھی کسی کو کچھ نہیں پڑھاؤں گا۔

ع۷ حضرت عمرؓ کہیں جارہے تھے ایک لڑکے کو مصحف دیکھ کر قرآن پڑھتے سنا۔ اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗٓ اُمَّهٰتُهُمْ (سورہ احزاب رکوع اوّل) اور اس کے بعد اس نے پڑھا وَهُوَ اَبٌ لَّهُمْ حضرت عمرؓ نے سن کر فرمایا اے لڑکے اس فقرے کو مٹادو اس لڑکے نے کہا یہ مصحف ابیؓ کا ہے۔ حضرت عمر ابی بن کعبؓ کے پاس گئے پوچھا تو انھوں نے کہا کہ مجھ کو[2] قرآن اپنی طرف مشغول رکھتا تھا، اور تمہیں بازار کی خرید و فروخت اپنی طرف مشغول رکھتی تھی۔ (کنز العمال ب۱ ص۲۷۹ بحوالہ صحیح سعید بن منصور ومستدرک)

ع۸ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ انھوں نے کہا کہ میں نے حضرت عمرؓ کے پاس پڑھا لَوْ كَانَ لِابْنِ[3] اٰدَمَ وَادِیَانِ مِنْ ذَهَبٍ لَابْتَغٰی ثَالِثًا وَلَا یَمْلَاُ جَوْفَ ابْنِ اٰدَمَ اِلَّا التُّرَابُ یَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰی مَنْ تَابَ حضرت عمرؓ نے پوچھا یہ کیا ہے؟ ابن عباسؓ نے کہا کہ مجھ کو ابی بن کعبؓ نے یہ پڑھایا ہے۔ حضرت عمرؓ ابی کے پاس آئے اور پوچھا تو انھوں نے کہا کہ مجھ کو رسول اللہ صلعم نے اسی طرح پڑھایا ہے۔ (کنز العمال بحوالہ مسند احمد وسعید بن منصور وابو طوانہ) مگر حضرت عمرؓ نے کسی دوسرے صحابی سے کبھی اس کو دریافت نہیں فرمایا۔ وتعجب ہی تعجب ہے۔

ع۹ صحیح مسلم ب۱ ص۴۶۹ میں ہے کہ "قرآن میں اترا تھا کہ دس گھونٹ دودھ پینے سے رضاعت کی حرمت ہوجاتی ہے، پھر وہ منسوخ ہوگئی اور پانچ گھونٹ کا حکم آیا۔ یعنی خَمْسُ رَضَعَاتٍ مَعْلُوْمَاتٍ یُحَرِّمْنَ کی آیت اتری جو قرآن میں پڑھی جاتی ہے۔" کوئی ہے جو بتائے کہ قرآن میں یہ عبارت کہاں پر ہے؟ (نسائی ب۲ ص۸۱)

ع۱۰ سنن ابن ماجہ جو صحاح ستہ میں کی ایک کتاب ہے اس کے ص۱۴۱ باب رضاع الکبیر میں حضرت عائشہ صدیقہؓ کی طرف یہ

---

[1] یہ کس زمانے کا واقعہ ہے؟ کہ حضرت عمرؓ دروازے پر رہا کرتے تھے اور رسول اللہ صلعم اپنے حجرے میں ابی کو بلا کر اپنے پاس بٹھایا کرتے تھے؟ کس رافضی کذاب کا افترا ہے جو اظہر من الشمس ہے ۱۲ منہ

[2] یہ عبارت خود بتلا رہی ہے کہ اس حدیث کا گڑھنے والا کوئی رافضی خبیث تھا۔ حضرت عمرؓ کوئی بہت بڑے تاجر نہ تھے کہ دن رات اپنے کاروبار میں لگے رہتے تھے اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو حضرت عمر پر قرآن دانی وقرآن فہمی میں کوئی فضیلت نہ تھی۔ عہد نبوی سے رسول اللہ صلعم کے بعد تمام صحابہ حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ ہی کو اپنے میں سب سے افضل سمجھتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود ایسا خلاف واقعہ کلمہ کیوں کہنے لگے یہ ان پر صریحًا اتہام ہے۔ ۱۲ منہ غفرلہ

[3] یہ عبارت ص۵ میں گذر چکی ہے۔ وہ خاص اُبی بن کعب سے روایت کرنے والے نے روایت کی ہے۔ دروغ گو را حافظہ نباشد وہاں کی عبارت اور اس عبارت ملا کر دیکھئے۔ کسقدر فرق ہے۔ اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہے، ان حدیثوں کے گڑھنے والوں کو وہ خوب جانتا تھا اس سے پہلے ہی فرمادیا کہ اِنَّ الَّذِیْنَ یُلْحِدُوْنَ فِیْٓ اٰیٰتِنَا لَا یَخْفَوْنَ عَلَیْنَا جو لوگ ہماری آیتوں میں الحاد کریں گے وہ ہم سے چھپ نہیں سکتے (حٰمٓ السجدہ ع۵) تعجب تو یہ ہے کہ عبداللہ بن مسعودؓ وغیرہ کے ایسے ایسے سخت جواب سنکر بھی حضرت عمر جیسا سخت آدمی خموش رہ جائے۔ آپ نے یہ نہ کیا کہ تمام صحابہؓ کو یکجا کر کے سب سے پوچھتے کہ آپ لوگوں نے کبھی اس طرح ان الفاظ کو قرآن کے جز کی حیثیت سے رسول اللہ صلعم سے سنا؟ فورًا حقیقت کھل جاتی۔ حضرت عمرؓ نے کسی سے تحقیق نہ کی اور چپ رہ گئے اس کی کیا وجہ ہے؟

یہ جھوٹی روایت منسوب کی گئی ہے کہ نعوذ باللہ انھوں فرمایا کہ آیت رجم و رضاعت کبیر دس (گھونٹ) والی آیت ایک صحیفے میں تھی میرے تخت کے نیچے۔ تو جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وفات فرما گئے تو ہم لوگ اس حادثے میں مشغول ہو گئے تو گھر کی پالتو بکری آ گئی اور اس صحیفے کو کھا گئی (یعنی اسی وجہ سے وہ آیت رجم اور سن رسیدہ آدمی کی رضاعت کے لئے جس آیت میں دس گھونٹ دودھ کی مقدار بتائی گئی تھی قرآن میں داخل نہ ہو سکی۔ اور وہ آیتیں ضائع ہو گئیں) معاذ اللہ من ذالک!

۱۱ معوذتین (قل اعوذ برب الفلق و قل اعوذ برب الناس) کے بارے میں حضرت اُبی بن کعبؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ مجھ کو اللہ نے کہا قُل یعنی "کہو" تو میں نے کہا۔ ابیؓ کہتے ہیں کہ میں بھی کہتا ہوں جس طرح رسول صلعم نے کہا۔ (یعنی بغیر لفظ "قل" کے صرف اعوذ برب الفلق الخ اور اعوذ برب الناس الخ وہ پڑھتے تھے) (بخاری پ ۳۰ ص ۱۰۷۴ قبل کتاب الواب فضائل القرآن) آخر تفسیر ابن کثیر میں مسند احمد وغیرہ سے بھی متعدد روایتیں اسی مضمون کی نقل کی ہیں، حضرت ابی بن کعبؓ عبداللہ بن مسعودؓ دونوں کے بارے میں اس قسم کی روایتیں ہیں بلکہ مسند احمد کی ایک روایت میں تو صاف ہے کہ عبداللہ بن مسعودؓ صاف انکار کرتے تھے کہ یہ دونوں سورتیں کتاب اللہ سے ہیں ہی نہیں۔ یہ تو صرف جھاڑ پھونک کے لئے بطور افسوں کے ہیں۔ نعوذ باللہ من ذالک۔

۱۲ اسی سلسلے میں تفسیر ابن کثیر کے آخر میں اس کی روایتیں بھی ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ مصاحف سے معوذتین کو مٹا دیا کرتے تھے کیونکہ وہ ان دونوں سورتوں کو قرآن میں داخل نہیں سمجھتے تھے۔ اور یہ کہ حضرت اُبی بن کعبؓ بھی ان کے ہم خیال تھے۔ ابن کثیر نے بطور خود حسن ظن ظاہر کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے تمام صحابہؓ سے الگ ایک راہ اختیار نہیں کی ہوگی انھوں نے ضرور اپنے خیال سے رجوع کر لیا ہوگا۔ مگر رجوع کی کوئی روایت پیش نہیں کی ہے۔

۱۳ آیت رجم کے بارے میں ایک روایت تو سنن ابن ماجہ سے ہم ۱۰ میں نقل کر چکے ہیں کہ اس کو بکری کھا گئی۔ اسکے علاوہ اتنی متضاد و متغائر متعدد حدیثیں اس کے متعلق ہیں کہ میرا ایک مستقل رسالہ ہی ان حدیثوں کی تنقید میں بصورت مسودہ موجود ہے۔ قرآن میں داخل نہ ہونے کی وجہ ایک روایت میں یہ ہے کہ جمع قرآن کے وقت جو شخص جو حصہ قرآن لاتا تھا اگر اپنے ساتھ ایک گواہ بھی لایا تو وہ حصہ درج کیا جاتا تھا گواہ نہیں ملتا تو درج نہیں کیا جاتا تھا۔ آیت رجم کو صرف حضرت عمرؓ لائے تھے اور کوئی دوسرا گواہ اس کو نہ ملا اس لئے قرآن میں درج نہ ہو سکی۔ مگر خدا جانے کیوں اس کو صرف منسوخ التلاوۃ مانا گیا اور اس کا حکم باقی رکھا گیا۔ جب قرآن کی آیت نہیں تسلیم کی گئی تو پھر اس کا حکم کیوں باقی رکھا گیا؟

۱۴ آخر سورۂ توبہ کی دو آیتوں کے بارے میں حضرت عمرؓ نے یہ فرمایا کہ اگر یہ تین آیتیں ہوتیں تو ہم ان کو ایک سورہ قرار دیدیتے مگر یہ دو آیتیں ہیں ان کو کسی سورہ کے آخر میں لگا دو۔ (اتقان) ایسا معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ اپنے اختیار سے سورتیں بنا لیتے تھے۔ رسول اللہ صلعم صرف دس آیتیں چھوڑ گئے تھے۔ معاذ اللہ من ذالک

۱۵ جب کوئی آیت نازل ہوتی تھی تو رسول اللہ صلعم فرماتے تھے کہ اس کو کسی ایسی سورت میں لکھ دو جس میں اس اس قسم کی آیتیں ہوں۔ یہ روایت اتقان وغیرہ متعدد کتابوں میں ہے۔ یعنی آنحضرت صلعم نئی نازل شدہ آیت کا مقام محل تعین کر کے نہیں بتاتے تھے

---

۱ مگر تعجب ہے کہ قل ھو اللہ احد کے بارے میں بھی حضرت ابی بن کعبؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ نے یہی کیوں نہ کہا۔ یہاں بھی تو وہی ھو اللہ احد کہنے کا حکم ہے۔ اس کو بھی بغیر "قل" ہی کے پڑھتے۔ مگر یہ سب بہتان ہیں ان صحابہ کرام پر۔ ملاحدہ و زنادقہ کی من گھڑت حدیثیں ہیں۔ بغیر "قل" کے پڑھنا صرف حکم کی تعمیل ہوگی تلاوت قرآن نہ ہوگی۔ اور قُل کے ساتھ اپنے نفس کو مخاطب کرتے ہوئے پڑھنا تلاوت بھی ہوگی اور حکم کی تعمیل بھی۔ کیا اکابر صحابہ اتنا نہیں سمجھ سکتے تھے؟ فلعنۃ اللہ علی الکاذبین ۱۲ منہ غفرلہ

۲ یہ مضمون ترمذی پ ۳۰ ص ۱۳۲ میں بھی ایک طویل حدیث میں ہے جس کا ترجمہ آگے ۱۵ میں آتا ہے ۱۲ منہ غفرلہ

کہ فلاں سورہ میں فلاں آیت کے بعد لکھو۔ کاتبین اپنی سمجھ کے مطابق مضمون کی مناسبت دیکھ کر لکھ دیا کرتے تھے اور انھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی حکم تھا۔ معاذ اللہ!

۱۷ حضرت عمرؓ نے کسی آیت کے بارے میں لوگوں سے دریافت کیا۔ تو کہا گیا کہ وہ تو فلاں شخص کے پاس تھی جو جنگ یمامہ میں شہید ہو گئے۔ حضرت عمرؓ نے کہا انا للہ وانا الیہ راجعون۔ (اتقان و کنز العمال وغیرہ کے جلد اوّل صفحہ ۲۸۰) یعنی وہ آیت دنیا سے ہی ناپید ہو گئی۔ ایسی حدیثوں کے بنانے والے تو یقیناً منافق تھے۔ مگر ان روایتوں کو اپنی کتاب میں درج کرنے والوں کو میں کیا کہوں؟

۱۸ سورۂ حج کے ساتویں رکوع میں جو فرمایا گیا ہے وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَسُولٍ وَلَا نَبِيٍّ الآیہ اس کی تفسیر میں سرخیل مفسرین ابن جریر الطبری، اور بزار[1] اپنی مسند میں، بیہقی نے دلائل النبوۃ میں، بغوی نے اپنی تفسیر میں اور ابن ابی حاتم وغیرہ متعدد محدثین نے اپنی اپنی کتابوں میں اور بہتیرے مفسرین نے اپنی اپنی تفسیروں میں شیطانی روایت درج کی ہے کہ مکہ مکرمہ میں جب رسول اللہ صلعم سورہ نجم پڑھ رہے تھے اور سامعین میں مومنین و مشرکین سب تھے تو جب آپ نے أَفَرَأَيْتُمُ اللَّاتَ وَالْعُزَّىٰ وَمَنَاةَ الثَّالِثَةَ الْأُخْرَىٰ پڑھا تو فوراً شیطان نے آپ کی زبان مبارک سے بلوا دیا تِلْكَ الْغَرَانِيقُ الْعُلَىٰ۔ وَإِنَّ شَفَاعَتَهُنَّ لَتُرْتَجَىٰ جس کو سن کر مشرکین مکہ بہت خوش ہوئے کہ انھوں نے ہمارے بتوں کی تعریف کی اور جب آخر سورہ نجم پر آپ نے سجدہ کیا تو مسلمانوں کے ساتھ تمام مشرکین نے بھی سجدہ کیا بجز ولید بن مغیرہ کے کہ اس نے صرف ایک مٹھی خاک اٹھا کر اپنی پیشانی سے لگا لی اور کہا کہ یہی کافی ہے۔ وغیر ذالک من الہفوات متاخرین مفسرین نے اس روایت کو مرسل قرار دے کر ضعیف اور ناقابل اعتبار قرار دینے کی کوشش کی ہے۔ مگر دبی زبان سے۔ کسی کی یہ ہمت نہیں پڑتی کہ صاف صاف کہدیں کہ یہ ملاحدہ و زنادقہ کی گھڑی ہوئی روایت ہے۔ اور منافقین نے اس کو مشہور کر دیا ہے۔

۱۸ ترمذی میں عوف بن ابی جمیلہ جس کو تہذیب التہذیب میں قدریہ، رافضی شیطان لکھا ہے، اسی سے مروی ہے کہ ابن عباسؓ نے حضرت عثمانؓ سے پوچھا کہ تم لوگوں نے سورہ انفال کو جو "مثانی" میں سے ہے اور سورۂ توبہ جو "مئین" میں سے ہے ساتھ ساتھ کیوں کر دیا؟ اور پھر درمیان میں بسم[2] اللہ بھی نہیں لکھی اور اس کو تم لوگوں نے "سبع طوال" میں قرار دے دیا۔ ایسا کیوں کیا؟ حضرت عثمانؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلعم پر متعدد سورتیں اترتی تھیں تو جب کوئی آیت اتری تو کسی کاتب کو آپ بلاتے تھے اور فرماتے تھے کہ اس آیت کو اس سورت میں رکھو جس میں فلاں فلاں باتوں کا ذکر ہو۔ اور انفال مدینہ کی سورتوں میں سے اوائل کی سورتوں میں ہے، اور برات آخر قرآن میں سے، اور اس کا قصہ اس کے قصے سے[3] مشابہ تھا، تو ہم لوگوں نے گمان کیا کہ سورۂ برات سورۂ انفال ہی کا جز ہے۔ رسول اللہ صلعم نے تا وفات اس کے بارے میں ہم لوگوں سے کچھ بیان[4] نہیں فرمایا۔ اس لئے ہم لوگوں نے دونوں[5] کو ایک دوسرے سے قریب کر دیا، اور درمیان میں

---

[1] احمد بن عمر بن عبد الخالق ابو بکر بزار۔ ایک مشہور جامع حدیث تھے ان کی کتاب المسند الکبیر محدثین میں مشہور ہے مگر نایاب ہے ۲۹۲ھ میں وفات پائی تل تیلی وغیرہ کا تیل نکال کر بیچتے تھے اسی لئے "بزار" کہے جاتے تھے ۱۲ منہ غفرلہ

[2] بسم اللہ ایک پیام رحمت ہے سورۂ برات بیزاری کا اعلان اور عذاب کی دھمکی سے شروع ہوتی ہے جس کو پیام رحمت سے شروع کرنا کسی طرح مناسب نہ تھا۔ حضرت علیؓ سے بھی اسی قسم کی توجیہہ مروی ہے اور صحیح ہے ۱۲ منہ۔

[3] دونوں سورتوں کے قصوں میں کوئی خاص مشابہت نہیں ہے بلکہ آخر انفال و اوّل برات کو ملا دیا جائے تو دونوں کے مضامین میں کوئی بعید معلوم ہوگا اور مطلق مناسبت محسوس نہ ہوگی۔ ۱۲ منہ

[4] یعنی تعلیم کتاب جس کیلئے آپ مبعوث ہوئے اس مفوضہ خدمت میں کی ایک اہم بات رہ گئی۔ موت اگر مبعوث کے اختیار کی بات نہ تھی تو باعث کے اختیار میں تو تھی۔ اللہ تعالیٰ مفوضہ خدمت کی تکمیل سے پہلے کیوں اپنے رسول کو وفات دیدی۔ یہ الزام تو رسول ہی پر نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ پر بھی ہے ۱۲ منہ۔

[5] یہ بالاتفاق مسلم ہے کہ ہر سورہ کا نام رسول اللہ صلعم نے خود رکھا۔ چاہے توقیفاً چاہے اجتہاداً جو سمجھا جائے۔ تو سورۂ برات اور سورۂ توبہ یہ نام رسول صلعم ہی کے رکھے ہوئے تھے اسی طرح سورہ انفال کا نام بھی آپ ہی نے رکھا۔ تو جب دو سورہ تھے تو دونوں کو الگ الگ رکھنا ہی تھا ہر سورہ کے ساتھ بسم اللہ نازل ہوتی تھی اس لئے لکھی جاتی تھی۔ اس سورہ کے آغاز میں نہیں نازل ہوئی نہیں لکھی گئی۔ لکھنے والے اپنی طرف سے تو بسم اللہ لکھتے نہ تھے

۱۲ منہ غفرلہ

بسم اللہ نہیں لکھی اور اس کو سبع طوال میں قرار دیا۔ اس حدیث کا راوی وہی عوف اعرابی ہی فقط ہے جو رافضی شیطان تھا۔ مگر اتقان وغیرہ کتابوں میں یہ حدیث معتبر قرار دے کر برابر نقل در نقل ہوتی چلی آئی۔ اور مستدرک وغیرہ میں مروی ہے۔

۱۹ سورہ اعراف کے چوبیسویں رکوع میں ہے هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِیَسْكُنَ اِلَیْهَا فَلَمَّا تَغَشّٰىهَا حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِیْفًا فَمَرَّتْ بِهٖ ۚ الآیہ اس آیت میں فَلَمَّا تَغَشّٰىهَا کے بعد اَحَدُهُمَا کا لفظ محذوف ہے اور اسی طرح کے محذوفات قرآن میں اور کلام عرب میں بلکہ ہر زبان میں بہت ہوا کرتے ہیں۔ یہ کوئی ایسی بات نہیں ہے جو کسی کو بتائی جائے، ہر عربی داں اتنا خود سمجھ لے سکتا ہے۔ مگر اس کی تفسیر میں ابن جریر، ابن کثیر، مسند امام احمد، مستدرک حاکم، حتیٰ کہ ترمذی میں بھی طولاً اور اختصاراً یہ ہے کہ.. حضرت آدم وحوا کے اولاد بچتی نہ تھی، جو بچہ پیدا ہوا مر گیا، آخر ابلیس نے ان دونوں کو مشورہ دیا کہ اب کے جو بچہ پیدا ہو تو اس کا نام "عبدالحارث" رکھنا وہ بچہ نہیں مرے گا۔ چنانچہ پھر جو بچہ پیدا ہوا تو دونوں نے اس کا نام عبدالحارث رکھا۔ اور "حارث" نام تھا ابلیس کا اسی پر قرآن میں فرمایا گیا کہ فَلَمَّآ اٰتٰىهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ جب اللہ نے ان دونوں کو جیتا جاگتا بچہ دیا تو لگے وہ دونوں شرک کرنے۔

فرمایئے، صرف ایک شجر ممنوعہ کا پھل کھا لینے سے تو عتاب میں پڑے اور جب تک توبہ نہ کی منصب خلافت نہ ملا اور منصب خلافت ملنے کے بعد شرک کر گئے اور توبہ بھی نہ کی، مگر کچھ نہ ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے بالکل چشم پوشی فرمائی۔ صرف شکایتاً قرآن میں ذکر کر دیا۔ حالانکہ اسی قرآن میں ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر گناہ معاف کر دے سکتا ہے (بے توبہ کے بھی) مگر شرک کو (بغیر توبہ کے) کبھی معاف نہیں کریگا۔

۲۰ یہ تو بطور نمونہ چند مثالیں ان حدیثوں کی ہیں جن کے ذریعے منافقین وملاحدہ وزنادقہ نے لفظی ومعنوی تحریفیں اور اختلافات پیدا کئے ہیں ورنہ اگر زیر زبر اور نقطوں کے فرق، بعض الفاظ یا حروف کی تبدیلی اور معنوی تحریفوں کی فہرست اگر پیش کروں تو اس کے لئے ایک مستقل دفتر کی ضرورت ہے۔ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَیْرُ صَالِحٍ (ہود ۴۶) کی جگہ اِنَّهٗ عَمِلَ غَیْرَ صَالِحٍ جیسے مثالوں سے قراءات کے دفتر بھرے پڑے ہیں۔ اور ان تمام لفظی تحریفوں کا سرچشمہ وہ حدیث ہے جس کو ابن جریر نے اپنے مقدمہ تفسیر میں متواتر ثابت کرنے کی پوری کوشش کی ہے اور ہر حدیث کی کتاب میں آپ کو متعدد طرق سے مروی ملے گی۔ یعنی انزل القرآن علیٰ سبعۃ احرف والی حدیث۔ خلاصہ روایت یہ کہ آنحضرت صلعم کو حکم ہوا تھا کہ قرآن ایک ہی حرف پر پڑھا کرو۔ رسول اللہ صلعم نے عرض کیا میری امت ضعیف ہے ایک حرف پر نہیں پڑھ سکتی۔ اس لئے سہولت وعافیت کی التجا ہے۔ تو دو حرفوں پر پڑھنے کا حکم ہوا پھر آنحضرت صلعم نے حضرت جبرئیل کو واپس کیا کہ میری امت ضعیف ہے اس کے لئے اور سہولت بخشی جائے یہاں تک کہ سات حرفوں پر پڑھنے کی اجازت ملی۔ "حرفوں" سے کیا مراد ہے؟ اس کے متعلق محدثین ہی نہیں بلکہ بقول راویاں خود اکابر تابعین میں سخت اختلاف ہے یہاں تک کہ صحابہ کے بیانات بھی مختلف ہی بیان کئے گئے ہیں جو درحقیقت صحابہ پر بہتان ہے۔ یہ سات قراتیں جو قراءت کی کتابوں میں مذکور ہیں، ان کے بارے میں خود قراء کا اقرار ہے کہ یہ سات قراتیں سبعۃ احرف سے مراد نہیں ہیں۔ زیادہ تر لوگ یہی لکھتے ہیں کہ ان سے مراد سات لغات ہیں جو فصحائے عرب کے ممتاز لغات ہیں۔ مگر ان سات لغات پر پڑھنے کی اجازت جو رسول اللہ صلعم نے حضرت جبرئیل کو دوڑا دوڑا کر بڑی منت وسماجت سے حاصل کی تھی حضرت عثمانؓ نے ان میں سے چھ حروف کو ملیا میٹ کر دیا۔ اور صرف ایک ہی حرف پر تمام امت کو پڑھنے پر مجبور کر دیا۔ وہ تو خدا بھلا کرے اہل کوفہ اور عبداللہ بن مسعودؓ کا کہ عبداللہ بن مسعود کے کہنے کے مطابق اہل کوفہ نے حضرت عثمانؓ کی بات نہ مانی اور عبداللہ بن مسعودؓ و ابی بن کعبؓ کی قراءت محفوظ رکھی۔ بلکہ اور بھی جتنی قراتیں ان کو جہاں جہاں سے ملیں یا خود پیدا کرتے گئے سب کا ایک انبار لگا دیا کہ آج قرأت کا دفتر ہمارے کتب خانوں میں موجود ہے۔ میری کتاب اعجاز القرآن اور "الذکر" میں اس موضوع پر مفصل بحث آئیگی انشاء اللہ تعالیٰ۔

ان روایتوں کے دیکھنے کے بعد بے اختیار دل میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلعم نے اپنے وقت میں جمع قرآن کیوں نہیں کرا دیا تھا۔ قرآن کب جمع ہوا اور کس نے جمع کرایا، اور کس طرح جمع ہوا؟ تو اب جمع قرآن کی روایتوں پر ایک نگاہ ڈال لیجئے بخاری و

---

۱ اگر یہ کہا جائے کہ آدم وحوا نے اسکے بعد توبہ کر لی ہوگی تو نہ اس کی طرف کوئی اشارہ آیت میں ہے، نہ روایت میں۔ اس لئے ایسا کہنے کا کوئی حق کسی کو نہیں ۱۲ منہ غفرلہ

ترمذی ونسائی والی حدیث جمع قرآن پر تو پوری بحث ہی اصل کتاب میں آپ کے سامنے آتی ہے۔ ان کے علاوہ غیر صحاح میں جو حدیثیں ہیں مجملاً ہی سہی ان کے مضامین بھی آپ کے پیش نظر آجائیں تو بہتر ہے، اس لئے چند مشہور روایتیں جن کو اتقان وغیرہ میں نقل کیا ہے نمبر دار ان کے تراجم بیان کرتا ہوں۔

۱۔ جمع قرآن کی جو اصل روایت ہے جس پر اس وقت تمام لوگوں کا اعتماد ہے وہ تو وہی ہے جو بخاری و ترمذی ونسائی میں ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلعم کے عہد مبارک میں قرآن کسی کتاب کی صورت میں یکجا مجتمع نہ تھا بلکہ ٹھیکری ہڈی چھال وغیرہ پر منتشر آیتیں لکھی ہوئی تھیں وہ بھی مختلف جگہ مختلف لوگوں کے پاس۔ بعض لوگوں کو قرآن کی متعدد سورتیں یاد تھیں۔ بڑے بڑے اکابر کو غالباً زیادہ سورتیں یاد ہوں گی۔ ان حافظوں کی جماعت میں سے ایک بڑی جماعت جنگ یمامہ میں شہید ہوگئی جن کو قرآن کے بہت سے حصے یاد تھے تو حضرت عمرؓ نے قرآن کے ضائع ہو جانے کا خطرہ محسوس کیا اور حضرت ابوبکرؓ کو جمع قرآن کا مشورہ دیا۔ وہ گھبرائے کہ جس کام کو رسول اللہ صلعم نے نہیں کیا وہ کام ہم کس طرح کریں۔ حضرت عمرؓ کے بار بار کہنے سے وہ راضی ہوئے اور حضرت عمرؓ کے سامنے ہی زیدؓ بن ثابت کو بلوایا اور ان کو جمع قرآن کے لئے کہا۔ انھوں نے بھی یہی کہا کہ جس کام کو رسول اللہ صلعم نے نہیں کیا وہ کام آپ لوگ کس طرح کرنا چاہتے ہیں۔ مگر سمجھانے سے وہ بھی بمشکل راضی ہوگئے، اور لگے قرآن جمع کرنے۔ تو ٹھیکری، ہڈی، چھال وغیرہ جس جس کے پاس تھا سب سے لے لے کر بیٹھے اور منتشر آیتوں کا جوڑ ملاتے ہوئے، اور جن کو جو کچھ یاد تھا اور ان سب سے پوچھتے ہوئے وہ جمع کر رہے تھے۔ سورہ توبہ کے آخری دو آیتیں تلاش کرنے کے بعد صرف خزیمہ یا ابوخزیمہ انصاری کے پاس تھیں زیدؓ کو ملیں اور انھوں نے ان کو لکھ لیا۔ وہ صحیفے حضرت ابوبکرؓ کی زندگی تک انھیں کے پاس رہے، ان کے بعد حضرت عمرؓ کے پاس رہے۔ حضرت عمرؓ کے بعد (حضرت عثمانؓ کے پاس رہنا چاہئے تھا مگر خدا جانے کیوں) حضرت حفصہؓ کے پاس چلے گئے۔ اس روایت کو صرف ابن شہاب زہری اصرف عبید بن السباق سے اور وہ صرف زیدؓ بن ثابت سے بیان کرتے ہیں۔ مگر محدثین نے اس روایت کو متواتر، یقینی اور قطعی بلا دلیل تسلیم کر لیا ہے۔ اسی روایت پر پوری بحث اس کتاب میں موجود ہے۔

۲۔ حضرت عثمانؓ کے وقت میں حضرت حذیفہؓ بن الیمان نے عراق سے آکر مسلمانوں کے قرآن میں باہمی اختلافات کا حال بیان کر کے کہا کہ امت کی خبر لیجئے۔ حضرت عثمانؓ نے حضرت حفصہؓ کے پاس سے قرآن کے صحیفے منگوائے واپس کر دینے کے وعدے پر اور اس کی متعدد نقلیں چار آدمیوں سے کرائیں اور ایک نقل رکھ لی اور ایک ایک مختلف ممالک میں بھیج دی کہ لوگ اپنے اپنے مصحف کو اسی سے ملا ملا کر درست کر لیں اور جو اس سے مختلف لکھے ہوئے اوراق وغیرہ ہوں ان کو جلا دیں۔ لکھنے والوں میں صرف زیدؓ بن ثابت انصاری تھے باقی تین قریشی۔ قریشیوں سے حضرت عثمانؓ نے کہہ دیا تھا کہ زیدؓ سے اختلاف ہو تو لغت قریش کے مطابق لکھنا کیوں کہ قرآن ایک قریشی پر اترا ہے۔ اس روایت کے بعد فوراً دوسری روایت ہے کہ نقل مصاحف کے وقت سورہ احزاب کی ایک آیت یاد آئی وہ بھی صرف زیدؓ کو کہ رسول صلعم سے سنتے تھے ڈھونڈھنے سے خزیمہ بن ثابت کے پاس ملی من المومنین رجال الآیہ۔ تو اس کو مصحف میں لگا دیا۔ ترمذی میں یہ بھی ہے کہ تینوں کاتبوں میں تابوت اور تابوہ کا اختلاف ہوا تو حضرت عثمانؓ نے تابوت کا فیصلہ کیا۔

۳۔ ابن ابی داؤد کی کتاب سے کنز العمال ب ۱ ص ۲۸۰ میں ابن شہاب زہری سے روایت ہے کہ حضرت صدیق اکبرؓ نے پورا قرآن خود کاغذ پر لکھ کر جمع کیا تھا، اس پر نظر ثانی کے لئے انھوں نے زید بن ثابت سے کہا۔ زید نے انکار کیا تو حضرت عمرؓ کی سفارش سے زیدؓ بن ثابت نے اس پر نظر ثانی کی۔ تو وہ زیدؓ کی نظر ثانی کی ہوئی کتاب حضرت صدیق اکبرؓ کی زندگی تک ان کے پاس رہی، ان کے بعد حضرت عمرؓ کے پاس ان کے بعد حضرت حفصہؓ کے پاس رہی۔ حضرت عثمانؓ نے (اپنے عہد خلافت میں) اس کی نقلیں لینے کے لئے حضرت حفصہؓ سے ان صحیفوں کو مانگ بھیجا تو انھوں نے دینے سے انکار کیا۔ یہاں تک کہ حضرت عثمانؓ نے واپس کرنے کا عہد کیا تو حضرت حفصہؓ نے وہ صحیفے ان کے پاس بھجوا دیئے حضرت عثمانؓ نے چند مصاحف اس سے نقل کرائے اور وہ صحیفے حضرت حفصہؓ کے پاس واپس بھجوا دیئے

جو انھیں کے پاس برابر رہے۔ اس کے بعد پھر زہری ہی سے روایت ہے کہ مروان (جو ۴۱ھ میں بعہد خلافت امیر المومنین حضرت معاویہؓ والی مدینہ تھے) حضرت حفصہؓ کے پاس آدمی بھیج بھیج کر برابر وہ صحیفے مانگ بھیجتے تھے مگر وہ نہیں دیتی تھیں تو جب حضرت حفصہؓ کی وفات ہو گئی تو مروان نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے شدت کے ساتھ ان صحیفوں کو وصول کر لیا۔ اور صحیفوں کو پھاڑ کر ضائع کر دینے کا حکم دیا اور وہ ضائع کر دیئے گئے۔ مروان نے کہا کہ ہم نے یہ اس لئے کیا کہ جو کچھ اس میں ہے وہ صحیفوں میں لوگوں کے پاس لکھا جا چکا اور محفوظ ہو چکا۔ میں ڈرا کہ زمانہ دراز کے بعد اس مصحف کے بارے میں کوئی شک کرنے والا شک نہ کرے اور کہے کہ اس میں کوئی چیز تھی جو نہیں لکھی گئی اس واقعہ پر بحث اصل کتاب میں آتی ہے۔ دیکھئے فہرست میں "مروان کی دور اندیشی"

۴ ابن سعدؒ کی روایت سے اسی صفحہ کنز العمال میں ہے کہ ہشامؒ بن عروہ اپنے والد عروہ بن الزبیر سے روایت کرتے ہیں کہ اہل یمامہ کے قتل کے بعد حضرت صدیق اکبرؓ نے حضرت عمرؓ اور زید بن ثابتؓ کو حکم دیا کہ مسجد کے دروازے پر تم دونوں بیٹھ جاؤ اور جو شخص کوئی حصہ قرآن ایسا لے کر آئے جس کو تم نہ جانو تو[1] اس سے اس پر دو گواہ طلب کرو جب اس کو لکھو۔ اور یہ اس لئے حکم دیا کہ یمامہ میں ان صحابہ کی شہادت ہو گئی تھی جنھوں نے قرآن جمع کیا تھا۔

۵ اتقان ص۸۳ میں ہے کہ زہری ہی عبیدؓ بن السباق سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلعم وفات فرما گئے اور قرآن کسی چیز پر بھی لکھا[2] ہوا نہ تھا۔ اس روایت کو ابن حجر نے فوائد دیر عاقولی سے فتح الباری میں بھی نقل کیا ہے۔

۶ اسی صفحے میں عمارہ بن غزیہ سے یہ بھی روایت ہے کہ زید بن ثابتؓ نے کہا کہ مجھ کو ابوبکرؓ نے حکم دیا تو میں نے قرآن کھال اور چھال پر لکھا جب ابوبکرؓ نے وفات پائی اور عمرؓ کا زمانہ آیا تو میں نے ایک صحیفے میں قرآن لکھ ڈالا۔ جو ان کے پاس رہا۔

۷ اور پھر یہیں پر مؤطا امام مالک (بروایت ابن وہب) میں زہری ہی سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے کاغذ پر قرآن جمع کیا۔ اس میں زید بن ثابتؓ سے مدد چاہی تو انھوں نے انکار کیا تو حضرت عمرؓ سے سفارش کرائی تو زیدؓ نے مدد دی (جیسا کہ ۲ میں گذرا)

۸ کنز العمال ب۱ ص۲۸۰ میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے قرآن جمع کرنے کا ارادہ کیا تو لوگوں میں کھڑے ہو کر کہا کہ جس نے رسول اللہ صلعم سے جو کچھ بھی قرآن سیکھا ہو وہ اس کو ہمارے پاس لائے۔ اور لوگوں نے اس کو مصحف، تختوں اور چھال وغیرہ پر لکھ رکھا تھا۔ اور کسی سے کوئی چیز قبول نہیں کی جاتی تھی جب تک دو گواہ اس کی گواہی نہیں دیتے تھے تو حضرت عمرؓ شہید کر دیئے گئے اسی حال میں کہ قرآن ان کے پاس جمع ہو رہا[3] تھا۔ تو حضرت عثمانؓ اٹھے اور انھوں نے اعلان کیا کہ جس کے پاس بھی قرآن کا کوئی حصہ ہو وہ ہمارے پاس لائے۔ اور نہیں قبول کرتے تھے جب تک دو گواہ اس پر گواہی نہ دیں۔ تو خزیمہ بن ثابتؓ الانصاری نے آکر کہا کہ میں دیکھتا ہوں کہ تم لوگوں نے دو آیتوں کو چھوڑ دیا، نہیں لکھا۔ لوگوں نے کہا وہ کونسی دو آیتیں ہیں؟ خزیمہؓ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلعم سے سیکھا تھا لقد جاءکم رسول من انفسکم عزیز علیہ ما عنتم آخر سورہ تک۔ تو حضرت عثمانؓ نے کہا کہ میں قسم کھاتا ہوں کہ یہ دونوں اللہ کی طرف سے ہیں۔ تو پھر تم ان کو کہاں رکھنا مناسب سمجھتے ہو؟ تو خزیمہؓ نے کہا کہ اسی پر ختم کر دو اس سورہ کو جو آخری سورہ قرآن کا ہے۔ تو ان دونوں آیتوں کو آخر سورہ برأت میں رکھ دیا گیا۔ (ابن ابی داؤد و ابن عساکر)

۹ اسی کے بعد اسی صفحے میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے جب ارادہ کیا ۱۴۹ھ کے لکھنے کا تو صحابہؓ کی ایک جماعت (لکھنے کے لئے) بٹھائی اور کہا کہ اس کو لکھو قبیلہ مضر کی زبان میں۔ کیونکہ قرآن ایک مضری شخص پر اترا ہے۔ (ابن ابی داؤد)

۱۰ اسی کے بعد ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ مصاحف کو نہ لکھیں مگر نوجوانان قریش یا نوجوانان ثقیف۔ (ابو عبید و ابن ابی داؤد)

---

[1] قرآن کا ایسا بھی کوئی حصہ ہو سکتا تھا جس کو حضرت عمرؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ نہ جانتے ہوں معاذ اللہ من ذالک ۱۲ منہ

[2] یعنی ہڈی ٹھیکری کھال یا چھال پر بھی نہیں۔

[3] کنز العمال ب۱ ص۲۸۰ میں ابن سعد اور مستدرک سے منقول ہے کہ محمد بن سیرین نے کہا کہ حضرت عمرؓ شہید ہو گئے اس وقت تک قرآن جمع نہیں ہوا تھا۔ ۱۲ منہ

۱۱؎ پھر اسی کے بعد ہے کہ ابن شہاب زہری ہی سے روایت کرتے ہیں کہ جنگ یمامہ کے دن حفاظ قرآن بہت سے کٹ گئے، قریب چار سو اشخاص کے تو زید بن ثابتؓ حضرت عمرؓ سے ملے، اور کہا کہ یہی قرآن ہم لوگوں کے دین کا جامع ہے، اگر قرآن چلا گیا تو ہم لوگوں کا دین چلا گیا۔ اس لئے ہم نے قرآن کے جمع کر لینے کا ارادہ کیا ہے ایک کتاب میں۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ ٹھہر جاؤ ہم ابوبکرؓ سے پوچھ لیں۔ تو دونوں.. حضرت ابوبکرؓ کے پاس گئے۔ انھوں نے کہا کہ جلدی نہ کرو۔ ہم مسلمانوں سے مشورہ کر لیں۔ تو حضرت ابوبکرؓ نے مجمع کو خطبہ دیا اور لوگوں کو صورت حال اور ضرورت جمع قرآن سے مطلع کیا۔ لوگوں نے جمع قرآن کی رائے کو پسند کیا۔ تو ان لوگوں نے قرآن جمع کیا۔ اور حضرت ابوبکرؓ نے ایک شخص کو حکم دیا کہ منادی کر دے کہ جس کے پاس قرآن کا کچھ بھی حصہ ہو تو اس کو لائے۔ تو حضرت حفصہؓ نے کہا تم لوگ جب حافظوا علی الصلوٰت والصلوٰۃ الوسطیٰ پر پہنچو تو مجھ کو خبر کرو جب یہاں تک لکھنے والے پہنچے اور خبر کی تو حضرت حفصہؓ نے کہا کہ اس کے بعد لکھو وھی صلوٰۃ العصر۔ تو حضرت عمرؓ نے کہا کہ کیا تمہارے پاس اس کے قرآن ہونے کی کوئی دلیل (گواہ) ہے؟ انھوں نے کہا کہ نہیں۔ تو حضرت عمرؓ نے فرمایا واللہ قرآن میں نہیں داخل ہو سکتی کوئی ایسی چیز جس کو صرف ایک عورت بلا دلیل و گواہ بیان کرے۔ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے بیان کیا کہ لکھو کہ والعصر ان الانسان لفی خسر ہ وانہ فیہ الی آخر الدھر ہ حضرت عمرؓ نے کہا کہ ہٹاؤ میرے سامنے سے اس بدوؤں جیسی عبارت کو۔ (کتاب المصاحف ابن الانباری) (تعجب ہے کہ عبداللہ بن مسعودؓ نے اس موقع پر حضرت عمرؓ کو نہیں ڈانٹا کہ تم بازار کی دوڑ دھوپ میں رہا کرتے تھے اور ہم رسول اللہ صلعم کے پاس قرآن سیکھا کرتے تھے۔ اس وقت حضرت عمرؓ کی ڈانٹ کس طرح سن کر چپ رہ گئے۔ اور ان کا لایا ہوا حصہ قرآن رد کر دیا گیا پھر بھی وہ کچھ نہ بولے!!)

۱۲؎ خزیمہ بن ثابتؓ کہتے ہیں کہ میں لقد جاءکم رسول من انفسکم والی آیت کو عمر بن الخطابؓ اور زید بن ثابتؓ کے پاس لایا تو زید نے کہا کہ تمہارے پاس کون گواہ ہے؟ تو میں نے کہا کہ اس کو واللہ میں نہیں جانتا۔ تو خود زیدؓ نے کہا کہ میں اس کی شہادت دیتا ہوں (کنز العمال ب۱ ص۲۸۰ منقول از ابن سعد)

ان روایات کے دیکھنے کے بعد کمزور ایمان والے تو جانے کن کن شکوک و شبہات میں پڑے ہوں گے اور پڑ سکتے ہیں۔ محدثین کے اکابر بھی قرآن کے متعلق صحیح عقیدہ قائم نہ کر سکے۔ ابن حجر فتح الباری ص۴۲۱ جزو بستم باب جمع القرآن کی پہلی حدیث جمع صدیقی والی روایت کی شرح میں متعدد آیتوں کا ذکر کر کے لکھتے ہیں کہ کلام مخصوص طور سے مخصوص صفت کے ساتھ لکھنے میں ہے۔ ورنہ پورا قرآن رسول اللہ صلعم کے زمانے میں لکھا جا چکا تھا لکن غیر مجموع فی موضع واحد ولا مرتب السور لیکن ایک جگہ مجمع نہ تھا اور نہ سورتیں مرتب تھیں، یعنی منتشر آیتیں کچھ کسی کے پاس کچھ کسی کے پاس تھیں۔ آیات سے سورتوں کی ترتیب بھی قائم نہ تھی۔ یہ سب کام صحابہ نے اپنی سمجھ سے بطور خود کیا۔ معاذ اللہ من ذالک

۱۳؎ اور پھر بخاری میں یہ بھی ہے کہ چار انصاریوں نے عہد نبویؐ میں قرآن جمع کیا تھا ابی بن کعبؓ، معاذ بن جبلؓ، زید بن ثابتؓ اور ابوزیدؓ دوسری روایت میں ابی بن کعبؓ کی جگہ ابودرداء کا نام ہے۔ اس روایت پر بحث اصل کتاب میں آتی ہے۔ اور ابن سعد سے کنز العمال ب۱ ص۲۸۰ میں منقول ہے کہ رسول اللہ صلعم کے زمانہ مبارک میں پانچ انصاریوں نے قرآن جمع کیا تھا۔ معاذ بن جبلؓ، عبادہ بن صامت، ابی بن کعبؓ، ابوایوبؓ اور ابودرداء۔

۱۴؎ اور کنز العمال ب۱ ص۲۸۱ میں ہے کہ حضرت عمرؓ بن الخطاب جب قرآن جمع کرنے لگے تو انھوں نے صحابہ سے پوچھا کہ مَنْ اَعْرَبُ النَّاس؟ سب سے زیادہ غربیت کا ماہر کون ہے؟ لوگوں نے کہا کہ سعید بن العاصؓ۔ پوچھا زیادہ اچھا لکھنے والا کون ہے؟ لوگوں نے کہا کہ زید بن ثابتؓ۔ حضرت عمرؓ نے کہا تو سعیدؓ لکھوائیں اور زیدؓ لکھیں۔ تو لوگوں نے چار مصحف لکھے، جن میں سے ایک مصحف کو نہ ایک بصرہ ایک شام میں بھیجا۔ ایک حجاز کے لئے رکھا (ابن الانباری)

۱۵؎ کنز العمال ب۱ ص۲۸۴ میں ابن ابی داؤد اور ابن عساکر کی کتابوں سے منقول ہے کہ حضرت عثمانؓ نے جماعت صحابہ و تابعین میں

خطبہ دیا اور کہا کہ ابھی رسول اللہ صلعم کی وفات کو تیرہ ہی برس ہوئے ہیں کہ تم لوگ قرآن میں اختلاف پیدا کرنے لگے، اور کہتے ہو کہ قراءۃ ابی بن کعبؓ و قراءۃ عبداللہ بن مسعودؓ۔ ایک دوسرے کو کہتا ہے کہ تمہاری قرات ٹھیک نہیں ہے۔ تو میں تم میں سے ہر شخص پر لازم گردانتا ہوں جسکے پاس کچھ بھی قرآن ہو وہ لے آئے اس کو۔ تو لوگ اوراق پر اور کھال پر لکھے ہوئے قرآن لانے لگے تو ان سبھوں کو جمع کیا گیا۔ پھر حضرت عثمانؓ آئے اور سب سے قسم کھلائی کہ اسی طرح انھوں نے رسول اللہ صلعم سے سنا ہے؟ اور رسول اللہ صلعم ہی نے انھیں یہ لکھوایا ہے؟ تو وہ کہتے کہ ہاں۔ تو جب حضرت عثمانؓ سب سے ان کے لائے ہوئے مکتوبات پر قسم کھلوا چکے تو لوگوں سے انھوں نے پوچھا کہ کون سب سے زیادہ اچھا لکھنے والا ہے؟ لوگوں نے کہا کہ زید بن ثابتؓ رسول اللہ صلعم کے کاتب۔ پھر پوچھا کون عربیت کا سب سے زیادہ ماہر ہے؟ لوگوں نے کہا کہ سعید بن العاصؓ۔ حضرت عثمانؓ نے کہا کہ سعیدؓ لکھوائیں اور زیدؓ لکھیں۔ تو زیدؓ نے لکھا، اور اس کے ساتھ چند مصاحف لکھے۔ تو حضرت عثمانؓ نے اس مصحف کو لوگوں میں پھیلایا۔ راوی کہتا ہے کہ میں نے بعض صحابہ کو یہ کہتے سنا کہ کیا اچھا کام کیا حضرت عثمانؓ نے۔ ایک روایت اور بھی اس کے بعد ہے جس میں تیرہ سال کے عوض مذکور ہے کہ "رسول اللہ صلعم کی وفات کو پندرہ برس ہو گئے"، اور اس میں سعید بن العاصؓ کو سب سے زیادہ فصیح لکھا ہے اور آخر میں ہے کہ مصعب بن سعدؓ راوی نے کہا ہے کہ کسی شخص نے بھی حضرت عثمانؓ کے اس فعل کو برا نہ سمجھا۔

۱۶ صفحہ ۲۸۳ میں کتاب المصاحف ابن ابی داؤد سے منقول ہے کہ حضرت عثمانؓ نے ان مصاحف کو (جن میں غلطیاں تھیں یا دوسری قراءتیں تھیں) ان کو قبر مبارک اور منبر کے درمیان دفن کرا دیا۔

۱۷ اسی صفحے میں ابن ابی داؤد ہی سے ایک روایت اور منقول ہے جس کا خلاصہ مفہوم یہ ہے کہ لوگ قرآن پڑھتے تھے اور ایک دوسرے کو اختلاف قرات کی وجہ سے کافر قرار دیتے تھے۔ تو یہ صورت حضرت عثمانؓ کے سامنے پیش ہوئی۔ انھوں نے بارہ آدمی قریش اور انصار میں سے منتخب کئے جن میں ابی بن کعبؓ، زید بن ثابتؓ اور سعید بن العاصؓ بھی تھے، اور وہ پرانی منگوائی حضرت عمرؓ کے گھر جسمیں قرآن تھا، اور ان لوگوں کی نگرانی کرتے رہے۔ تو لوگ لکھ رہے تھے، اور جس جگہ باہم اختلاف ہوتا تھا، اس کو (بعد کو غور کرنے کے لئے) اٹھا رکھتے تھے۔ غالباً اس لئے اٹھا رکھتے تھے کہ دیکھا جائے کہ کون قرات (جبریل کے) عرضۂ اخیرہ کے مطابق ہے تو اس کو لکھیں۔ (ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت جبرئیلؑ جو ہر سال ایک بار قرآن کا دور رسول اللہ صلعم سے کرتے تھے، اور سال وفات دو دور کئے ان سب کی خبر تمام صحابہ کو ہو جاتی تھی، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس دور کا ہر سال اعلان فرما دیتے تھے۔ مگر یہ کسی روایت سے ثابت نہیں۔ اور اگر ایسا تھا تو پھر ہر دوسرے دور کے بعد پہلا دور منسوخ ہو گیا ہوتا اور پھر عرضۂ اخیرہ ہی کو تمام صحابہ میں رہنا تھا۔ ورنہ کیا وجہ ہے کہ عرضۂ اخیرہ کی کسی کو خبر نہیں)

۱۸ اسی صفحے میں ابن ابی داؤد ہی سے یہ بھی منقول ہے کہ حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ بنی ہذیل اور بنی ثقیف لکھیں (مگر نہ سعید بن العاصؓ بنی ہذیل سے تھے نہ زید بن ثابتؓ بنی ثقیف سے)

۱۹ اسی صفحہ ۲۸۴ کنز العمال میں ابن ابی داؤد اور ابن الانباری کی کتابوں سے منقول ہے کہ جب مصحف لکھ کر لوگوں نے تیار کیا تو حضرت عثمانؓ کے پاس لائے۔ انھوں نے اس پر نگاہ غور ڈالی تو کہا تم لوگوں نے نہایت اچھا اور بہت خوب کام کیا مگر میں اس میں زبان کی کچھ غلطی محسوس کرتا ہوں"، جس کو عرب اپنی زبانوں سے درست کر لیں گے۔

۲۰ مذکورہ بالا روایت عبدالاعلیٰ بن عبداللہ بن عامر القرشی سے ہے (رجال کی کتابوں میں ان کو قرشی نہیں لکھا ہے۔ یہ ممکن ہے کہ یہ موالی قریش سے ہوں۔ بصری تابعی لکھے جاتے ہیں) مگر دوسری روایت پہلی روایت کے بعد اسی صفحے میں ابن ابی داؤد اور ابن الانباری ہی سے قتادہ سے بھی مروی ہے کہ حضرت عثمانؓ نے جب مصحف کو دیکھا تو کہا کہ اس میں عربیت کی کچھ خامیاں ہیں"۔ اہل عرب ان کو اپنی زبانوں سے ٹھیک کر لیں گے۔

آخر دو نمبر ۱۹ و ۲۰ کے خطوط الفاظ پر ایمان دار کو میں اللہ کا واسطہ دے کر کہتا ہوں کہ نگاہ غور ڈالیں کہ جس قرآن کو سب سے زیادہ عربیت کے ماہر حضرت سعید بن العاصؓ سے حضرت عثمانؓ نے املا کرایا اور حضرت زید بن ثابتؓ سے لکھوایا۔ اور اس کی غلطیاں کرانے کے

تمام ممالک میں بھجوائیں کہ ہر شخص اپنے مصحف کو اسی سے ملالے، اور اس سے ایک حرف ایک نقطے کا بھی فرق نہ کرے، اور اس کے سوا تمام نسخوں کو مٹا دینے اور جلا دینے یا پھاڑ دینے کا حکم دیا، اس نسخے میں بھی حضرت عثمانؓ ہی کے نزدیک عربیت کی خامیاں رہ گئی تھیں۔ وہ خامیاں یقیناً خدا کی طرف سے تو نہیں اتری تھیں۔ ضرور اور بالضرور کچھ ردوبدل ہوا۔ اور قرآن جس طرح اترا تھا بالکل اسی طرح جمع نہ ہوا۔ لیکن حضرت عثمانؓ اور تمام صحابہ نے اسی ناقص قرآن کو جس میں بعض عربیت[1] کی کچھ خامیاں تھیں۔ مجبوراً گوارا کیا۔ یہ بھی نہ کیا کہ ان خامیوں کو نکال دیں اور وہاں کی عبارت درست کر دیں۔ بلکہ حضرت عثمانؓ نے یہ کہہ کر ان خامیوں کو چھوڑ دیا کہ اہل عرب جب پڑھیں گے تو عربی ان کی مادری زبان ہے، روانی میں صحیح ہی عبارت ان کی زبان سے نکلے گی۔ یعنی غلط لکھا ہوا ہے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ پڑھنے والے عرب اس کو صحیح پڑھ لیں گے۔ معاذ اللہ من ذالک ثم معاذ اللہ من ذالک۔ کتنا بڑا اتہام ہے حضرت عثمانؓ پر۔ اور کتنا بڑا بہتان ہے قرآن مجید پر اللہ اکبر!

۲۱ اسی کے بعد[2] ابن الانباری اور ابن ابی داؤد ہی کے حوالہ سے منقول ہے کہ حضرت عثمانؓ کے پاس جب مصحف لایا گیا تو انھوں نے اس میں عربیت کی بعض خامی دیکھی تو کہا کہ اگر لکھوانے والا قبیلہ ہذیل کا اور لکھنے والا قبیلہ ثقیف کا ہوتا تو یہ خامی اس میں نہ رہ جاتی۔ (یعنی قریشیوں میں جو سب سے زیادہ عربیت کے ماہر تھے سعید بن العاصؓ وہ بھی قریشی زبان کی خامیاں درست نہ کر سکے۔ تو کس نے منع کیا تھا جو ہذیل وثقیف سے یہ کام نہ لیا گیا؟)

۲۲ کنز العمال اسی صفحے میں ابن سعدؒ سے یہ روایت منقول ہے جو اتقان وغیرہ میں بھی ہے کہ حضرت علی نے وفات پیغمبرؐ کے بعد گوشہ نشینی اختیار کر لی تھی اور حضرت صدیق اکبرؓ کے ہاتھ پر بیعت کرنے میں دیر کی تو حضرت ابوبکرؓ نے ان سے پوچھ بھیجا کہ کیا آپ نے میرے ہاتھ پر بیعت ناپسند کی؟ تو حضرت علیؓ نے کہلا بھیجا کہ ایسا نہیں ہے، بات یہ ہے کہ میں نے قسم کھائی ہے کہ اپنی چادر نماز کے وقتوں کے سوا اور کسی وقت نہ اوڑھوں گا جب تک قرآن جمع نہ کر لوں گا۔ اور لوگوں کا خیال یہ ہے کہ وہ ترتیب نزول کے مطابق جمع کر رہے تھے۔ محمد بن سیرین اس حدیث کے راوی کہتے ہیں، کہ کاش کہ میں وہ کتاب پالیتا، اس میں بڑا علم تھا۔ ابن عون نے کہا کہ میں نے عکرمہ (مولیٰ ابن عباس) سے پوچھا تو انھوں اس کے متعلق اپنی واقفیت نہیں بیان کی۔ اس روایت کو ابن حجر نے فتح الباری جزو نہم صفحہ ۴۲۱ میں نقل کرتے ہوئے اس روایت کو انقطاع کی وجہ سے ضعیف قرار دیا ہے، اور پھر تاویل بھی کی ہے کہ جمع سے مراد حفظ ہوگی۔ پھر لکھتے ہیں کہ اور جو اس حدیث کے بعض طرق میں صاف مذکور ہے کہ "جب تک میں قرآن کو بین الدفتین مجلد جمع نہ کر لوں" حضرت علیؓ نے فرمایا تھا۔ تو ابن حجر نے صاف کہہ دیا کہ یہ راوی کا وہم ہوگا۔ مگر اسی روایت کی بنا پر حضرت علیؓ کے قرآن کے مطابق ترتیب نزول جمع کرنے کا عام طور سے شور مچایا جاتا ہے۔ خصوصاً شیعوں نے اس کو اپنی کتابوں میں بہت اچھالا۔ اس پر بحث اصل کتاب میں آئے گی۔ اگر شیعوں کی کتابوں کو دیکھئے تو اور بھی عجیب وغریب روایتیں ملیں گی۔ جس کا جی چاہے کم سے کم اصول کافی ہی کا مطالعہ کرے۔

۲۳ کنز العمال ب ۱ ص ۲۸۲ میں ابن ابی داؤد کی کتاب سے منقول ہے کہ ابن شہاب زہری نے کہا کہ مجھ کو معلوم ہوا کہ قرآن بہت اترا تھا تو قرآن کے جاننے والے جنھوں نے اس کو حفظ کر لیا تھا یمامہ کے دن مارے گئے، اور ان کے بعد نہیں جانا گیا[3] اور نہ لکھا گیا۔ تو جب ابوبکرؓ

---

[1] پہلی روایت کی اصل عبارت یہ ہے اری شیئا من لحن ستقیمہ العرب بالسنتھا۔ اور دوسری روایت کی عبارت یہ ہے۔ ان فیہ لحنا وستقیمہ العرب بالسنتھا (کنز العمال ب ۱ ص ۲۸۳) منہ غفرلہ

[2] جو قرآن دنیا بھر کو مقابلہ کا چیلنج دے رہا ہو کہ ایسی ایک سورت بھی بنا کر پیش کرو۔ اس قرآن کے بارے میں ایسی ملحدانہ روایتیں کس طرح محدثین نے اپنی کتابوں میں داخل کیں، اور آج تک علماء ان حدیثوں کے باوجود ان کتابوں کا احترام جزو ایمان سمجھتے ہیں؟ میری سمجھ میں نہیں آتا ۱۲ منہ

[3] اصلی عبارت یوں ہے ولم یکتب الیکم بعدھم ولم یکتب۔ یعنی وہ حصہ قرآن جو صرف انھیں لوگوں کو یاد تھا اس کے ان حصوں کا کوئی علم کسی کو نہ ہوا اسی وجہ سے مصحف میں وہ لکھے نہ جا سکے ۱۲ منہ غفرلہ

عمرؓ و عثمانؓ نے قرآن جمع کیا، اور ان کے بعد اور قرآن کسی کے پاس نہیں پایا گیا۔ اور یہ بھی اس میں ہے جو ہم تک خبر پہنچی ہے کہ ان لوگوں نے قرآن کی تلاش میں کوشش کی اور اس کو مصحف میں جمع کیا خلافت ابوبکرؓ میں اس ڈر سے کہ کہیں اور مسلمان بھی نہ مختلف جگہ مارے جائیں اور انکے ساتھ (سینوں میں) بہت سا قرآن ہو، تو جتنا قرآن جس کے ساتھ ہو وہ اس کو اپنے ساتھ لیتا جائے۔ اور پھر ان کے بعد وہ کسی دوسرے کے پاس نہ ملے۔ اس لئے اللہ نے حضرت عثمانؓ کو توفیق دی کہ انھوں نے اس مصحف کو مصاحف میں نقل کرایا اور مختلف ملکوں میں ان مصاحف کو بھیجا اور مسلمانوں کے پاس پہنچایا۔ [1]

۲۴ اسی کے بعد بغیر کسی حوالے کے اسی صفحے میں ہے کہ حضرت عثمانؓ جب مصاحف نقل کرا رہے تھے تو ابی بن کعبؓ لکھوا رہے تھے، زیدؓ بن ثابت لکھ رہے تھے اور سعید بن العاصؓ اس کی عربیت درست کر رہے تھے (یا اعراب لگا رہے تھے) تو یہ مصحف ابی بن کعبؓ، زید بن ثابتؓ، اور سعید بن العاصؓ تینوں کی قرارت کے مطابق ہے۔

۲۵ ص ۲۸۴ میں ہے بحوالہ مستدرک کہ جن لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارک میں پورا قرآن ختم کیا تھا اُن میں عثمانؓ بن عفان۔ علی بن ابی طالبؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ تھے۔

غرض ان روایتوں کو دیکھنے کے بعد بے اختیار ایمانی غیرت نے مجھ کو مجبور کیا کہ میں ان حدیثوں کی چھان بین کروں جن کے ذریعے قرآن مجید کو اختلافات کی جولانگاہ اور مشتبہ بنانے کی مذموم کوشش کی گئی ہے خصوصاً اس لئے بھی کہ انھیں ذخائر احادیث سے ہمیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلعم کے زمانے میں عام طور سے صحابہؓ کے پاس لکھے ہوئے مصاحف موجود تھے۔ کیونکہ آنحضرت صلعم صحابہؓ کو مصحف دیکھ کر پڑھنے کی تاکید فرماتے تھے، مصحف لے کر سفر کرنے سے منع فرماتے تھے۔ حضرت عمرؓ مصحف ہی لے کر اور پڑھ کر اپنی بہن کے یہاں متاثر ہوئے اور وہیں سے ایمان لانے کے ارادے سے آنحضرت صلعم کے پاس حاضر ہوئے اور ایمان لائے تھے جس کی تفصیلی بحث اصل کتاب میں آتی ہے۔ ان باتوں کے ساتھ ان روایات کو دیکھئے جو ہم حد درجہ مختلف و متضاد ہیں تو انگشت بدنداں رہ جائیے۔

اب اگر ان تمام روایتوں کی میں تنقید کرنے بیٹھتا تو اس کے لئے ایک ضخیم دفتر کی ضرورت تھی اور کافی وقت کی بھی۔ اس لئے میں نے ان تمام روایتوں میں سے وہ روایتیں جو سب سے زیادہ مستند و معتبر سمجھی جاتی ہیں یعنی صحیح بخاری کی وہ حدیثیں جو ترمذی و نسائی وغیرہ میں بھی مذکور ہیں تنقید کے لئے منتخب کیں تاکہ اہل انصاف غور فرمائیں اور سمجھیں کہ جب وہ حدیثیں جو از روئے روایت صحیح ترین سمجھی جاتی ہیں اُن کا یہ حال ہے تو جن کو جامعین صحاح نے خود نظر انداز کر دیا، اور اپنی کتابوں میں درج نہیں کیا، یا ان کے بعد بنائی گئیں، ان کا کیا عالم ہوگا۔ ع قیاس کن زگلستانِ من بہارِ مرا

واضح رہے کہ امام بخاری اور تمام جامعین احادیث کا میں کافی احترام کرتا ہوں۔ اور میرے دل میں ان تمام بزرگوں کی بڑی عظمت ہے ان محسنین اسلام میں بلند مرتبہ جانتا ہوں۔ اسی طرح عبداللہ بن سلیمان بن الاشعث السجستانی متوفی ۳۱۶ھ جو ابن ابی داؤد کے لقب سے مشہور ہیں۔ اور ابوبکر محمد بن القاسم بن محمد بن بشار النحوی متوفی ۳۲۸ھ جو ابن الانباری کہے جاتے ہیں۔ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ جن کی کتاب جمع الجوامع کو شیخ علی متقی متوفی ۹۷۵ھ نے فقہا کے طریقے پر مرتب و مدون کر کے اس کا نام "کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال" رکھا، ان تمام بزرگوں کا بھی احترام کرتا ہوں ان کے تقویٰ و طہارت دین و دیانت، اور اعلیٰ علمی جلالت و ثقاہت اور تاریخی خدمات اسلام کا قائل ہوں۔ مگر ان میں سے کسی کو بھی معصوم نہیں سمجھتا۔ جمع احادیث کی تاریخ اور اس کی اہمیت سے میں پوری طرح واقف ہوں میں جانتا ہوں کہ اگر یہ لوگ حدیثیں جمع نہ کر جاتے تو آج جو کچھ بھی پتا سنت نبویہ کا ملتا ہے وہ بھی نہ ملتا۔ اس لئے کہ جس طرح اکابر قوم نے محکمہ قضا قبول کرنیسے

---

[1] یہ روایت بھی ابن شہاب زہری ہی سے خدا جانے ان پر اتمام ہے یا واقعی انھوں نے بیان کیا جس سے صاف ظاہر ہے کہ پورا قرآن جمع نہ ہو سکا۔ اس کا کافی حصہ غائب ہو گیا جو کچھ مل سکا وہی جمع کر دیا گیا۔ کیا کہتے ہیں علمائے دین اس روایت کو؟ ۱۲ منہ عفرلہ

بزمانۂ خلافتِ عباسیہ انکار کیا تو کیا مسند قضا خالی رہی؟ سیکڑوں نااہلوں نے اس مسند پر جگہ حاصل کرلی۔ اسی طرح اگر یہ اکابر حدیثیں جمع نہ کرتے تو کیا حدیثیں جمع نہ ہوتیں؟ دہی وضاعین وکذابین خود جامعین احادیث بھی بن جاتے۔ اور پھر بعد والوں میں انھیں کی جمع کردہ کتابیں بخاری و مسلم کی جگہ پر ہوتیں۔ نہ وہ اسماء الرجال مرتب کرتے نہ موضاعات کو الگ چھانٹ کر رکھنے کی کوشش کرتے۔

ان جامعین احادیث کا زمانہ ۱۰۱ھ سے لغایۃ ۲۰۰ھ وہ تھا جب کہ فرقہ بندی مضبوط نہیں ہوئی تھی، شیعے، سنی، خارجی اور تمام فرقے ملے جلے تھے۔ اتنا بھر تو اعتراف خود ابوجعفر محمد بن یعقوب بن اسحٰق الکلینی متوفی ۳۲۹ھ یا ۳۲۸ھ شیعوں کے سب سے بڑے محدث نے بھی اصول کافی ص۳۶۹ میں اعتراف کیا ہے کہ کانت الشیعۃ قبل ان یکون ابوجعفر وھم لا یعرفون مناسک حجھم وحلالھم وحرامھم حتی کان ابوجعفر ففتح لھم وبین لھم مناسک حجھم وحلالھم وحرامھم حتی صار الناس یحتاجون الیھم من بعد ما کانوا یحتاجون الی الناس۔ یعنی شیعے ابوجعفر (باقر محمد بن علی بن حسینؓ بن علیؓ بن ابی طالب رضی اللہ عنہم) سے پہلے اپنے مناسک حج اور اپنے حلال اور اپنے حرام سے واقف نہ تھے۔ یہاں تک کہ ابوجعفر کا زمانہ آیا تو انھوں نے کھولا اور ان کے مناسک حج اور ان کے حلال و حرام کو بیان کیا۔ یہاں تک کہ لوگ ان کے محتاج ہوئے اس کے بعد کہ یہ (شیعے) لوگوں کے محتاج تھے۔

حضرت ابوجعفر کی ولادت اسی کتاب کے ص۲۹۸ میں ۵۷ھ لکھی ہے اور سال وفات ۱۱۴ھ اور عمر ۵۷ سال ابوجعفر الکلینی کے بیان سے اتنا معلوم ہوگیا کہ حضرت جعفر نے جب تک شیعوں کے خاص مذہبی مسائل نہیں بتائے تھے اسوقت تک تمام شیعے حتی کہ حضرت ابوجعفر کے والد ماجد حضرت علی بن حسینؓ بھی تمام مسائل میں عام مسلمانوں کے طریقہ پر کاربند تھے۔ اور شیعے سنی میں اسوقت تک عملاً کسی طرح کا اختلاف نہ تھا۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ حضرت ابوجعفرؒ اور ان کے صاحبزادے جعفر بن محمدؒ کی طرف ہزاروں من گھڑت حدیثیں ان لوگوں کے ایک صدی یا نصف صدی بعد مشہور کی گئیں، اور تمام ارکان اسلام کے بارے میں ان سے خلاف سنت متواترہ ایک نیا طریقہ منسوب کیا گیا، اور اس نئے طریقہ کے ارکان کے متعلق ان بزرگوں کی طرف روایتیں بنائی گئیں، اور پھر چپکے چپکے اپنے حلقے میں انکی اشاعت رفتہ رفتہ کی جاتی رہی، چنانچہ اس کا آغاز اصول کافی و فروع کافی سے ہوا، یعنی تیسری صدی کے اواخر سے۔ مگر عام طور سے شیعے تمام اعمال ظاہری میں عام مسلمانوں کی طرح تھے۔ درس و تدریس و تحدیث وغیرہ میں سب فرقے ایک دوسرے کے شریک و سہیم تھے۔ بعض شیعوں نے اپنے مخصوص عقائد و خیالات کی کوئی کتاب لکھی بھی تو اس کو عام نگاہوں سے بالکل پوشیدہ رکھتے تھے۔ شیعے محدثین اہل سنت محدثین سے حدیثیں لیتے تھے اور روایت کرتے تھے، اور اہل سنت شیعوں سے۔ اسی طرح خارجی، قدریہ، جہمیہ وغیرہ۔ شیعوں کو تقریباً چھٹی صدی میں قومی و دینی بٹوارہ کرکے عامۃ المسلمین سے کٹ کر الگ ہوجانے کا موقع ملا جب ان کو کسی قدر سیاسی اقتدار حاصل ہوا خصوصاً حکومت ایران پر تسلط جما لینے کے بعد تو پھر انھوں نے اپنی ان مخصوص کتابوں کو جنھیں ان کے اگلے مصنفین نے چپکے چپکے لکھ کر رکھا تھا اور پھر نئی تصنیفات کو اپنے لئے خاص کرلیا، اور زمانۂ اجمال میں جو تصنیفیں خود لکھتے گئے مثلاً مستدرک وغیرہ اور اہل سنت محدثین کی کتابوں میں جو اپنا حصہ رسدی اپنی اور وہ حدیثیں درج کراتے گئے تھے، ان سب سے بالکل اس طرح مستغنی ہوکر بیٹھ گئے جیسے اب ان کو ان حدیثوں سے اور ان کتابوں سے کوئی سروکار ہی نہیں۔ کوئی بتائے کہ جب بخاری و مسلم کی تدوین ہو رہی تھی اس وقت شیعے محدثین اپنی کون سی کتاب جمع کر رہے تھے؟ بخاری و مسلم وغیرہ کو صرف اہل سنت کی کتب کہنا صریحاً ظلم اور بالکل غلط ہے۔ یہ زمانۂ اجمال کی یادگاریں ہیں۔ ان میں شیعوں کا حصہ رسدی بھی ہے اور خارجیوں کا حصہ رسدی بھی، قدریوں کا حصہ رسدی بھی ہے اور جہمیوں کا حصہ رسدی بھی۔ محدثین نے کتنے راویوں کے متعلق اپنے کتب رجال میں لکھا ہے کہ یکتب حدیثہ ولا یحتج بہ اس کی حدیث لکھ لی جائیگی، مگر سند و حجت نہیں سمجھی جائے گی۔ اس لئے صرف کسی حدیث کا ان کتابوں میں ہونا اس کی سند و حجت ہونے کی ضمانت نہیں۔ اس کے علاوہ ایک جماعت انھیں روافض کی تھی جو اپنے کو اہل سنت بلکہ خارجی تک ظاہر کرتی تھی، اور ان میں کے بعض تو حضرت علیؓ پر نامناسب کلمات بھی بولا کرتے تھے مگر شیعی خیالات و عقائد کی حدیثیں اہل سنت محدثین سے روایت کرتے تھے اور ان کی کتابوں میں درج کرا دیتے تھے۔ اور بعض کا تو عقیدہ تھا کہ اپنے

اساتذہ اور ساتھیوں کی کتابوں میں جھوٹی حدیثیں بنا بنا کر داخل کر دیا کرتے تھے۔ امام مالکؒ کے کاتب حبیب بن ابی حبیب کے بارے میں امام ذہبی میزان الاعتدال جلد اوّل صفحہ ۲۱۰ میں اور ابن حجر تہذیب التہذیب ب۲ صفحہ ۱۸۱ میں لکھتے ہیں کہ جلد بندی کا کام بھی کرتا تھا محدثین اپنی حدیث کی کتابیں جلد بندی کے لئے دیتے تھے تو ان کی کتابوں میں ردوبدل اور جھوٹی حدیثیں داخل کر دیا کرتا تھا۔ امام مالکؒ کا تو کاتب ہی تھا ان کی کتابوں کے ساتھ کیا کچھ نہ کیا ہوگا۔ ابن دکیع کے وراق نے بھی کیا۔ کتنوں نے خوشنویسی سیکھ کر کتابت کا پیشہ اختیار کیا تھا۔ محدثین اپنے مسودات صاف کرنے کے لئے دیتے تھے ان کے مسودات کے ساتھ بھی یہ لوگ یہی صورت اختیار کرتے تھے، مسودات میں اضافہ و ردوبدل کر کے نقل کرتے تھے۔ میری ایک مستقل کتاب عربی زبان میں ہے البواعیث من الوراقین و کتاب الاحادیث جس میں ایک سو دس وراقوں اور کاتبوں کے حالات درج ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ سب وراق اور سب کاتب ایسے نہ تھے۔ مگر اس کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیئے کہ انھیں وراقوں اور کاتبوں اور راویوں کا کچا چٹھا ائمہ رجال نے کھولا ہے جن کا راز افشا ہو گیا۔ ان میں کتنے ایسے چالاک اور عیار ہوں گے جن کا راز ائمہ رجال پر نہ کھل سکا اور وہ اپنی ظاہری تزئین کی وجہ سے ثقہ اور معتبر سمجھ لئے گئے، حالانکہ حقیقت میں ان میں کے کتنے بڑے عیار اور جعل ساز تھے۔ امام بخاری و امام مسلم وغیرہ ائمہ حدیث کے وراق یا کاتب یا بعض تلامذہ بھی اگر ایسے عیار ہوں کہ ان کتابوں میں گھٹاؤ بڑھاؤ کر دیا ہو تو یہ کوئی بعید از عقل نہیں ہے۔ بلکہ بہت قرین عقل ہے۔

غرض بخاری و مسلم میں گھٹاؤ بڑھاؤ ہو سکتا ہے، ہم اس کو تسلیم کر لے سکتے ہیں، مگر بخاری و مسلم کا بھرم رکھنے کے لئے قرآن مجید میں گھٹاؤ بڑھاؤ گوارا نہیں کر سکتے۔ امام بخاری و امام مسلم اور امام مالک سے ایسا ہو سکتا ہے کہ وہ کسی موضوع حدیث کو صحیح سمجھ کر اپنی کتاب میں نادانستہ درج کر لیں، مگر قرآن میں ایک نقطہ بھی تنزیل الٰہی کے خلاف داخل نہیں ہو سکتا۔ اور نہ قرآن سے غائب ہو سکتا ہے۔ امام بخاری و امام مسلم وغیرہ کا کوئی شیخ عوف اعرابی کی طرح رافضی شیطان، اور اسمٰعیل بن ابی اویس کی طرح کذاب ہو سکتا ہے اور ائمہ رجال کے نزدیک ہے۔ مگر حاملین قرآن مہاجرین و انصار اور والذین اتبعوھم باحسان یعنی دوسرے صحابہ و تابعین، صالحین میں کا ایک شخص بھی متہم نہیں ہو سکتا۔ جن کو رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ اور ولکن اللہ حبب الیکم الایمان وزینہ فی قلوبکم وکرہ الیکم الکفر والفسوق والعصیان کی خداوندی سند مل چکی ہے وہ کبھی وان الذین اختلفوا فی الکتب لفی شقاق بعید کے مصداق نہیں ہو سکتے۔

مختصر یہ کہ میرے سامنے یہی سوال تھا کہ میں بخاری و مسلم وغیرہ میں گھٹاؤ بڑھاؤ و خطا و قصور انسانی کو تسلیم کروں یا قرآن مجید میں۔؟ تو میرے ایمان نے فوراً یہ فیصلہ کیا بخاری و مسلم وغیرہ میں ائمہ حدیث کے سہو و خطا کی بنا پر گھٹاؤ بڑھاؤ اور دشمنوں کی دخل اندازی ہو سکتی ہے، مگر قرآن میں ناممکن ہے لا یاتیہ الباطل من بین یدیہ ولا من خلفہ تنزیل من حکیم حمید۔ مگر دیکھا کہ علماء کی ایک جماعت بخاری و مسلم وغیرہ کتب حدیث کی حمایت میں قرآن کو مشتبہ ماننے پر تیار ہے تو میری غیرت ایمانی بیتاب ہو گئی، اور مجھکو بخاری کی حدیث جمع قرآن کی تنقید کرنی پڑی، اور چونکہ جمع قرآن کی حدیثوں کے تنہا ذمہ دار صرف ابن شہاب زہری ہیں، بعد کو ان کی تائید کے لئے بعد والوں نے بعض دوسروں سے بھی کچھ روایتیں بنا لیں یہ اور بات ہے۔ اسی لئے صحاح کی تمام حدیثیں جو جمع قرآن کے متعلق ہیں وہ سب ابن شہاب ہی تک ہیں تو میں نے پہلے ابن شہاب ہی کا مکمل تعارف لوگوں سے کرا دیا۔[1] اب جمع قرآن کی حدیثوں کی تنقید ملاحظہ ہو۔

البتہ بعض جگہ امام بخاریؒ یا ترمذی کے متعلق بعض الفاظ قلم سے ایسے ضرور نکل گئے ہیں جو ان بزرگوں کی شان کے خلاف ہیں۔ میں ان بزرگوں کی محترم روحوں سے اس کی معذرت چاہتا ہوں۔ درحقیقت وہ الفاظ امام بخاری و ترمذی وغیرہ کے متعلق نہیں ہیں بلکہ ان کی کتابوں میں ان موضوعات کے داخل کر دینے والوں کے متعلق ہیں۔ کتاب چونکہ ان بزرگوں کی طرف منسوب ہے اس لئے مجبوراً ان بزرگوں طرف وہ الفاظ بھی منسوب ہو گئے۔ امید ہے کہ ناظرین میرے جذبہ حمایت قرآن کو دیکھتے ہوئے ان الفاظ کے متعلق مجھے معاف فرمائینگے۔ واعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا واستغفر اللہ ربی من کل ذنب واتوب الیہ۔ اللھم اغفر لنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان ولا تجعل فی قلوبنا غلا للذین اٰمنوا ربنا انک رؤف رحیم والحمد للہ رب العالمین۔

تمنا عمادی مجیبی غفرلہ

[1] دیکھئے طلوع اسلام بابت ماہ ستمبر ۱۹۵۰ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حامداً و مصلیاً و مسلماً

"جمع قرآن بعہدِ حضرت صدیقِ اکبرؓ"

اور اس کا

جھوٹا پروپیگنڈا

منافقین عجم جو ۶۸۰ء سے تقریباً ۷۰۰ء تک مومنین (تابعین) کے لبادے اوڑھ کر ممالک اسلام میں پھیلے ہوئے تھے اور اسلام کے خلاف ہر ممکن ریشہ دوانی میں ایک منظم، مگر خفیہ سازش کے ماتحت مصروف تھے، اور طرح طرح کی متخالف و متضاد حدیثیں بنا بنا کر ہر طرف پھیلا رہے تھے، جب ۱۰۰ھ یا ۱۰۱ھ میں مقام ایلہ پہنچ کر ابن شہاب زہری کو جمع احادیث پر آمادہ کر چکے اور وہ حدیثیں لکھ لکھ کر جمع کرنے لگے تو اکابر تابعینؒ نے کتابت احادیث کی مخالفت کرنی شروع کر دی۔ اور وہ حدیثیں لکھنے اور جمع کرنے کی مخالفت شدید کرنے لگے۔ چونکہ ان منافقین میں کچھ اکابر تابعینؒ کے زمانے میں تھے اس لئے ان کو عام مسلمانوں کو دھوکہ دینے میں آسانی ہوئی کیوں کہ لوگوں نے ان کو بھی تابعی تصور کر لیا حالانکہ وہ عقیدۃً غیر تابعی عملاً منافق تھے اور تابعین و صالحین سے ان کو کوئی واسطہ نہ تھا۔

منافقین عجم کے شرکائے کار کوفہ و بصرہ و مصر و طائف وغیرہ مقامات کے ملاحدہ بھی ہو گئے تھے۔ عبید بن السباق بنی ثقیف کے ایک فرد یا اُن کے موالی تھے اور بنی ثقیف کا تعلق زیادہ تر طائف سے تھا۔ عبید کو اسماء الرجال والے مدنی لکھتے ہیں۔ مگر ان کے مدنی ہونے کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ چونکہ زہری ان سے روایت کرتے ہیں اور زہری کو مدنی مشہور کیا گیا ہے، غالباً اسی لئے ان کو بھی مدنی قرار دے دیا گیا ہے۔ بنی ثقیف کا خاص تعلق مدینہ طیبہ سے کبھی نہیں رہا۔ اور اگر کوئی فرد یا کچھ افراد عہد پاک نبویؐ یا عہد خلفائے راشدینؓ میں مدینہ میں آ بسے بھی ہوں تو ان میں "سباق" نام کا کوئی شخص بھی نہ تھا۔ ان کے دادا پڑدادا کا حال تو مطلق معلوم ہی نہیں۔ ان کے شیوخ میں جن اہل مدینہ کا نام آتا ہے ان سے ان کی بلا واسطہ روایت کا امکان نہیں۔ ان کے تلامذہ میں اسعد بن سہل بن حنیف کا نام لکھتے ہیں مگر یہ ان سے متقدم ہیں اور ان کے شیوخ میں ان کا نام نہیں۔ مذکور نہیں۔ ایک عجیب طرح کی بات بھی ہے کہ جو اکابر صحابہؓ سے روایت کر رہا ہو وہ اپنے سے کم سن کم مرتبہ اور غیر معروف تابعی سے کیوں روایت لینے لگا بلے دے کر ان سے روایت کرنے والے ان کے بیٹے سعید ہیں اور زہری، اور بس۔ باقی لوگ عبید بن السباق کے دادا پڑدادا کی طرح بالکل غیر معلوم الحال ہیں جن کا دنیائے رجال میں کہیں نام و نشان نہیں۔ مزید تفصیل ان کے ترجمہ میں آتی ہے۔

غرض عبید بن السباق اور ان جیسے چند اور ذہین و چالاک ملاحدہ قسم کے لوگ ان منافقین عجم کے شریک کار ہو کر جو جھوٹی متضاد و متخالف روایت حدیثیں بنا بنا کر عامہ مسلمین میں پھیلا رہے تھے۔ اور اکابر تابعینؒ و اصاغر صحابہؓ جو اس وقت زندہ تھے ان کی اشاعت و کتابت کی مخالفت کر رہے تھے، تو ان کو دراصل ان اصاغر صحابہؓ و اکابر تابعین کی تشفی کرنا تو مقصود تھی نہیں، اور نہ یہ کر سکتے تھے مگر عامہ مسلمین جو بیچارے دور دراز مقامات کے رہنے والے اور صحابہؓ کی صحبت سے محروم تھے ان کو دھوکہ دے کر مطمئن کرنے کے لئے ان منافقین و ملاحدہ کی جماعت نے جمع قرآن کا شاخسانہ نکالا اور عوام میں مشہور یہ کرنا شروع کیا کہ قرآن بھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں جمع نہیں ہوا تھا۔ آخر آپؐ کے بعد حضرت صدیق اکبرؓ نے جمع کیا تو جس طرح رسول اللہ صلعم کے بعد قرآن جمع ہوا اسی طرح اگر صحابہؓ کے بعد حدیثیں جمع ہونے لگیں تو

کیا مضائقہ ہے۔ حدیثوں میں آحاد روایتیں سارے ننانوے فی صدی تھیں۔ احاد حدیثوں پر ظنی ہونے کا الزام تھا تو جمع قرآن کے وقت آخر سورہ توبہ کی دو آیتوں کے متعلق یہ گھڑا کہ یہ دو آیتیں صرف خزیمہ یا ابوخزیمہ کے ساتھ ملیں۔ اور پھر سورۂ احزاب کی بھی ایک آیت تو اگر باوجود آحاد ہونے کے یہ آیتیں قطعی ہو سکتی ہیں تو پھر حدیثیں آحاد ہونے کی وجہ سے کیوں ظنی ہو جائیں گی؟ جو لوگ حدیثوں کے پرستار اور روایتوں کے رسیا تھے وہ فوراً جمع قرآن کی ان جھوٹی روایتوں پر ایمان لے آئے۔ اور لگے خود بھی ان منافقین وملاحدہ کے ساتھ ان موضوع حدیثوں کا.. پروپیگنڈا کرنے۔

تو چونکہ جمع قرآن والی حدیث صرف زہری تنہا عبید بن السباق کا اور وہ تنہا زید بن ثابت سے روایت کرتے ہیں اس لئے زہری وعبید کے حالات سے واقفیت ضروری ہے۔ زہری کا حال تو آپ معلوم کر چکے اب عبید بن السباق کو بھی کسی حد تک پہچان لیجئے۔ اس کے بعد جمع قرآن کی حدیث پر بحث وتنقید کی جائیگی۔

عبید بن السباق

یہ تو معلوم ہو گیا کہ یہ ایک مجہول الحال آدمی ہیں۔ ان کے اسلاف کا حال بالکل معلوم نہیں۔ بنی ثقیف کا وطن طائف تھا اس لئے طائفی تھے۔ ان کا ترجمہ طبقات ابن سعد میں صرف ایک سطر کا ہے۔ لکھتے ہیں کہ "مذی" کے بارے میں سہل بن حنیف سے ان کی روایت ہے، اور ابن عباس سے بھی انھوں نے روایت کی ہے"۔ اور بس۔ تعجب یہ ہے کہ ان سے بخاری میں جو جمع قرآن کی روایت زید بن ثابت سے ہے، اس کا ذکر ابن سعد نے مطلق نہیں کیا۔ ابن عباسؓ سے ان کی کسی روایت کا کہیں پتا نہیں ملتا۔ مسند احمد میں بھی جو مسند ابن عباسؓ ہے اس میں ایک حدیث میں بھی عبید بن السباق کا نام نہیں۔ ابن حجر نے بھی ابن سعد کے اتباع میں لکھ دیا ہے کہ یہ ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں۔ ابن عباسؓ کی وفات بقول صحیح ۶۸ھ یا ۶۹ھ میں ہے ابن سباق کی وفات ۶۸ سال کی عمر میں ۱۱۸ھ میں امام بخاری کی تاریخ کبیر میں مذکور ہے جس کو فتح الباری شرح صحیح بخاری کے حاشیہ پر شارح ابوداؤد مولانا شمس الحق محدثؒ نے اپنے قلم مبارک رقم سے نقل فرمایا ہے اس حساب سے عبید بن السباق کی ولادت ۵۰ھ میں ٹھہرتی ہے۔ تاریخ صغیر میں ان کا کوئی ذکر نہیں۔ تذکرۃ الحفاظ میں بھی ان کا تذکرہ نہیں۔ البتہ ب ۱ ص۹۷ میں ترجمہ عبداللہ بن بریدہ ختم کر کے ۱۱۵ھ میں کون کون تابعی زندہ تھے ان کے نام لکھے ہیں جن میں عبید بن السباق کا بھی نام موجود ہے جس سے صرف اسی قدر پتا چلا کہ عبید بن السباق ۱۱۵ھ میں زندہ تھے۔ تو جو شخص ۱۱۵ھ میں زندہ تھا ۱۱۸ھ میں تو ضرور زندہ ہوگا۔ غرض ان کا ذکر فی الجملہ تفصیل کے ساتھ اگر ہے تو صرف تہذیب التہذیب میں۔ مگر یہ سب کے سب سال ولادت ووفات وعمر کا مطلق ذکر نہیں کرتے کہ کہیں ان کے شیوخ کے سال وفات سے ملا کر کوئی یہ پتا نہ لگالے کہ ان میں سے تو کسی سے بھی ان کی روایت بلا کسی واسطہ کے ممکن ہی نہیں۔ حضرت ابن عباسؓ کی وفات کے وقت یہ اٹھارہ یا انیس برس کے تو ہوں گے مگر ابن عباسؓ نے اپنی وفات سے کئی سال پہلے ہی سے روایت حدیث ترک کر دی تھی۔ جیسا کہ ہم نے صحیح مسلم سے ۵۴ھ میں لکھا ہے اس لئے اس کی امید نہیں ہے کہ انھوں نے ابن عباسؓ سے کوئی حدیث سنی ہوگی۔ عبید بن السباق ابن شہاب زہری سے تقریباً دو برس بڑے تھے، ابن شہاب بھی عبداللہ بن عباسؓ سے بلا واسطہ روایت نہیں کرتے۔ باوجود اس کے کہ وہ مرسل روایت کے بے حد خوگر تھے اور ایسے لوگوں سے بھی روایت کرتے تھے جو ان کی ولادت سے پہلے وفات پا چکے تھے جیسا کہ میں نے پہلے لکھا۔ غرض عبید بن السباق کی روایت ابن عباسؓ سے نہ کہیں ملتی ہے اور نہ اس کا کوئی قرینہ ہے مسند احمد میں جو مسند ابن عباس ہے اس میں کوئی حدیث عبید بن السباق سے مروی نہیں۔

ابن حجر نے یہ کمال کیا کہ تہذیب التہذیب ترجمہ عبید بن السباق میں یہ بھی لکھ دیا کہ حضرت اسامہ بن زیدؓ بن حارثہ سے بھی یہ روایت کرتے ہیں۔ حالانکہ ان سے بھی ان کی ایک روایت بھی نہیں ملتی۔ البتہ "اگر پدر نتواند پسر تمام کند" کے مطابق سعید بن عبید بن السباق، محمد بن اسامہ بن زید سے صرف ایک روایت کرتے ہیں جو مسند احمد میں بضمن "حدیث اسامہ بن زید" ۵ ص۲۰۱ میں منقول ہے۔ تو اس میں عبید بن السباق

سلہ ان کی وفات ۵۲ھ یا ۵۸ھ یا ۵۹ھ میں ہے ۷۵ برس کی عمر میں۔ دمشق کے ایک گاؤں منزہ میں جا کر رہ گئے تھے۔ اخیر وقت میں پھر مدینہ آ گئے اور یہیں وفات پائی اور مدفون ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت بیس برس کے تھے بعضوں کے نزدیک اٹھارہ برس کے۔ حسن بصریؒ جو ان سے روایتیں کرتے ہیں، وہ سب مرسل ہیں۔ انھوں نے ایک لفظ بھی ان سے نہیں سنا۔ اور نہ اسامہ نے اپنے والد زیدؓ سے کوئی حدیث سنی۔ اسامہ کی

عہ ۱۵ ستمبر ۱۹۵۱ء کے طلوع اسلام کے ذریعے۔ عہ طلوع اسلام ماہ ستمبر ۱۹۵۱ء

اسامہ کی وفات حضرت معاویہؓ کے زمانے میں (۵۴ھ) ہوئی۔ ۱۲ منہ

صحیح ۵۴ھ میں بقول بعضوں ۵۸ھ میں (اصابہ) اور محمد بن اسامہ کے زمانے میں ۱۰۳ھ میں ہوئی۔ ۱۲ منہ تہذیب التہذیب

اُسامہ اور ابن السباق راوی ہی نہیں ہیں۔ بلکہ عبید بن السباق کے بیٹے سعید راوی ہیں۔ اور وہ اسامہ سے نہیں بلکہ اسامہ کے بیٹے محمد بن اسامہ سے روایت کر رہے ہیں اور محمد بن اسامہ اپنے والد اسامہ بن زید سے روایت کرتے ہیں۔ اس روایت کا عبید بن السباق سے کوئی تعلق نہیں۔ اور اس کے سوا اور کوئی ایسی روایت اسامہ بن زید سے منقول نہیں جس میں عبید بن السباق کا نام بھی آیا ہو۔ ابن حجر نے "سعید بن عبید بن السباق" کا لفظ دیکھ کر دھوکا کھایا اس کے سوا اور کوئی وجہ نہیں۔ اور درحقیقت اسامہ سے عبید کی روایت ممکن بھی نہیں ہے۔ کیونکہ اسامہ بن زید کی وفات پچھتر برس کی عمر میں ۵۴ھ میں ہوئی ہے۔ عبید بن السباق ان کی وفات کے وقت چار سال سے زیادہ کے نہ تھے۔

سہل بن حُنَیف اور ابن السباق البتہ سہل بن حنیف سے عبید بن السباق کی صرف ایک ہی روایت ترمذی و ابوداؤد و احمد وغیرہ میں ہے۔ جو "مذی" کے متعلق ہے وہ یہ کہ سہل بن حنیف نے کہا کہ میں کثرت مذی سے بہت عاجز تھا اور مجھ کو بہت غسل کرنا پڑتا تھا۔ تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ تمہارے لئے وضو کافی ہے۔ میں نے عرض کیا کہ کپڑے پر جو مذی کا اثر آجاتا ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ تمہیں کافی ہے کہ ایک چلو پانی اس پر چھڑک دو جہاں پر مذی لگی ہو۔" اس روایت میں عبید بن السباق متفرد ہیں۔ ان کے سوا اور کوئی بھی اس مفہوم کی روایت کسی سے بھی نہیں کرتا۔ اسی لئے ائمہ احناف و شوافع اور اسحٰق بن راہویہ وغیرہم اکابر فقہاء و محدثین کا فتویٰ اس کے خلاف ہے اور یہ سب لوگ مذی کے باضابطہ دھونے کو ضروری سمجھتے ہیں۔ ایک لیسدار نجاست صرف ایک چلو پانی چھڑک دینے سے دور تو نہ ہوگی بلکہ کچھ دور تک پھیل جائے گی۔ ایسی روایت جو عقل و درایت کے خلاف ہو عبید بن السباق ہی کر سکتے ہیں۔

بہرحال کتابوں میں یہ روایت "عبید بن السباق عن سہل بن حنیف" کر کے ضرور ہے۔ اس لئے ابن حجر نے اگر عبید کے شیوخ میں سہل کا نام لکھ دیا تو ابن حجر پر چنداں الزام نہیں۔ جو شخص صرف ابن سعد کی تقلید میں ابن عباسؓ سے ان کی بلاواسطہ روایت لکھ دے، "سعید بن عبید بن السباق عن محمد بن اسامہ بن زید" دیکھ کر نظر کی چوک سے اسامہ بن زید کو عبید بن السباق کا شیخ بتا دے اگر اس نے ترمذی و ابوداؤد و مسند احمد وغیرہ کی روایت دیکھ کر سہل بن حنیف کو عبید بن السباق کا شیخ لکھ دیا تو کیا مقام تعجب ہے؟

ابن حجر خود سہل بن حنیف کے ترجمے میں ان کی وفات ۳۸ھ میں لکھ رہے ہیں یعنی عبید بن السباق کی ولادت سے تقریباً بارہ برس پہلے سہل کی وفات ہے۔ تعجب ہے کہ ابن حجر نے اس کا خیال نہ کیا۔

ابن السباق اور بعض ام المومنین اسی طرح ابن حجر نے یہ بھی لکھا ہے کہ عبید بن السباق حضرت ام المومنین میمونہؓ اور حضرت ام المومنین جویریہؓ سے بھی روایت کرتے ہیں۔ ام المومنین حضرت جویریہؓ کی وفات ۵۰ھ میں ہے (تہذیب التہذیب ج ۱۲ ص ۴۰۷) اور ام المومنین حضرت میمونہ کی وفات ۵۹ھ (تہذیب التہذیب ج ۱۲ ص ۴۵۳) اس لئے ان کی پیدائش ان دونوں کی وفات کے بعد ہوئی ہو تو عجب نہیں ورنہ شاید حضرت جویریہؓ کی وفات سے دو چار دن یا دو چار ماہ پہلے ہوئی ہو۔ اور فی الواقع بھی ان دونوں امہات المومنین رضی اللہ عنہما سے کوئی روایت بھی عبید بن السباق کی کہیں نظر نہیں آتی۔ شاید کہیں بالواسطہ روایت ہو اور درمیانی واسطہ یہاں بھی سبقت نظر کی نذر ہو گیا ہو۔

بالکل اسی طرح حضرت زینبؓ بنت معاویہؓ زوجہ عبداللہ بن مسعودؓ سے بھی ان کی روایت کا ذکر ابن حجر نے کیا ہے، یہ صحابیہ ہیں۔ عبداللہ بن مسعودؓ سے ان کی دوسری شادی تھی، اس لئے ان کی عمر کم نہیں قرار دی جا سکتی۔ ان سے وہ روایت مروی ہے کہ یہ اپنی ایک ہمنام عورت کے ساتھ جو ان کی ہم مقصد بھی تھیں رسول اللہ صلعم سے پوچھنے گئی تھیں کہ ہم لوگ اپنے شوہر اور (پہلے شوہر سے) یتیم بچوں کو اپنا نکالا ہوا صدقہ (زکوٰۃ) دے سکتے ہیں یا نہیں؟ جس کے جواب میں آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ یہ دوہرا کار خیر ہوگا، ادائے صدقہ (زکوٰۃ) بھی اور ادائے حق قرابت بھی۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی وفات ۳۲ھ یا ۳۳ھ میں ہے۔ ان کی بیوی زینبؓ کی وفات کہیں مذکور نہیں ہے دس پندرہ برس

بعد بھی ہو تو یقیناً عبید بن السباق کی پیدائش سے دو برس پہلے ہی ان کی وفات ہوئی ہوگی۔ پھر یہ ان سے کس طرح روایت کر سکتے ہیں؟ اور ان کی کوئی روایت اُن سے صحاح میں تو نہیں ہے۔

یہی حال زید بن ثابتؓ سے ان کی روایت کا ہے۔ زید بن ثابتؓ سے جمع قرآن بعہد حضرت صدیق اکبرؓ کی روایت تو مسند احمد، نسائی، ترمذی اور بخاری وغیرہ متعدد کتب حدیث میں ضرور ہے۔ اور اس روایت کا خوب ڈھول پیٹا گیا اور پیٹا جاتا ہے۔ خصوصاً جب بخاری میں یہ روایت موجود ہے۔ مگر زید بن ثابتؓ کی وفات خود ابن حجر نے بقول صحیح ۴۵ھ اور بعضوں کے نزدیک ۴۸ھ میں لکھی ہے، اور ۵۱ھ و ۵۵ھ وغیرہ اقوال کو ناقابل اعتبار قرار دیا ہے۔ اس لئے عبید بن السباق، زید بن ثابتؓ کی وفات کے بعد ہی پیدا ہوئے لیکن سب سے زیادہ ضعیف جو قول کو معتبر قرار دے دیجئے تو زید بن ثابتؓ کی وفات کے وقت یہ چار پانچ برس سے زیادہ کے نہیں ہو سکتے ہیں۔ تو ان کی روایت زید بن ثابتؓ سے بلا واسطہ صحیح نہیں ہو سکتی۔

ابن السباق کے سات مروی عنہم

غرض حسب بیان ابن حجر، عبید بن السباق تین عورتوں اور چار مردوں سے روایت کرتے ہیں جن میں صرف سہل بن حنیفؓ اور زید بن ثابتؓ ہی ہیں جن سے صرف ایک ایک روایت انکی صحاح میں ملتی ہے۔ اور دونوں غلط۔ اور باقی پانچ یعنی حضرت ام المومنین میمونہؓ، حضرت ام المومنین جویریہؓ، حضرت زینبؓ زوجہ عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت ابن عباسؓ اور حضرت اسامہ بن زیدؓ سے ان کی ایک روایت بھی نظر نہیں آتی۔ یہ تو ان کے شیوخ کا مرحلہ ہوا۔ اب تلامذہ کا حال سنئے۔

عبید بن السباق کے تلامذہ

ابن حجر اس سلسلے میں ابوامامہ اسعد بن سہل بن حنیف کا نام سب سے پہلے لکھتے ہیں۔ واقعی ان کی شخصیت ہے بھی بہت اہم، مگر تعجب یہ ہے کہ ابوامامہ عمر میں عبید بن السباق سے بہت بڑے تھے۔ خود ایک جلیل القدر صحابی کے صاحبزادے تھے اور اپنے والد ماجد کا کافی وقت پا چکے تھے، چنانچہ یہ اپنے والد ماجد سے اور بعض دوسرے اکابر صحابہؓ سے روایت کرتے ہیں۔ ان کو کون سی ایسی ضرورت پڑی تھی کہ ایک گمنام شخص جس کے دادا پردادا کا نام تک کسی کو معلوم نہیں، جو ایسوں سے ہی روایت کرتا ہو جن کی وفات کے بعد پیدا ہوا ہو یا جن کی وفات کے وقت گھٹنوں کے بل چلتا ہو جس کے پاس جمع قرآن بعہد صدیقی کی جھوٹی روایت اور مذی والی خلاف عقل و درایت حدیث کے سوا کوئی اور حدیث مروی بھی نہیں ہے۔ تو پھر ابوامامہ نے کون سی حدیث عبید بن السباق سے روایت کی؟ اور کہاں روایت کی؟ وہ حدیث کس کتاب میں ہے؟

ابن حجر ان کے تلامذہ میں دو نئے نام اور بھی لکھتے ہیں، یزید بن جعدیہ اور مسلم بن مسلم بن معبد۔ یہ دونوں ایسے مجہول الحال ہیں جنکا دنیائے رجال میں کہیں نام و نشان نہیں۔ نہ امام ذہبی کہیں ذکر کرتے ہیں نہ ابن حجر۔ نہ ابن سعد۔

تو اب لے دے کر ان کے تلامذہ میں صرف دو شخص رہ جاتے ہیں زہری اور خود انھیں کے بیٹے سعید بن عبید بن السباق۔ جمع قرآن والی حدیث تو ان سے زہری روایت کرتے ہیں، اور مذی والی حدیث اُن کے بیٹے سعید۔ اَلَا اِنَّ خیر صلاً بس یہی ہے حقیقت عبید بن السباق کی۔ اور صرف انھیں سے جمع قرآن بعہد صدیقی کی روایت ہے جس کو صرف یہی زید بن ثابتؓ سے روایت کرتے ہیں۔ اور ان سے یکہ تنہا زہری ساری دنیا پر اس کو ایک خبر متواتر کی طرح قطعی ثابت کر دینے میں صرف بخاری کی مدد سے کامیاب ہو لیتے ہیں۔ یہ دنیا ہے کہ اتنی بات پہلی داستاں ہو کر۔

ایک قابل داد دلیری

یہ ہے کہ ابن حجر تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۱۱۱ ترجمہ سعید بن عبید بن السباق میں سعید کے شیوخ میں حضرت ابوہریرہؓ کا نام بھی لکھتے ہیں۔ حالانکہ حضرت ابوہریرہؓ کا سال وفات بقول صحیح حسب تصریح ابن حجر ۵۸ھ ہے۔ یعنی اس وقت عبید بن السباق سات برس کی عمر رکھتے تھے۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کرنے والے ہزاروں عبیدہ کے وقت میں موجود تھے۔ اس لئے یہ خوب جانتے تھے کہ ان کے سال وفات سے عام طور سے لوگ واقف ہیں۔ اس لئے خود عبید اور زہری

کو بھی یہ ہمت نہ پڑی کہ ابوہریرہؓ سے بلا واسطہ روایت کریں۔ ہزاروں آدمی جھٹلانے والے کھڑے ہو جاتے کہ تم نے ان کا وقت کب پایا، مگر "اگر پدر نتواند پسر تمام کند" کے طور سعید بن عبید نے اگر حدثنا ابوھریرۃ کہنا شروع کیا تو سعید کی یہ دلیری ضرور قابل داد ہے۔

تو اب آپ زہری اور زہری کے گرو عبید بن السباق دونوں سے پوری طرح واقف ہو گئے۔ یہی زہری ہیں جن کی روایت اسی عبید بن السباق سے عبدالکریم الدیرعاقولی نے اپنی کتاب الفوائد میں درج کی ہے جس سے ابن حجرؒ نے فتح الباری ج ۹ ص ۴۱ میں نقل فرمائی ہے کہ "رسول اللہ صلعم وفات فرما گئے اور قرآن کسی چیز پر بھی لکھا ہوا نہ تھا" یعنی ہڈی تختی چھال اور کھال ان سب سے بھی انکار ابن حجر یہیں پر یہ بھی لکھتے ہیں کہ عبید بن السباق سے بس یہی ایک روایت جمع قرآن کی بخاری میں ہے جو باب جمع قرآن کے علاوہ کتاب الاحکام وکتاب التوحید وغیرہ مقامات میں بار بار دہرائی گئی ہے۔ اس ایک روایت کے سوا کوئی دوسری روایت ان سے پوری صحیح بخاری میں کہیں نہیں ہے۔ اور نہ صحیح مسلم یا مؤطا میں ان سے کوئی روایت ہے۔ تو زہریؒ عبید بن السباق سے واقف ہو لینے کے بعد اب جمع قرآن کی حدیث پر غور فرمایئے۔

جمع قرآن کی اصل روایت

امام بخاری موسیٰ بن اسمٰعیل سے، وہ ابراہیم بن سعد سے، وہ ابن شہاب زہری سے، وہ عبید بن السباق سے اور وہ زید بن ثابتؓ سے روایت کرتے ہیں کہ ابوبکرؓ نے میرے پاس مقتل اہل یمامہ بھیجا (مطلب یہ ہے کہ اہل یمامہ کے واقعۂ قتل کے بعد میرے پاس مجھے بلانے کے لئے کسی کو بھیجا، تو جب میں ان کے پاس پہنچا) تو عمر بن الخطابؓ انکے پاس تھے۔ ابوبکرؓ نے کہا کہ میرے پاس عمرؓ نے آکر کہا کہ یمامہ کے دن حفاظ قرآن کے قتل کا بازار بہت گرم رہا اور میں ڈرتا ہوں کہ اگر حفاظ کے قتل کا بازار (اسی طرح مختلف) مقامات میں گرم رہا تو قرآن کا بہت حصہ جاتا رہے گا۔ اس لئے میں مناسب سمجھتا ہوں کہ تم قرآن کو جمع کر ڈالو۔

---

[1] ابن حجر مقدمہ فتح الباری میں خود تصریح کرتے ہیں کہ ثم استخرج ثانیا . . . . من امہات المسانید والجوامع والمستخرجات والاجزاء والفوائد بشرط الصحۃ او الحسن فیما اوردہ من ذلک۔ یعنی پھر میں مسانید اور جوامع وغیرہ سے ان احادیث کو نقل کروں گا جو صحیح ہوں گی یا حسن (رسالہ اہل حدیث امرتسر ۲۱ فروری ۱۹۴۷ء صفحہ ۹ مضمون مولوی ابوالقاسم البنارسی بجواب مولوی عبداللطیف الفارسی ثم البنگلوری) ابن حجر کی تصریح اور مولوی ابوالقاسم صاحب کے اس سے استدلال سے یہ ثابت ہو گیا کہ ابن حجر نے فتح الباری میں جو حدیثیں پیش کی ہیں وہ ان کے نزدیک صحیح یا حسن تھیں اور علمائے اہل حدیث کے نزدیک بھی فتح الباری میں پیش کی ہوئیں حدیثیں مستند ہیں ۱۲ منہ غفرلہ

[2] اسمائے صحابہ شہدائے جنگ یمامہ تاریخ کامل ابن اثیر جزری صفحہ ۱۷۷ سے صفحہ ۱۷۸ تک صحابہ شہدائے جنگ یمامہ کے نام لکھے ہیں جو حسب ذیل ہیں۔

عباد[1] بن بشیر الانصاری البدری۔ عباد[2] بن الحرث الانصاری الاحدی۔ عمیر[3] بن اوس بن عتیک الانصاری الاحدی۔ عمارہ[4] بن حزم الانصاری البدری۔ عاصم[5] بن ثابت بن سلمہ الانصاری۔ علی[6] بن عبیداللہ بن الحرث بن عامر بن مولے۔ عاصم[7] بن ماعص الانصاری۔ فروۃ[8] بن النعمان الانصاری الاحدی۔ قیس[9] بن الحرث بن عدی الانصاری۔ یعنی ترا بن عازب کے چچا۔ سعد[10] بن حماز الانصاری الاحدی۔ ابودجانۃ[11] الانصاری البدری۔۔ سلمہ[12] بن مسعود بن سنان الانصاری۔ سائب[13] بن عثمان بن مظعون الجمحی مہاجر حبشہ بدری۔ سائب[14] بن العوام۔ حضرت زبیر کے علاتی بھائی۔ طفیل[15] بن عمرو الدوسی۔ زہرا[16] بن قیس الانصاری۔ مالک[17] بن عمرو السلمی حلیف بنی عبد شمس البدری۔ مسعود[18] بن سنان الاسود حلیف بنی غانم احدی۔ مالک[19] بن امیۃ السلمی۔ مالک[20] بن عوس بن عتیک الانصاری الاحدی۔ معن[21] بن عدی بن الجد البلوی حلیف الانصاری البدری۔ نعمان[22] بن عصر بن الربیع البلوی البدری۔ (و "عصر" بکسر العین وسکون الصاد وقیل بفتحہا) صفوان[23] بن عمرو السلمی البدری۔ مالک بن عمرو السلمی البدری۔ ضمرا[24] بن الانصار الاسدی۔ عبداللہ[25] بن الحرث بن قیس بن عدی السہمی۔ عبید[26] بن مخرم بن عبدالعزیٰ العامری البدری۔ عبداللہ[27] بن عبداللہ بن ابی بن سلول البدری۔ عبداللہ[28] بن عتیک الانصاری البدری۔ تجاع[29] بن ابی وہب الانصاری البدری۔ ھرمی[30] بن عبداللہ المطلبی القرشی۔ جنادۃ[31] بن عبداللہ المطلبی القرشی۔ ومعبد[32] بن عباد بن شمس بن المغیرہ المخزومی حضرت خالد کے چچیرے بھائی۔ وثقف[33] بن ایاس بن عمرو الانصاری البدری۔ یزید[34] بن اوس حلیف بن عبدالدار۔ ابوحبتہ[35] بن غزیہ الانصاری الاحدی۔ ابوعقیل البلوی حلیف الانصاری۔ بدری۔ باقی حاشیہ بر صفحہ آئندہ

(ابوبکرؓ نے کہا کہ) میں نے عمرؓ سے کہا کہ تم ایسا کام کس طرح کرو گے جس کو رسول اللہ صلعم نے نہیں کیا؟ عمرؓ نے کہا کہ بخدا یہ کار خیر ہے۔ (اس کے لئے) عمرؓ بار بار میرے پاس آتے رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے میری شرح صدر اس کے لئے کر دی۔ اور میں بھی وہی مناسب سمجھا جو عمرؓ سمجھ رہے تھے۔ زیدؓ نے کہا کہ ابوبکرؓ نے (مجھ سے) کہا کہ تم ایک جوان آدمی ہو، عاقل ہو تم پر ہم لوگ (کسی طرح کی) تہمت نہیں پاتے اور تم رسول اللہ صلعم کے لئے وحی لکھا کرتے تھے، تو قرآن (کے حصوں) کو تلاش کرو اور اس کو جمع کرو (زید کہتے ہیں) خدا کی قسم اگر یہ لوگ مجھ کو پہاڑوں میں سے کسی پہاڑ کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانے کی تکلیف دیتے تو جس جمع قرآن کے کام پر مجھے مامور کیا اس سے زیادہ میرے لئے گراں نہ ہوتا۔ (پھر زید کہتے ہیں کہ) میں نے (ابوبکرؓ و عمرؓ سے) کہا تم لوگ ایسا کام کس طرح کرو گے جس کو رسول اللہ صلعم نے نہیں کیا ہے؟ (ابوبکرؓ نے) کہا کہ خدا کی قسم یہ کار خیر ہے۔ پھر ابوبکرؓ مجھ سے بار بار کہتے رہے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے میری شرح صدر اس کام کے لئے کر دی جسکے لئے ابوبکرؓ و عمرؓ کی شرح صدر اس نے کر دی تھی۔ تو میں قرآن (کے حصوں) کو ڈھونڈنے لگا اور جمع کرنے لگا لکڑی کی چپلیوں اور ٹھیکریوں سے اور لوگوں کے سینوں سے یہاں تک آخر سورہ توبہ (کی دو آیتوں) کو ابوخزیمہ انصاری کے ساتھ پایا، اور کسی کے ساتھ اس کو نہیں پایا۔ لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ خاتمہ سورہ برأۃ تک۔ تو یہ (جمع کردہ) صحیفے ابوبکرؓ کے پاس ان کی زندگی تک رہے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو وفات دی۔ پھر عمرؓ کے پاس ان کی زندگی تک رہے پھر (ام المومنین) حضرت حفصہؓ بنت عمرؓ کے پاس رہے۔ (باب جمع القرآن بخاری)۔ اس حدیث کی اصل متن حسب ذیل ہے:-

اصل حدیث جمع قرآن بعہد صدیق اکبرؓ باب جمع قرآن بخاری

حدثنا موسی بن اسمعیل عن ابراھیم بن سعد قال حدثنا ابن شھاب عن عبید بن السباق ان زید بن ثابت قال ارسل الی ابوبکر مقتل اھل الیمامۃ فاذا عمر بن الخطاب عندہ۔ قال ابوبکر ان عمر اتانی فقال ان القتل قد استحر یوم الیمامۃ بقرّاء القرآن وانی اخشی ان استحر القتل بالقراء بالمواطن فیذھب کثیر من القرآن وانی اری ان تامر بجمع القرآن قلت لعمر کیف تفعل شیئا لم یفعلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال عمر ھذا واللہ خیر۔ فلم یزل یراجعنی حتی شرح اللہ صدری لذلک ورأیت فی ذلک الذی رأی عمر۔ قال زید قال ابوبکر انک رجل شاب عاقل لا نتھمک وقد کنت تکتب الوحی لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتتبع القرآن فاجمعہ فواللہ لو کلفونی نقل جبل من الجبال ما کان اثقل علی مما امرنی بہ من جمع القرآن قال قلت کیف تفعلون شیئا لم یفعلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ھو واللہ خیر فلم یزل ابوبکر یراجعنی حتی شرح اللہ صدری للذی شرح لہ صدر ابی بکر وعمر فتتبعت القرآن اجمعہ من العسب واللخاف وصدور الرجال حتی وجدت آخر

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ ابوقیس[۳۸] بن الحرث بن قیس بن عدی السہمی مہاجر حبشہ اُحدی۔ یزید[۳۹] بن ثابت الانصاری۔ زید بن ثابتؓ کے بھائی غرض ایک کم چالیس صحابہ کے نام ابن اثیر نے شہدائے جنگ یمامہ میں نقل کئے ہیں۔ اور ان میں سے کوئی ایسا نہ تھا جس کی مہارت یا کتابت قرآن دوسرے صحابہ سے ممتاز ہو۔ جن کی مہارت فی القرآن کا ذکر حدیثوں میں ہے۔ جن کے بارے میں رسول اللہ صلعم نے دوسروں کو قرآن سیکھنے کا حکم فرمایا۔ ان میں سے ان شہداء میں کوئی بھی نہیں ہے۔ اس لئے کوئی وجہ نہیں ہے کہ ان انتالیس صحابہ کی شہادت سے یہ خطرہ ہو کہ قرآن دنیا سے مفقود ہو جائیگا۔

استیعاب میں حضرت رباح بن الربیع حنظلۃ الکاتب کے بھائی کے بارے میں بھی لکھا ہے کہ وہ بھی جنگ یمامہ میں شہید ہوئے تھے۔ ان کے نام میں اختلاف ہے کوئی رباح بائے حطی سے کہتا ہے کوئی ریاح بائے ابجد سے۔ اگر بائے حطی ہی صحیح ہے تو ان کے سوا اور کسی صحابی کا نام رباح بائے حطی سے نہیں ہے۔ ممکن ہے کہ استیعاب کو بالاستیعاب دیکھا جائے تو چند نام اور بھی شہدائے جنگ یمامہ میں صحابہ کے نکل آئیں۔ اس لئے انتالیس[۳۹] نہیں چالیس سہی۔ چالیس نہیں پچاس بلکہ پورے سو سہی اتنے قرآن دانوں اور قرآن خوانوں کی شہادت سے قرآن کے مفقود و معدوم ہو جانے کا خطرہ بعید از عقل و ہوش ہے۔

سورۃ التوبۃ مع ابی خزیمۃ الانصاری لم اجد ھا مع احد غیرہ لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حتی خاتمۃ براءۃ فکانت الصحف عند ابی بکر حتی توفاہ اللہ ثم عند عمر حیاتہ ثم عند حفصۃ بنت عمر۔ یہی حدیث ذرا ذرا سے اختلافِ الفاظ تن کے ساتھ کتاب التفسیر میں بضمن تفسیر سورۂ توبہ بھی مذکور ہے جس میں امام بخاری ابوالیمان سے اور وہ شعیب (کاتب الزہری) سے اور وہ زہری سے روایت کر رہے ہیں اور زہری عبید بن السباق سے، وہ زید بن ثابت سے، جو حسب ذیل ہے (ترجمہ وہی سابق ہی کافی ہے)۔

حدیث جمع قرآن کتاب التفسیر بخاری

حدثنا ابوالیمان قال اخبرنا شعیب عن الزھری قال اخبرنی ابن السباق ان زید بن ثابت الانصاری وکان ممن یکتب الوحی قال ارسل الی ابوبکر مقتل اھل الیمامہ وعندہ عمر فقال ابوبکر ان عمر اتانی فقال ان القتل قد استحر یوم الیمامۃ بالناس وانی اخشی ان یستحر القتل بالقراء فی المواطن فیذھب کثیر من القرآن الا ان تجمعوہ وانی لاری ان تجمع القرآن قال ابوبکر قلت لعمر کیف افعل شیئا لم یفعلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال عمر ھو واللہ خیر فلم یزل عمر یراجعنی فیہ حتی شرح اللہ لذلک صدری ورایت الذی رای عمر قال زید بن ثابت وعمر عندہ جالس لا یتکلم فقال ابوبکر انک رجل شاب عاقل ولا نتھمک کنت تکتب الوحی لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتتبع القرآن فاجمعہ فواللہ لو کلفنی نقل جبل من الجبال ما کان اثقل علی مما امرنی بہ من جمع القرآن قلت کیف تفعلان شیئا لم یفعلہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال ابوبکر ھو واللہ خیر فلم ازل اراجعہ حتی شرح اللہ صدری للذی شرح اللہ لہ صدر ابی بکر وعمر فقمت فتتبعت القرآن اجمعہ من الرقاع والاکتاف والعسب وصدور الرجال حتی وجدت من سورۃ التوبۃ آیتین مع خزیمۃ الانصاری لم اجد ھما مع احد غیرہ لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ الی اٰخرھما وکانت الصحف التی جمع فیھا القرآن عند ابی بکر حتی توفاہ اللہ ثم عند عمر حتی توفاہ اللہ ثم عند حفصۃ بنت عمر۔ تابعہ عثمان بن عمر و واللیث عن یونس عن ابن شھاب وقال اللیث حدثنی عبد الرحمٰن بن خالد عن ابن شھاب وقال مع ابی خزیمۃ الانصاری وقال موسیٰ عن ابراھیم حدثنا ابن شھاب مع خزیمۃ وتابعہ یعقوب بن ابراھیم عن ابیہ وقال ابوثابت حدثنا ابراھیم وقال مع خزیمۃ او ابی خزیمۃ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ۔ امام بخاریؒ نے متابعتوں کی تصریح صرف اسی جگہ کی ہے۔ ترجمۂ حدیث تو وہی سمجھئے جو اوپر گذرا۔ متابعات کا ترجمہ حاشیہ میں دیکھئے۔ [1]

پھر کتاب الاحکام ص ۱۰۶۷ ج ۲ میں اسی حدیث کو امام بخاری محمد بن عبید اللہ ابوثابت سے وہ ابراہیم بن سعد سے وہ ابن شہاب زہری سے روایت کرتے ہیں اور وہ عبید بن السباق سے وہ زید بن ثابت سے۔ جو یوں ہے:۔ (یہاں بھی ترجمہ کی ضرورت نہیں، وہی پہلا ترجمہ کافی ہے)۔

حدیث جمع قرآن اور کتاب الاحکام بخاری

حدثنا محمد بن عبید اللہ ابوثابت حدثنا ابراھیم بن سعد عن ابن شھاب عن عبید بن السباق عن زید بن ثابت قال بعث الی ابوبکر لمقتل اھل الیمامہ وعندہ عمر فقال ابوبکر ان عمر اتانی فقال ان القتل قد استحر یوم الیمامۃ بقراء القرآن وانی اخشی ان یستحر القتل بقراء القرآن فی المواطن کلھا فیذھب قرآن کثیر وانی اری ان تامر بجمع القرآن قلت کیف افعل شیئا لم یفعلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال عمر ھو واللہ خیر فلم یزل عمر یراجعنی فی ذلک حتی شرح اللہ صدری

---

[1] یعنی اس (خزیمہ والی حدیث) کی متابعت عثمان بن عمر و اور لیث نے کی ہے جس کو یہ دونوں یونس اور ابن شہاب سے روایت کرتے ہیں۔ اور لیث نے کہا کہ مجھ سے عبد الرحمٰن بن خالد نے ابن شہاب سے مع ابی خزیمۃ الانصاری کی روایت کی ہے اور موسیٰ نے ابراہیم سے انھوں نے ابن شہاب سے مع ابی خزیمۃ کہا (یعنی باب جمع القرآن والی روایت) اور اس کی متابعت یعقوب نے ابراہیم سے بھی کی ہے جس کو وہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں۔ اور ابوثابت نے کہا کہ ہم سے ابراہیم نے حدیث بیان کی اور کہا مع خزیمۃ او ابی خزیمۃ۔ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ۝ یعنی آخر سورۂ براءۃ کی صرف ایک ہی آیت۔ ۱۲ منہ غفرلہ

للذی شرح له صدر عمر ورایت فی ذلك الذی رای عمر قال زید قال ابوبکر وانك رجل شاب عاقل لا نتهمك قد کنت تکتب الوحی لرسول الله ﷺ فتتبع القرآن واجمعه قال زید فوالله لو کلفنی نقل جبل من الجبال ما کان باثقل علی مما کلفنی من جمع القرآن قلت کیف تفعلان شیئا لم یفعله رسول الله صلی الله علیه وسلم قال ابوبکر هو والله خیر فلم یزل یحب مراجعتی حتی شرح الله صدری للذی شرح له صدر ابی بکر وعمر ورایت فی ذلك الذی رأیا فتتبعت القرآن اجمعه من العسب والرقاع واللخاف وصدور الرجال فوجدت آخر سورة التوبة لقد جاءکم رسول من انفسکم الی آخرها مع خزیمة او ابی خزیمة فالحقتها فی سورتها وکانت الصحف عند ابی بکر حیاته حتی توفاه الله ثم عند عمر حیاته حتی توفاه الله ثم عند حفصة بنت عمر قال محمد بن عبید الله اللخاف یعنی الخزف۔

ان حدیثوں کو ملاکر دیکھئے تو تین حدیثوں میں الفاظ کے متعدد اختلاف نظر آئیں گے۔ جن میں بعض اہم بھی ہیں۔ مگر اختلافوں سے قطع نظر بھی کرلیا جائے تو یہ فرق ضرور بیحد قابل غور ہے کہ کتاب التفسیر کی حدیث جس کو امام بخاری موسیٰ بن اسمٰعیل سے وہ ابراہیم بن سعد سے اور وہ زہری سے روایت کررہے ہیں۔ اس میں آخر سورۂ توبہ کی دو آیتوں کے ملنے کا ذکر ابوخزیمہ انصاری کے ساتھ ہے۔ اور کتاب التفسیر میں ہے یہی حدیث جس کو امام بخاری ابوالیمان سے وہ شعیب (کاتب الزہری) سے وہ زہری سے روایت کرتے ہیں مگر اس میں آخر سورہ توبہ کی ان دو آیتوں کے ملنے کا مذکور خزیمہ انصاری کے ساتھ ہے۔ اور کتاب الاحکام میں جو پھر یہی حدیث امام بخاری ابوثابت محمد بن عبید اللہ سے وہ انھیں ابراہیم بن سعد سے روایت کرتے ہیں جن سے باب جمع القرآن والی حدیث کو موسیٰ بن اسمٰعیل نے روایت کیا تھا اور یہ ابراہیم یہاں بھی زہری ہی سے روایت کررہے ہیں تو اس میں آخر سورۂ توبہ کی صرف ایک ہی آیت کے ملنے کا ذکر ہے اور وہ بھی خزیمہ یا ابوخزیمہ کے ساتھ معلوم نہیں یہ شک اس حدیث میں ابوثابت کی طرف سے ہے یا ابراہیم بن سعد کی طرف سے یا زہری کی طرف سے، واللہ اعلم۔ دوسرا اہم فرق یہ ہے کہ اس آخری حدیث میں ایک ٹکڑا ایسا ہے جو پہلی دونوں حدیثوں میں نہیں ہے۔ یعنی فالحقتها فی سورتها (تو میں نے آخر سورہ توبہ کی اس آیت کو اس کے سورہ میں لگادیا۔

۱؎ (صفحہ ۲۸ کتاب التفسیر والی روایت، جو اس سے پہلے آپ نے ملاحظہ فرمائی) ہمیں متابعتوں کی جو تفصیل مذکور ہے اس کو پیش نظر رکھتے ہوئے جب ان ... متابعتوں کی روایتوں کو ملاکر آپ دیکھیں گے تو دو جگہ نہایت واضح اختلاف پائیں گے۔ ایک تو اسی کتاب الاحکام والی حدیث میں، اور دوسری باب کتاب النبی میں۔ کتاب الاحکام والی حدیث میں دو دو اختلافات ہیں۔ ایک تو یہ کہ متابعت میں مذکور ہے کہ ابوثابت ابراہیم سے اور وہ زہری سے جو روایت کرتے ہیں تو آخر سورہ توبہ کی صرف ایک آیت فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ کے خزیمہ یا ابوخزیمہ کے ساتھ پائے جانے کی۔ اور یہاں دوسری روایتوں کی طرح دونوں آیتوں کے بارے میں ہے یعنی لقد جاءکم سے آخر تک دوسرے یہ کہ اس روایت میں ایک اضافہ ایسا ہے جو کسی دوسری روایت میں کہیں نہیں۔ وہ فالحقتها فی سورتها کا ٹکڑا ہے۔

اور باب کاتب النبی میں لیث کی روایت یونس سے اور یونس کی زہری سے، متابعت میں تو مع ابی خزیمۃ کی ہے، اور یہاں مع ابی خزیمۃ کی اس سے صاف ظاہر ہے کہ امام بخاری کی تصریح متابعت کے خلاف بعد والوں نے ان حدیثوں میں ترمیم و تنسیخ کی ہے۔

اور یہ جو فالحقتها فی سورتها کا اضافہ اس آیت میں ہے یہ صاف بتا رہا ہے کہ زید بن ثابتؓ اور دوسرے صحابہؓ اور وہ خزیمہ یا ابوخزیمہ جو بھی ہوں یہ سب ان دونوں آیتوں کے بارے میں خوب جانتے تھے کہ یہ دونوں آیتیں آخر سورہ توبہ کی ہیں اور اپنے علم و واقفیت کے مطابق انھوں نے ان آیتوں کو ان کی محل پر لگادیا۔ تو وہ روایت کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا اگر تین آیتیں ہوتیں ہم ان کو ایک سورہ قرار دیدیتے، مگر چونکہ دو ہی آیتیں اس لئے انکو کسی سورہ کے آخر میں رکھ دو" کس قدر غلط اور حضرت فاروق اعظمؓ پر کیسا ناروا بہتان ہے۔ جیسے صحابہ اپنے اختیار سے جس آیت کو جہاں مناسب سمجھتے تھے رکھ دیتے تھے۔ اس روایت میں جو الحقتها فی سورتها کا لفظ ہے، یعنی زید بن ثابتؓ کہتے ہیں کہ جب یہ آیت ابوخزیمہ کے پاس ملی تو ہم نے اس کو اس کی جگہ پر اس کی سورۃ میں لگادیا اور رکھدیا۔ جس سے صاف ظاہر ہے کہ زیدؓ کو اس آیت کی جگہ پہلے سے معلوم تھی۔ اور وہ جانتے تھے کہ یہ آیت سورہ توبہ کے آخر کی ہے اس لئے انھوں نے سورہ توبہ کے آخر میں لگایا، اسلئے وہ حضرت فاروق اعظمؓ پر بہتان والی روایت یقیناً غلط اور حضرت فاروق اعظمؓ پر سفید بہتان ہے۔ اور یقیناً یہ افترا کسی شیعے کا ہے جس نے فاروق اعظم پر بہتان لگایا اور قرآن مجید کو بھی مشتبہ کرنیکی ناپاک کوشش کی۔ إن الذين يلحدون في آياتنا لا يخفون علينا۔

۲؎ یہ اضافہ صرف اسی روایت میں ہے۔

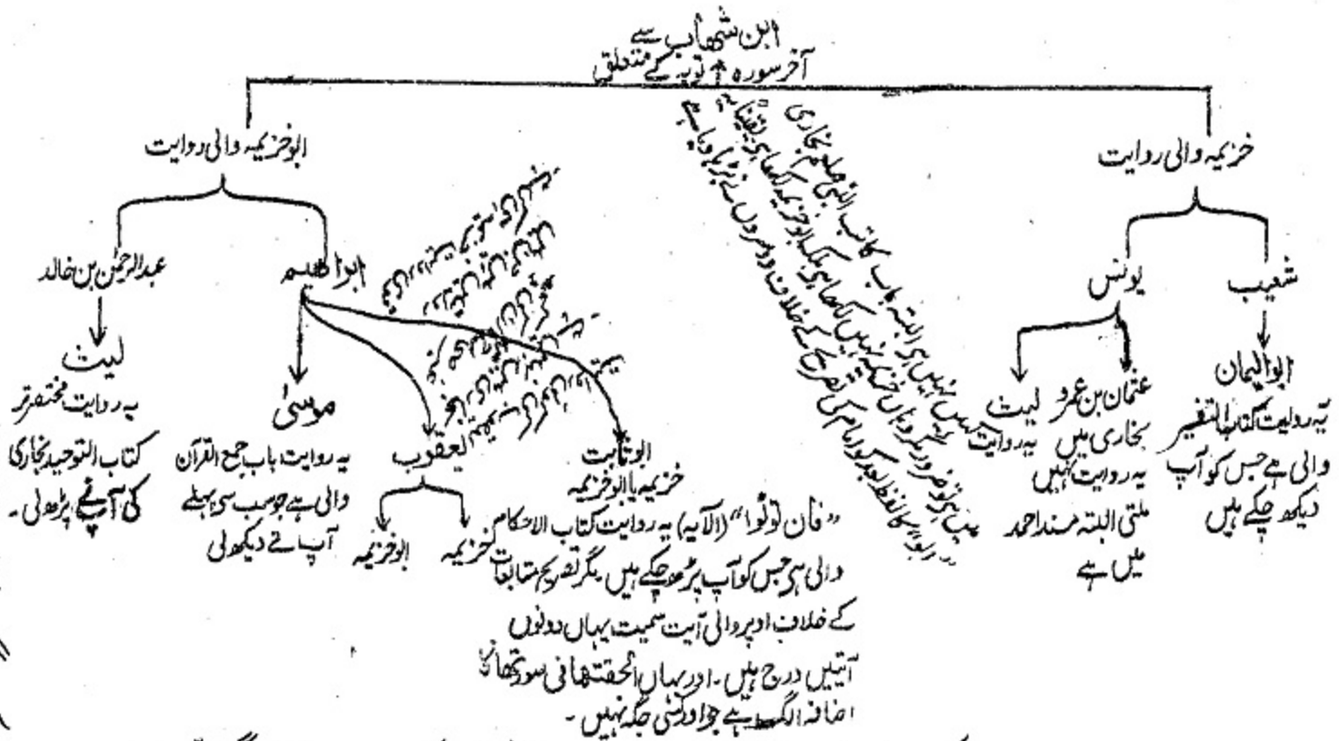
حدیث جمع قرآن از باب کاتب النبی بخاری

ان تین مقامات میں تو یہ حدیث کچھ فرق الفاظ رکھتے ہوئے مگر ایک ہی انداز بیان میں اور ایک ہی عنوان کی تفصیل کے ساتھ لائی گئی ہے لیکن محض مختصر طور سے دو جگہ اور بھی مذکور ہے۔ ایک تو بخاری ص۷۴۶ ج۲ باب کاتب النبی صلعم میں یوں ہے:۔ حدثنا یحیی بن بکیر قال حدثنا اللیث عن یونس عن ابن شہاب ان ابن السباق قال۔ ان زید بن ثابت قال ارسل الی ابوبکر فقال انک کنت تکتب الوحی لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاتبع القرآن۔ فتتبعت حتی وجدت آخر سورۃ التوبۃ ایتین مع ابی خزیمۃ الانصاری لم اجدھا مع غیرہ لقد جاءکم الی آخرہ۔ یعنی یحیی بن بکیر لیث سے، وہ یونس سے، وہ ابن شہاب سے روایت کرتے ہیں کہ ابن السباق نے کہا کہ زید بن ثابتؓ نے بیان کیا کہ میرے پاس ابوبکرؓ نے بھیجا تو کہا کہ تم لکھتے تھے وحی رسول اللہ صلعم کے لئے تو ڈھونڈھو قرآن کو، تو میں ڈھونڈھنے لگا یہاں تک کہ میں نے پایا آخر سورہ توبہ کی دو آیتوں کو ابوخزیمہ انصاری کے ساتھ۔ نہیں پایا میں نے ان کو ان کے سوا کسی کے بھی ساتھ لقد جاءکم آخر تک۔

اور دوسری جگہ کتاب التوحید ج۲، ص۱۱۰۴ میں جو یوں ہے: حدثنا موسی عن ابراھیم قال حدثنا ابن شہاب عن عبید بن السباق ان زید بن ثابت حدثہ۔ ح وقال اللیث حدثنی عبد الرحمن بن خالد عن ابن شہاب عن ابن السباق ان زید بن ثابت حدثہ۔ قال ارسل الی ابوبکر فتتبعت القرآن حتی وجدت آخر سورۃ التوبۃ مع ابی خزیمۃ الانصاری لم اجدھا مع احد غیرہ لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِنْ أَنفُسِكُمْ حتی خاتمۃ براءۃ یعنی امام بخاری موسیٰ (بن اسمٰعیل) سے، وہ ابراہیم (بن سعد) سے۔ وہ ابن شہاب زہری سے اور وہ عبید بن السباق سے روایت کرتے ہیں۔ اور پھر اسی حدیث کا دوسرا طریق روایت یہ ہے کہ امام بخاری لیث سے وہ عبدالرحمٰن بن خالد سے، اور وہ ابن شہاب زہری سے اور پھر وہ عبید بن السباق سے روایت کرتے ہیں کہ زید بن ثابتؓ نے ان سے بیان کیا کہ "میرے پاس ابوبکر نے بھیجا تو میں قرآن ڈھونڈھنے لگا یہاں تک کہ میں نے آخر سورہ توبہ کو ابوخزیمہ انصاری کے ساتھ پایا۔ ان کے سوا کسی دوسرے کے پاس نہیں پایا۔ لقد جاءکم رسول من انفسکم خاتمہ براءۃ تک"۔ یہ روایت پہلی مختصر روایت سے بھی مختصر تر ہے۔ اور اس قدر مختصر کہ معمّی ہو کر رہ گئی۔ جس کی نظر ان روایتوں پر نہ ہو وہ اس حدیث کا صحیح مطلب تک نہیں سمجھ سکتا۔ یہ دونوں مختصر روایتیں اپنی ہیأت کذائیہ کی زبان سے صاف صاف خود ظاہر کر رہی ہیں کہ یہ دونوں روایتیں در اصل اس لئے بنائی گئی ہیں کہ پہلی تینوں مفصل روایتوں کے باہمی اختلافات کا فیصلہ کر دیں اور یہ معلوم ہو جائے کہ باب جمع القرآن والی حدیث کے مطابق آخر سورہ براءۃ کی دو آیتوں کا

خزیمہ یا ابوخزیمہ

ابوخزیمہ انصاری ہی کے ساتھ ملنا صحیح ہے اس لئے کہ یہ دو مختصر روایتیں بھی اس کی تائید کر رہی ہیں۔ کتاب الاحکام میں جو شک خزیمہ یا ابوخزیمہ کا راوی کو ہو گیا ہے اس کا تصفیہ بھی ان دونوں حدیثوں ہی سے ہو جائے گا، اس کے بعد پھر تین تین روایتیں اور تحویل یعنی آخری روایت کے طریق ثانی کو بھی ملا لیجئے تو چار روایتوں سے ابوخزیمہ والی روایت کی بظاہر تائید ہو جاتی ہے۔ پھر تو صرف ایک ہی روایت خزیمہ کی رہ جائے گی جس کو راوی کی غلطی یا بھول چوک پر محمول کیا جا سکتا ہے کہ راوی نے ابوخزیمہ کو خزیمہ کہہ دیا۔ اسی لئے امام بخاری نے متابعتوں کی تصریح نہ باب جمع القرآن والی حدیث کے بعد کی نہ کتاب الاحکام والی حدیث کے بعد، بلکہ کتاب التفسیر ہی والی حدیث کے بعد تمام متابعتوں کی تصریح اس طرح فرمائی کہ غور کرنے والے کو "ابوخزیمہ" ہی والی روایت کی صحت کا یقین ہو جائے۔ ان متابعتوں کو اب ہم ایک نقشہ بنا کر اس طرح سمجھا دیتے ہیں۔ اس نقشے کو کتاب التفسیر والی حدیث سے ملا کر دیکھئے جہاں تصریح متابعات ہے



مسند احمد میں بعض متابعات

ابن حجر لکھتے ہیں کہ عثمان بن عمر کی متابعت مسند احمد و اسحٰق میں مذکور ہے۔ ہے تو ضرور مگر ناقص یعنی اس میں خزیمہ یا ابوخزیمہ کسی کا ذکر ہی نہیں، نہ آخر سورہ توبہ کا کوئی تذکرہ۔ یہ روایت ہی مقتضب ہے، دیکھئے مسند احمد ج ۱ ص ۱۳ حدثنا عبداللہ حدثنی ابی ثنا عثمان بن عمر قال اخبرنا یونس عن الزھری قال اخبرنی ابن السباق قال اخبرنی

لہ ماہنامہ البیان لاہور بابت جنوری ۱۹۵۶ء میں میرا ایک مضمون "نظر" کے اصطلاحی معنی" کے عنوان سے چھپا تھا جس پر لمبی لمبی دو دو تنقیدیں اخبار الاعتصام گوجرانوالہ (مسلک اہل حدیث کے ترجمان) میں باقساط چھپی تھیں۔ پہلی تنقید تو بڑی طویل و عریض شیخ الحدیث مولانا محمد اسمٰعیل صاحب خطیب جامع گوجرانوالہ کی ۳ر۱۰ر۱۷ر۲۴ اور ۳۱ر مارچ ۵۶ء کے پانچ نمبروں میں لمبے چوڑے ساڑھے دس صفحوں پر چھپی جس کا تعلق میرے اصل مضمون سے تھا۔ میں نے اس کا جواب ماقلّ ودلّ البیان میں اشاعت کے لئے بھیجدیا تھا۔ البیان کا ادارہ بدل گیا۔ مگر امید ہے کہ عنقریب وہ جواب چھپ جائے انشاء اللہ تعالیٰ

لہ البیان کے مذکورہ بالا مضمون کی اسی قسط میں میرا وہ مضمون بھی ہے جس کے متعلق یہ لکھا تھا کہ اس کے جواب کے لئے ماہنامہ البیان کے دروازے کھلے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

میرے اس مضمون میں جمع قرآن کی حدیث کا بھی ذکر ضمناً آگیا تھا جس میں میں نے لکھا تھا کہ صحاح میں جمع قرآن بعہد صدیقی کی روایت صرف زہری صرف عبید بن السباق سے عبید صرف زید بن ثابت سے کر رہے ہے اس لئے یہ روایت آحاد در آحاد در آحاد ہے۔

میرے اسی حصہ مضمون کی تنقید مولانا ابو محمد عبداللہ بن عنایت اللہ صاحب لائل پوری نے اسی اخبار الاعتصام مورخہ ۲۱ر۲۸ر اپریل ۵۶ء کے طویل و عریض پونے چار صفحوں پر شائع کی ہے۔ میں نے اس کے جواب کی ضرورت محسوس نہیں کی تین وجہوں سے لہ مولانا لائل پوری کا لب ولہجہ تیز ہے۔ اس لئے خموشی ہی بہتر نظر آئی ۲ تنقید میں کھلی ہوئی ہٹ دھرمی سے کام لیا گیا ہے، اور دھوکا دیا گیا ہے۔ اور ہٹ دھرمی کا جواب سکوت سے بہتر نہیں ہو سکتا۔ ۳ اہل علم پر مولانا لائل پوری کا دجل نہیں چل سکتا۔ وہ خود تنقید کی نوعیت کو سمجھ لیں گے۔ اب جب کہ یہ صحاح کی تمام احادیث جمع قرآن کی تنقید شائع ہو رہی ہے تو اس سے بڑھ کر مولانا لائل پوری کا اور کیا جواب ہو سکتا ہے فبای حدیث بعدہٗ یومنون

مولانا لائل پوری نے دھوکا یہ دیا ہے کہ فرماتے ہیں کہ زہری صرف عبید بن السباق ہی سے نہیں بلکہ خارجہ بن زید سے بھی روایت کر رہے ہیں۔ اسلئے زید بن ثابت سے روایت کرنے والے صرف عبید بن السباق ہی نہیں ہیں بلکہ خارجہ بن زید بھی ہیں۔ اور اس کے ثبوت میں فتح الباری ج ۶ ص ۱۸ کا حوالہ دیا ہے۔ حالانکہ خارجہ بن زید سے صرف آیت سورہ احزاب کے نہ ملنے اور پھر خزیمہ بن ثابت الانصاری کے ساتھ پائے جانے کی روایت ہے جو حدیث نقل مصاحف بعہد عثمانی کے بعد بخاری میں مذکور ہے۔ اس کا اس روایت میں کوئی ذکر نہیں کہ سورہ احزاب والی آیت کا واقعہ جمع صدیقی کے وقت کا ہے یا نقل مصاحف بعہد عثمانی کے موقع کا؟ نہ خارجہ کی کسی روایت کا جو صحاح میں مذکور ہے جمع صدیقی یا نقل مصاحف بعہد عثمانی میں سے کسی کا بھی کوئی ذکر ہے۔ اس لئے یہ جمع صدیقی کی حدیث کے راوی کس طرح ہو سکتے ہیں۔ اسی لئے زیادہ تر لوگ اس کو نقل مصاحف کے وقت کا واقعہ بتاتے ہیں اور یہی منشاء امام بخاری کا بھی ہے اس لئے انھوں نے اس کو نقل مصاحف بعہد عثمانی والی حدیث کے بعد باب جمع القرآن میں درج کیا اور پھر کتاب التفسیر میں بھی اور کتاب الجہاد میں بھی جہاں حاشیہ پر

زید بن ثابت ان ابابکر ارسل الیہ مقتل اھل الیمامۃ فاذا عمر عندہ فقال ابوبکر ان عمر اتانی فقال ان القتل قد استحر باھل الیمامۃ من قراء القرآن من المسلمین وانا اخشی ان یستحر القتل بالقراء فی المواطن فیذھب قرآن کثیر الا یوعی وانی اری ان تامر بجمع القرآن فقلت لعمر وکیف افعل شیئا لم یفعلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال ھو واللہ خیر فلم یزل یراجعنی فی ذلک حتی شرح اللہ صدری ورایت فیہ الذی رای عمر قال زید وعمر عندہ جالس لا یتکلم فقال ابوبکر انک رجل شاب عاقل لا نتھمک کنت تکتب الوحی لرسول اللہ صلعم فاجمعہ۔ قال زید فواللہ لو کلفونی نقل جبل من الجبال ما کان باثقل علی مما امرنی بہ من جمع القرآن فقلت کیف تفعلون شیئا لم یفعلہ رسول اللہ صلعم۔ بس یہیں تک حدیث عثمان ابن عمر سے مروی ہے۔ البتہ اس میں

لا یوعیٰ کا اضافہ خطرناک

ایک خطرناک اضافہ ہے جو کسی روایت میں نہیں "لا یوعیٰ" کا لفظ جس کے مطلب یہ ہیں کہ قرآن کے وہ حصے جو قلمبند و محفوظ نہیں ہو سکے کچھ اس کو یاد ہیں کچھ اس کو وہ ضائع ہو جائیں گے۔ جس راوی نے یہ ناپاک اضافہ کیا ہو۔ اس کی فطرت کا اندازہ اس اضافے سے لگا لیجئے۔

مسند احمد کی ایک اور روایت

ہاں ایک اور روایت بھی مسند احمد ج ۵ ص ۱۸۸ میں ہے، ابوکامل (مظفر بن مدرک) سے وہ ابراہیم بن سعد سے وہ ابن شہاب سے روایت کرتے ہیں مگر یہ بھی پہلی حدیث کی طرح مقتضب ہی ہے کہتے ہیں۔ عن عبید ابن السباق عن زید بن ثابت قال ارسل الی ابوبکر مقتل اھل الیمامۃ فاذا عمر عندہ جالس وقال ابوبکر یا زید بن ثابت انک غلام شاب عاقل لا نتھمک قد کنت تکتب الوحی لرسول اللہ صلعم فتتبع القرآن فاجمعہ قال زید فواللہ لو کلفونی نقل جبل من الجبال ما کان اثقل علی مما امرنی بہ من جمع القرآن فقلت اتفعلان شیئا لم یفعلہ رسول اللہ صلعم قال ھو واللہ خیر فلم یزل ابوبکر یراجعنی حتی شرح اللہ صدری بالذی شرح لہ صدر ابی بکر وعمر رضی اللہ عنھما۔ یہ روایت بھی یہیں تک ہے اس میں بھی نہ آخر سورہ براۃ کا ذکر ہے، نہ خزیمہ کا نہ ابوخزیمہ کا۔ غالباً اسی لئے امام بخاری نے ابوکامل کی متابعت کا تو ذکر ہی نہیں کیا۔ اور عثمان بن عمر کی متابعت کا ذکر بھی تو اس کو کہیں نقل نہیں کیا۔

باقی رہی لیث کی روایت یونس سے، تو ابن حجر فتح الباری ج ۱۹ ص ۲۰۹ میں لکھتے ہیں کہ اس کو مؤلف یعنی امام بخاری نے باب فضائل القرآن اور کتاب التوحید میں نقل کیا ہے، ابن حجر سے یہاں تسامح ہو گیا ہے جو کتاب التوحید کا بھی ذکر یہاں کر دیا۔ یہ روایت صرف فضائل القرآن باب کاتب النبی صلعم میں ہے۔ کتاب التوحید میں لیث کی روایت یونس سے نہیں ہے، بلکہ عبدالرحمٰن بن خالد سے ہے جس کی تصریح میں نے نقشے میں

(بقیہ حاشیہ از صفحہ گذشتہ) اسی طرح گول مول ہے کہ یہ پتا نہ لگے کہ یہ واقعہ کس وقت اور کس زمانہ کا ہے۔

اس لئے جمع قرآن بعہد صدیقی کی روایت تنہا عبید بن السباق ہی سے ہے، اور نقل مصاحف بعہد عثمانی کی روایت تنہا انس بن مالک ہی سے۔ اور ہر حدیث کے تنہا راوی زہری ہی ہیں۔ پوری بحث آیت احزاب و سورہ توبہ کے بیان میں اسی رسالے میں آئی ہے۔ اور مولانا لائل پوری کی ہرہات کا جواب میری اس کتاب میں موجود ہے۔

زہری سے روایت کرنے والے شعیب[1]، یونس[2]، ابراہیم[3]، اور عبدالرحمٰن[4] چار آدمی ہم نے امام بخاری کے متابعات کے مطابق دکھائے تھے۔ مولانا لائل پوری نے بخاری سے ایک نام اور بھی پیش کیا ہے۔ یعنی زہری سے سلیمان بن ابی بلال ان سے ان کے بھائی ابوبکر عبدالحمید، ان سے اسماعیل بن ابی اویس۔ ان سے امام بخاری۔ مگر مولانا لائلپوری کو یہ تحویل پیش کر کے پچھتانا پڑے گا۔ اس لئے کہ تحویل میں امام بخاری کے شیخ اسمٰعیل بن ابی اویس کا حال شاید ان کو معلوم نہیں ہے۔ سنیئے ابن حجر تہذیب التہذیب میں کیا فرماتے ہیں؟ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ تمام ائمہ رجال کا ان کے ضعیف غیر ثقہ اور ناقابل اعتبار ہونے پر اتفاق ہے اور متعدد ائمہ رجال نے تو ان کو اکذاب جیسے ممتاز لقب سے یاد کیا ہے بعضوں نے حدیثیں گھڑنے کا بھی الزام دیا ہے۔ دیکھئے تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۳۱۰ سے ص ۳۱۲ تک انکے اسی قسم کے فضائل و مناقب بھرے ہوئے ہیں۔

مگر واضح رہے کہ یہ تحویل بھی امام بخاری نے صرف سورہ احزاب والی آیت کے متعلق ذکر کی ہے جو خارجہ سے مروی ہے۔ باب جمع القرآن یا کتاب التفسیر میں یہ تحویل مذکور نہیں ہے کتاب الجہاد میں مذکور ہے اور اس میں جمع قرآن یا نقل مصاحف کے واقعے کا مطلقاً کوئی ذکر نہیں۔ میں نے آخر سورہ توبہ و آیت احزاب پر بحث کرتے ہوئے اس کتاب میں اس تحویل پر بھی بحث کی ہے مگر مولانا لائلپوری نے ناظرین الاعتصام کو دھوکا دینے کے لئے ان باتوں کو حدیث جمع قرآن بعہد صدیقی سے قصداً غلط متعلق کر دیا۔

المشتکی الی اللہ ۱۲ منہ

کر دی ہے۔ مگر تعجب ہے کہ صحیح بخاری کے موجودہ نسخوں میں اگر دیکھئے تو باب اکاتب الذی صلعم میں وہ لیث والی روایت جو یونس سے ہے ضرور ملے گی مگر خزیمہ کا نام نہیں ملے گا بلکہ ابوخزیمہ کا نام ملے گا اس لئے یہ حدیث کتاب التفسیر والی حدیث کی متابعت میں نہیں پیش کی جا سکتی بلکہ باب جمع القرآن والی حدیث کی متابعت اس سے ہو سکتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ امام بخاری کی اس پیش کردہ متابعت سے صاف ظاہر ہے کہ باب کاتب النبی صلعم والی حدیث میں خزیمہ کا نام امام بخاری نے لکھا تھا مگر ان کے کسی چالاک شاگرد نے اس کو "ابوخزیمہ" بنا دیا۔ ورنہ اس روایت کو امام بخاری خود کتاب التفسیر والی روایت کی متابعت میں کبھی پیش نہ کرتے۔ وہ تو خود "ابوخزیمہ" والے قول کے موید تھے وہ اسی روایت کو عبدالرحمٰن بن خالد اور موسیٰ کی متابعت میں پیش کرتے۔

اور یعقوب والی روایت بھی بخاری میں نہیں ہے بلکہ صحاح کی کسی کتاب میں نہیں ہے ابن حجر لکھتے ہیں کہ ابوبکر بن ابی داؤد نے اس کو اپنی کتاب المصاحف میں نقل کیا ہے اور ابویعلی نے بھی مختصراً لکھا ہے۔ مگر خود ابن حجر ہی لکھتے ہیں کہ یعقوب والی روایت کو ذہلی نے الزہریات میں جو جزو نقل کیا ہے۔ تو انھوں نے خزیمہ ہی کا نام یعقوب سے نقل کیا ہے۔ اور اسی طرح جوزقی نے بھی۔ تو یعقوب جو اپنے باپ ابراہیم سے روایت کرتے ہیں تو وہ بھی بروایت قوی خزیمہ ہی کی روایت کرتے ہیں اور بروایت ضعیف ابوخزیمہ کی۔ واللہ اعلم

ابراہیم بن سعد ہی کی روایت میں تمام اختلافات ہیں

غرض سارے اختلافات ابراہیم[1] بن سعد ہی کی روایت میں ہیں۔ صرف انھیں سے باب جمع القرآن والی حدیث ہے جس میں ابوخزیمہ ہے اور انھیں سے ثابت والی حدیث جو کتاب الاحکام میں مروی ہے جس میں خزیمہ اور ابوخزیمہ ہے (شک کے ساتھ) اور آخر سورہ توبہ کی دو آیتوں کے عوض صرف ایک ہی آیت کے نہ ملنے اور پھر خزیمہ یا ابوخزیمہ کے ساتھ ملنے کا ذکر ہے۔ اور پھر انھیں سے ان کے بیٹے یعقوب بھی روایت کرتے جو الزہریات میں اور جوزقی کے یہاں ہے تو خزیمہ کے نام کے ساتھ ہی اور ابن ابی اذر اور ابویعلی کے یہاں ابوخزیمہ کے نام کے ساتھ۔ ادنیٰ غور و تامل سے یہ صاف پتا مل جاتا ہے کہ ابراہیم سے جتنی روایتیں مضطرب ہیں ان کے اضطراب کے ذمہ دار خود ابراہیم ہی ہیں کہ کسی سے کچھ کہا اور کسی سے کچھ۔ اور ابراہیم کو ابن حجر تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۱۲۲ میں لکھتے ہیں کہ یہ زہری کی حدیثوں میں بہت ضعیف سمجھے جاتے ہیں جس کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ ابراہیم کی پیدائش ۱۰۸ھ کی ہے۔ یہ زہری کی وفات کے وقت پندرہ سولہ برس کے تھے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ پندرہ سولہ برس کی عمر بھی روایت حدیث کے لئے کافی ہو سکتی ہے ممکن ہے کہ کافی ہو۔ مگر یہاں تو ابراہیم بن سعد کی لقا ہی زہری سے مشتبہ ہے بلکہ یقین ہے کہ دونوں میں ملاقات ہی نہ ہوئی ہو یا بہت کمسنی میں ابراہیم نے زہری کو دیکھا ہو۔ کیونکہ زہری مقام ایلہ میں رہتے تھے شام و حجاز کی سرحد پر۔ . . . . اور ابراہیم بن سعد مدینہ طیبہ میں مقیم تھے۔ مدینے کے محدثین زہری سے روایتیں لینے تھے ایلہ پہنچکر۔ ابراہیم بن سعد کا پندرہ برس یا سولہ برس کی عمر میں مدینے سے زہری کے پاس ایلہ جانا حدیثیں سننے کے لئے بالکل مستبعد ہے۔ اور کسی نے اس کا ذکر بھی نہیں کیا ہے۔ کہ جس طرح ماحشون وغیرہ مدینے سے ایلہ جاکر زہری سے حدیثیں لیتے تھے اسی طرح ابراہیم بن سعد بھی گئے تھے۔ اس لئے۔ ابراہیم کی روایت زہری سے یقیناً مرسل و منقطع ہے۔ محدثین الانقطاع کا تو ذکر نہیں کرتے ہیں مگر ضعف کا اعتراف ضرور کرتے ہیں اور الانقطاع کا ذکر نہیں کرتے ہیں صرف بخاری کا بھرم رکھنے کے لئے چونکہ

---

[1] تعجب ہے کہ امام بخاری نے عبدالرحمٰن بن مہدی جیسے جلیل القدر محدث کی متابعت کا کوئی ذکر نہ کیا جسکو ترمذی نے روایت کیا ہے۔ عبدالرحمٰن بن مہدی بھی ابراہیم بن سعد ہی سے روایت کرتے ہیں، اور آخر سورہ برأت کے خزیمہ بن ثابت (مع تصریح ولدیت) ہی کے پاس پائے جانے کا ذکر کرتے ہیں۔ غالباً اسی لئے امام بخاری نے اس متابعت کا ذکر نہیں کیا کیونکہ وہ چاہتے تھے کہ آخر سورہ برأۃ کے ملنے کو ابوخزیمہ کے ساتھ رکھیں اور آیت سورہ احزاب کے ملنے کو خزیمہ کے ساتھ تاکہ دو واقعہ دو وقتوں کا دو شخصوں کے ساتھ ثابت ہو سکے۔ (البیانہ) کہ ایک ہی وقت کا ایک ہی واقعہ سمجھا جائے اور صرف آیتوں کے تعلق راویوں کا اختلاف قرار دیا جائے۔ اسی لئے سورہ احزاب کی آیت والی روایت کو امام بخاری نے بالکل الگ سے منقطع طور پر روایت کیا کہ اب سمجھنے والا جو سمجھ لے چاہے عہد نقل مصاحف بزمانہ خلافت عثمانی کو واقعہ کہے یا جمع صدیقی ہی کے وقت کا اور اس کو راویوں کا اختلاف قرار دے۔ ترمذی نے تو خزیمہ و ابوخزیمہ کا اختلاف آیت سورہ احزاب کے متعلق عبدالرحمٰن بن مہدی سے روایت کیا ہے اور انھوں نے ابراہیم بن سعد سے۔ اس پر دوبارہ بحث فن کتاب میں حدیث نقل مصاحف بزمانہ عثمانی کی تنقید میں آئیگی۔ (ابو منیبہ)

بخاری کی شرط نقاد محدثین میں مشہور ہوگئی ہے۔ مگر یہ شیعوں کی کتب رجال میں خاص طور سے ممدوح اور ثقہ نظر آتے ہیں۔ غرض ان کی روایت جو ابوخزیمہ کی ہے وہ اپنے اضطرابات اور ضعف کی وجہ سے ضرور اعتبار سے ساقط ہے۔ باقی رہ گئی عبدالرحمٰن بن خالد والی روایت تو یہ شیعوں کے یہاں تو ضرور حجت اور ثقہ ہیں مگر اہل سنت ائمہ رجال ان کو منکر الحدیث لکھتے ہیں۔ اس لئے ان سے جو لیث ابوخزیمہ کی روایت کرتے ہیں وہ یقیناً ناقابل التفات ہے۔ خصوصاً جبکہ امام بخاری کے نزدیک لیث عثمان بن عمرو کے ساتھ دو آدمی یونس سے خزیمہ کی روایت کر رہے ہیں۔ اور یونس زہری کی حدیثوں میں ابراہیم اور عبدالرحمٰن دونوں سے زیادہ قابل قبول ہیں۔ اور شعیب تو زہری کے کاتب ہی تھے۔ اسی لئے دوسروں سے بہت زیادہ یہ زہری کی حدیثوں میں قوی سمجھے جاتے ہیں۔ یہ بھی روایت خزیمہ ہی کی کر رہے ہیں۔ خود ابن حجر فتح الباری ج ۲۰ ص ۴۲۳ میں لکھتے ہیں کہ اس حدیث کو طبرانی نے جو مسند الشامیین میں نقل کیا ہے تو خزیمہ بن ثابت الانصاری بتصریح ولدیت لکھا ہے اور یہ روایت ابوالیمان ہی سے ہے جو شعیب سے روایت کرتے ہیں اور وہ زہری سے۔ پھر ترمذی میں بھی آخر سورہ توبہ و آیت احزاب دونوں ہی کے ملنے کا ذکر خزیمہ بن ثابت ہی کے ساتھ ہے بتصریح ولدیت۔ اس لئے ہر چند بظاہر ابوخزیمہ کی متابعتیں بخاری میں زیادہ نظر آتی ہیں۔ مگر واقعہ یہی ہے کہ زہری سے روایت یہاں خزیمہ ہی کی صحیح[1] ہے جس طرح آیت سورہ احزاب بزمانہ نقل مصاحف نہ ملنے اور پھر خزیمہ کے ساتھ پائے جانے کی روایت خارجہ بن زید سے زہری کر رہے ہیں۔ اسی طرح سورہ برأۃ کی دو آیتوں کے نہ ملنے اور خزیمہ ہی کے ساتھ پائے جانے کی روایت زہری عبید بن السباق سے کرتے ہیں۔ بعد والوں نے سورہ برأۃ والی آیت کے لئے خزیمہ کو ابوخزیمہ بنا دیا تاکہ دونوں آیتوں کا تعلق ایک ہی شخص سے باعث اشتباہ ہو کر ایک روایت کو غلط نہ ثابت کر دے۔

اظہار اصل حقیقت مگر حقیقت یہ ہے کہ روایت بنانے والوں نے دونوں روایتوں یعنی سورہ برأۃ والی آیت اور سورہ احزاب والی آیت دونوں کے نہیں ملنے اور پھر خزیمہ کے ساتھ ملنے کی دو حدیثیں ایسے عنوان بیان و نسبت الفاظ کیا تھ بنائیں کہ یہ دونوں واقعے الگ تسلیم کئے جائیں، یا واقعہ تو ایک ہی قرار دیا جائے مگر راویوں کا اختلاف سمجھا جائے کہ کسی نے سورہ برأۃ کی آیتوں کے متعلق کہا ہا در کسی نے سورہ احزاب کی آیت کے متعلق یہ دونوں صورتیں ممکن ہوں۔ غرض یہ تھی کہ آگے چل کر جیسا موقع ہوگا ویسا مطلب نکالا جائیگا۔ ہم اس حقیقت واضحہ پر حدیث آخر سورہ توبہ و آیت احزاب پر مفصل بحث کرنے کے وقت پوری طرح بحث کریں گے انشاء اللہ تعالیٰ۔ یہاں مختصراً اتنا ہی کہدینا کافی ہے

یہ متابعات بالکل غیر مفید ہیں جو لوگ فن حدیث سے مناسبت رکھتے ہیں وہ یہ جانتے ہیں کہ کسی حدیث کی اگر ایک راوی روایت کر رہا ہو اور پھر دوسرے نے بھی اس کی روایت کی تو اس کو متابعت کہتے ہیں اور اس سے پہلی روایت کی تقویت ہوتی ہے بشرطیکہ دوسرا راوی پہلے راوی سے ضعیف نہ ہو۔ اور ایسی متابعتیں وہاں مفید تقویت ہوا کرتی ہیں جہاں صل مروی عنہ یعنی جس سے وہ دونوں راوی روایت کر رہے ہیں، ثقہ اور حجت و سند ہو۔ ورنہ اگر اصل مروی عنہ ہی مجروح اور ناقابل استناد ہے تو ایک دو کیا، پچاس ساٹھ متابعتیں بھی ہوں تو بے سود ہیں۔ اگر مروی عنہ اور راوی سب کم و بیش مجروح ہیں تو ایسی متابعتوں کے لکھنے سے نہ لکھنا بہتر ہے۔ ان متابعتوں کے دیکھنے سے معلوم ہو گیا کہ یہ ساری متابعتیں صرف زہری ہی تک پہنچتی ہیں، اور زہری کا حال آپ کو بتفصیل تمام معلوم ہو چکا۔ زہری سے چار آدمی روایت کرتے ہیں، شعیب، یونس، ابراہیم اور عبدالرحمٰن۔ یونس اور یونس سے زیادہ عبدالرحمٰن منکر حدیث روایت کرنے میں بدنام ہیں۔ ابراہیم زہری کی حدیثوں میں خصوصیت کے ساتھ ضعیف سمجھے جاتے ہیں لے دے کر بس صرف شعیب ہی ان میں ایک ثقہ راوی ہیں۔ مگر خود زہری ہی کی وثاقت جب قابل قبول نہیں تو غریب شعیب ثقہ ہوئے بھی تو کیا۔ مگر یہاں بھی ابوالیمان کی

---

[1] صحت کے یہاں یہ معنی نہیں ہیں کہ یہ واقعہ جو زہری روایت کر رہے ہیں وہ صحیح ہے۔ واقعہ تو قطعاً غلط اور کذب و افترا ہے۔ مگر زہری نے خزیمہ ہی دونوں جگہ بیان کیا ہے۔ اس کو بعد والوں نے ایک جگہ خزیمہ اور دوسری جگہ ابوخزیمہ بنایا ہے۔ صحت کا یہاں یہی مطلب ہے ۱۲ منہ غفرلہ

روایت شعیب سے محل نظر ہے۔ اس لئے کہ شعیب سے بذات خاص ابوالیمان نے شاید ہی کوئی حدیث[1] سنی ہو۔۔۔۔ غرض کسی طرح کا فائدہ تقویت ان متابعتوں سے اس روایت کو نہیں پہنچ سکتا۔ خصوصاً زہری جب اس حدیث کی روایت میں متفرد ہیں۔ اور پھر زہری سے اوپر عبید بن السباق بھی علم تفرد بلند کئے ہوئے ہیں۔ اور ان کے بعد تو صرف زید بن ثابت ہی کا نام لیا جاتا ہے۔ اور بس، ان کے سوا تو کسی اور صحابی کو واقعہ جمع قرآن کا علم ہی نہ تھا، جو کسی سے کوئی بیان کرتا۔

زہری اور زہری سے اُوپر

یہ بھی آپ کو معلوم ہو چکا ہے کہ جس طرح تنہا زہری عبید بن السباق سے روایت کرتے ہیں، اسی طرح تنہا عبید بن السباق اس کو زید بن ثابت سے روایت کرتے ہیں اور زید بن ثابت سے عبید کی روایت کسی طرح بھی متصل نہیں ہو سکتی۔ یا تو عبید نے زید بن ثابت پر یہ افترا کی ہے یا درمیان کے کسی راوی کا نام قصداً چھوڑ دیا ہے۔ اس لئے کہ عبید بن السباق کی ولادت تقریباً ۱ھ کی ہے اور زید بن ثابت کی وفات ۴۵ھ یا ۴۸ھ میں اور بقول ضعیف ۵۲ھ میں ہوئی اگر قول ضعیف ہی صحیح ہو تو عبید زید کی وفات کے وقت دو برس سے زیادہ کے نہ تھے۔ یہ عالم تو اس حدیث کے اسناد کا ہے۔ اب اصل متن حدیث کا عالم بھی ملاحظہ فرمائیے تاکہ دونوں عالم کی سیر کا ساتھ لطف حاصل ہو۔

تنقید متن حدیث

اصل حدیث اس مضمون سے شروع ہوتی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت زید بن ثابتؓ کے پاس اہل یمامہ کے قتل کی خبر بھیج کر ان کو بلا بھیجا اور حضرت عمر فاروق کی رائے جمع قرآن کے متعلق بیان کر کے ان کو جمع قرآن پر آمادہ ہونے کے لئے کہا اور وہ بار بار کے اصرار کے بعد جمع قرآن پر راضی ہوئے۔ اور جمع قرآن کا کام انھوں نے شروع کر دیا۔

جمع قرآن کا کام تخلیہ میں کیوں ہوا

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے اتنے بڑے کام کو حضرت ابوبکرؓ سے بالکل تخلیہ میں ہوں کہا؟ اور پھر حضرت ابوبکرؓ نے صرف زید بن ثابتؓ ہی کو کیوں بلایا؟ کاتب وحی اور بھی صحابہؓ تھے جو علم قرآن میں زید سے کہیں زیادہ تھے اور کتابت میں بھی زید سے ان کے کم ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ اس لئے زید بن ثابتؓ اور نفس کتابت وحی پر تھوڑی تفصیلی بحث کی ضرورت ہے سنیئے:۔

زید بن ثابتؓ

متوفی ۴۵ھ یا ۴۸ھ ہجرت کے وقت گیارہ[11] برس کے تھے قرآن مجید کی کچھ سورتیں یاد کر لی تھیں اس لئے جب آنحضرت صلعم مدینے پہنچے تو آنحضرت صلعم کے سامنے پیش کئے گئے اور آنحضرت صلعم ان کو دیکھ کر خوش ہوئے۔ ۲ھ میں۔۔ اسارائے جنگ بدر سے کتابت سیکھنا شروع کی تھی۔ یقیناً مشق کتابت و مہارت املا میں تین چار سال سے کم نہیں لگے ہوں گے۔ تیرہ[13] سال تک مکہ مکرمہ میں دوسرے ہی لوگ کتابت وحی کرتے رہے تھے، اور پھر ہجرت کے بعد زید بن ثابتؓ کی تعلیم کتابت و مشق مہارت املا تک بھی دوسرے ہی لوگ کتابت وحی کرتے رہے۔ جب ان کو مشق کتابت و مہارت املا حاصل ہو چکی تو غالباً ۷ھ یا ۸ھ ہجری یا اس کے بھی بعد سے زیادہ سے زیادہ آخری تین چار سال کی مدت میں جو کچھ بھی وحی آئی اس کو زید بن ثابتؓ نے بھی لکھا ہوگا۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ کسی دوسرے سے اس مدت میں کتابت وحی کا کام لیا ہی نہیں گیا جہاں زید بن ثابتؓ اس مدت میں لکھنے والے تھے وہاں اور دوسرے لوگ بھی تھے۔ کیونکہ ان سے پیشتر کے لکھنے والے بالکل معزول نہیں کر دیئے گئے تھے اور نہ ان پر ان کو کوئی وجہ ترجیح پیدا ہو گئی تھی۔ بلکہ کتاب نیل الاوطار جلد ۸ ص ۵۱۳ میں ہے فی حدیث زید بن ثابت ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم امرہ فتعلم کتاب الیہود۔ وقال کتبت للنبی صلی اللہ علیہ وسلم کتبہ واقرأ تہ کتبھم

---

[1] اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ ابوالیمان بہرانی قبیلہ کے غلام تھے یہ قبیلہ حمص کا ایک مشہور قبیلہ تھا۔ بعد کو آزاد کر دیئے گئے تھے۔ مگر رہے برابر حمص میں اور شعیب زہری کے کاتب تھے زہری کے ساتھ ایلیہ میں رہتے تھے اگرچہ وہ بھی حمصی تھے۔ مگر ابوالیمان کی پیدائش سے پہلے سے ایلیہ میں مقیم تھے۔ اور شعیب روایت کرنے میں بہت بخیل تھے۔ یہ بھی خیال رہے شعیب کی وفات ۱۶۲ھ میں ہے اور ابوالیمان کی بقول امام بخاری وغیرہ ۲۲۲ھ میں بماہ ذی الحجہ دونوں کی وفات کے درمیان ساٹھ برس کا تفاوت ہے۔ محمد بن المصفیٰ حمصی نے جو مشہور مدلس تھے کوشش کی ہے کہ کسی طرح ابوالیمان کی روایت شعیب سے صحیح ثابت کی جائے اور ابوالیمان کی وفات ۲۱۱ھ میں ۸۴ سال کی عمر میں بتائی۔ مگر امام بخاری وغیرہ نے ۲۲۲ھ میں سال وفات لکھ کر سارا پول کھول دیا۔

اذا کتبوا الیہ۔ رواہ احمد والبخاری۔ . . . الخ یعنی زید بن ثابتؓ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حکم دیا تھا، تو انھوں نے یہودیوں کی (زبان سُریانی[1] کی قراءت اور) کتابت سیکھی۔ زید بن ثابت نے کہا کہ یہاں تک (میں نے اس بات میں مہارت پیدا کر لی) کہ میں لکھتا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مراسلات (سُریانی زبان میں ترجمہ کر کے سُریانی رسم خط میں) اور آپ کے سامنے پڑھتا یہودیوں کے مراسلات جب وہ بھیجتے تھے آپ کے پاس۔ اس حدیث کو امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں اور امام بخاری نے روایت کیا ہے۔ اس کے کچھ بعد علامہ شوکانی لکھتے ہیں جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہجرت کے بعد جو آنحضرت صلعم نے زید بن ثابت کو دیکھا اور کمسنی ہی میں ان کی ذہانت و حفظ کا اندازہ لگایا تو اسی وقت ان کو سریانی زبان اور رسم خط سیکھنے کے لئے فرمایا تھا، اور انھوں نے چھ مہینے میں اس حد تک سیکھ لیا کہ مراسلات کا کام کرنے کے قابل ہو گئے۔ اسی میں یہ بھی لکھا ہے کہ سریانی زبان عبرانی زبان کے علاوہ ایک دوسری ہی زبان ہے۔ جس سے یہ معلوم ہوا کہ زید بن ثابتؓ نے عبرانی زبان و رسم خط نہیں سیکھی تھی۔ بہرحال اس سے یہ معلوم ہوا کہ زید بن ثابت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتب مراسلات تھے اور یہودیوں کے مراسلات کے متعلق خاص کاتب تھے۔ نہ کہ وحی کی کتابت میں: ان کی کوئی خاص خصوصیت تھی۔ بلکہ . . مختلف طرح کی کتابت میں خلط ملط کا خطرہ ہو سکتا ہے اس لئے ممکن ہے کہ جس وقت کوئی اور کاتب وحی موجود نہ ہتا ہو اس وقت رسول اللہ صلعم ان سے وحی لکھوا لیتے ہوں۔ زید بن ثابتؓ کا مخصوص اور سب سے زیادہ اہم کاتب وحی ہونا صرف بخاری کی حدیث کی وجہ سے مشہور ہو گیا اور اس حدیث کو قوت پہنچانے کے لئے مشہور کیا گیا ہے۔ ورنہ دراصل ان کو اس سلسلے میں کوئی خاص اہمیت نہ تھی اور نہ ہو سکتی ہے۔ اس لئے اس روایت کی وجہ سے پیدا شدہ شہرت کو ان کی خصوصیت کے ثبوت میں پیش کرنا کھلا ہوا مصادرہ علی المطلوب[1] ہے۔ جو کسی صاحب انصاف و دیانت کے نزدیک جائز نہیں۔ محدثین نے اسی روایت سے ان کو وحی کا کاتب قرار دینے کے لئے بہت زور لگایا ہے۔ اور بعض روایتیں بھی اس کی تائید میں بنالی گئی ہیں مگر درایت صاف بتا رہی ہے کہ یہ سب صرف روایت جمع قرآن کی کھوکھلی دیوار کیلئے کوکھلے پٹے ہیں اسکے سوا کچھ نہیں۔

استیعاب ج ۱ ص ۲۷ ترجمہ ابی بن کعب میں ہے کہ رسول اللہ صلعم کے مدینے تشریف لانے کے بعد سب سے پہلے جس نے وحی کی کتابت کی وہ حضرت ابی بن کعبؓ تھے۔ اور یہ سب سے پہلے شخص ہیں کہ جو کتاب لکھ کر خاتمۂ کتاب پر "وکتب فلانٌ"، یعنی اپنی کتابت کا ذکر اپنے نام کے ساتھ لکھ دیا کرتے تھے جب ابی بن کعبؓ نہ ہوتے تو زید بن ثابت بلائے جاتے۔ مگر یہ بھی ہجرت کے تین چار سال بعد سے ہوتا ہوگا۔ کیونکہ اول تو زید بن ثابتؓ کم سن تھے ہجرت ۷ صفر ۱ھ میں ہوئی ہے۔ زید اس وقت گیارہ برس کے تھے، اور لکھنا پڑھنا بالکل نہیں جانتے تھے۔ پھر ۲ھ کو جنگ بدر ہوئی۔ فتح کے بعد جو قریشی قیدی اپنا فدیہ ادا نہ کر سکے ان کا فدیہ یہی قرار دیا گیا کہ وہ دس انصاری لڑکوں کو کتابت کی پوری تعلیم کر دیں۔ جس کا مقصد یہ تھا کہ انصار میں قریشی رسم خط اور طرز املا کا رواج ہو جائے اور قرآن لکھنے والے انصاری بھی اسی رسم خط

---

[1] "مصادرہ علی المطلوب" علم مناظرہ کی ایک اصطلاح ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جو دعویٰ ہو اسی کو گھما پھرا کر دلیل میں پیش کیا جائے۔ جس کو دعویٰ ہی قبول نہیں وہ اسی دعوے یا اسی کے کسی حصے کو دلیل میں کس طرح قبول کر سکتا ہے؟ ۱۲ منہ غفرلہ

[1] طبقات ابن سعد حصہ اول ص ۱۴ میں ہے کہ "فتح جنگ بدر کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار مکہ کے ستر آدمی گرفتار کئے اور بقدر حیثیت ان سے فدیہ (تاوان جنگ) وصول کیا جن سے فدیہ وصول ہوا ان کو رہا کر دیا اور اہل مکہ کتابت کا فن جانتے تھے اور اہل مدینہ نہیں جانتے تھے۔ تو کفار مکہ میں سے جن قیدیوں کے پاس مال نہ تھا ان کا فدیہ یہی مقرر کیا گیا کہ وہ مدینے کے دس لڑکوں کو کتابت سکھا دیں۔ تو جس نے دس لڑکوں کو کتابت سکھا دی اور فن کتابت کی پوری تعلیم کر دی، وہ فراغت کے بعد رہا کر دیا گیا۔ انھیں لڑکوں میں زید بن ثابتؓ بھی تھے۔ غرض ان قیدیوں میں جو خواندہ تھے اور کتابت کے ماہر تھے ان کے لئے یہی فدیہ مقرر کیا گیا کہ وہ دس لڑکوں کو کتابت کی تعلیم پوری طرح دے دیں"۔

تمت غفرلہ۔ مرعوض کرتا ہے کہ ابن سعد نے جو یہ لکھا ہے کہ اہل مدینہ کتابت نہیں جانتے تھے بالکل غلط ہے۔ خود ابن سعد ہی نے دوسری جگہ اس کے خلاف لکھا ہے۔ اہل مدینہ کے حالات میں طبقات ابن سعد کی ایک ضخیم جلد ہے اس میں اس کے خلاف تصریح موجود ہے۔ مدنی صحابہ جو زمانہ جاہلیت سے کتابت جانتے تھے بہت تھے۔ جن میں سعدؓ بن عبادہ، منذرؓ بن عمرو، اسیدؓ بن حضیر، رافعؓ بن مالک، عبداللہؓ بن زید بن ثعلبہ، اوسؓ بن خولی، عبداللہؓ بن رواحہ، بشیرؓ بن الربیع، ابوعبسؓ بن جبر، ابوداؤد، حنظلہؓ الکاتب وغیرہم۔ اور ابیؓ بن کعب تو مکہ سے پہلے آچکا ہے ان میں سے کوئی بھی جنگ بدر کے قیدیوں کا شاگرد نہیں

سے قرآن لکھیں جس رسم خط سے قریشی لکھا کرتے ہیں۔ انھیں انصاری لڑکوں میں زید بن ثابتؓ بھی تھے جنھوں نے ان قریشی قیدیوں سے کتابت سیکھی تھی۔ ہجرت کے تقریباً ایک برس آٹھ مہینے کے بعد زید بن ثابت نے کتابت سیکھنا شروع کی، مشق و مہارت کے لئے کم سے کم تین چار سال کا تو وقت ضرور رکھنا چاہیئے تو یہ ۶ھ ہجری میں کہیں اس قابل ہوئے ہوں گے کہ خط و کتابت کر سکیں۔ وحی لکھنے والے اگر کم ہوتے تو ایک نو مشق ہی سے کام لیا جاتا۔ مہاجرین تقریباً سب کے سب کتابت کے ماہر قریشی رسم خط کے ماہر تھے۔ انصار میں بھی کتابت کے ماہر بیسیوں بلکہ سیکڑوں تھے ابی بن کعبؓ بھی تو انصاری ہی تھے اور اسلام لانے کے پہلے سے کتابت کے ماہر تھے، اور چونکہ قریش کے حلیف تھے، قریشیوں سے دیرینہ تعلقات رکھتے تھے اس لئے قریش کے لغات و محاورات اور رسم خط و املا سے پوری طرح واقف تھے۔ اسی لئے ہجرت کے بعد انصار کی دل دہی کے لئے آپ نے فوراً ایک انصاری کو کتابت وحی کے لئے منتخب فرمایا مگر ایسے ہی انصاری کو جو قریشیوں ہی کی طرح لکھتا ہو۔ ممکن ہے کہ وفات نبوی سے سال دو سال قبل زید بن ثابت نے بھی کتابت وحی کا کچھ کام کیا ہو۔ مگر ان کو رسول اللہ صلعم کا کاتب خصوصی اور کتابت وحی کا خاص ذمہ دار قرار دینا، بخاری کی روایت جمع قرآن کی کھوکھلی دیوار پر پلستر لگانے کے لئے ہے مگر میں حضرت زید بن ثابت کی مہارت کتابت سے انکار نہیں کرتا۔ ان کو مہارت ضرور ہوئی ہوگی مگر ۸ھ یا ۹ھ تک اس وقت وہ کتابت وحی بھی کر لیتے ہوں گے۔ اور ہو سکتا ہے کہ اخیر زمانے میں یہی زیادہ لکھتے ہوں۔ مگر یہ قریشیوں کے شاگرد تھے اسی لئے قریشی ہی رسم خط جانتے تھے۔ پھر قریشی مہاجرین اور رسول اللہ صلعم کی خدمت میں دن رات رہتے تھے قریش کے لغات و محاورات سے بھی پوری طرح واقف ہو گئے تھے، ان کے قرآن لکھنے میں اور کسی قریشی کے لکھنے میں کسی فرق کی کوئی وجہ ہی نہیں ہے۔

اگر یہ فرض بھی کر لیا جائے کہ انھوں نے کوئی غیر معمولی مشق خطاطی اور حسن کتابت میں حاصل کر لی ہو، تو محض کتابت قرآن کے لئے تو البتہ ان کا انتخاب ان کے حسن کتابت و خطاطی کی وجہ سے ہو سکتا تھا۔ مگر جہاں ضرورت جمع و تدوین آیات و سور کی ہو وہاں تو ایسے لوگوں کی ضرورت تھی جو ابتدائے نزول سے آخر تک شریک کتابت وحی رہے ہوں اور تمام آیات و سور کے مواقع، و مواقع نزول سے واقف اور پورے قرآن کے حافظ ہوں۔ قرار[۵] یعنی حفاظ قرآن میں چاروں خلفائے راشدینؓ ابی بن کعبؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ کے اسمائے گرامی خود محدثین بڑے تعلق سے لیا کرتے ہیں۔ عام قرار یعنی حفاظ قرآن کی اکثریت اپنے قرآنی اسناد کا سلسلہ عموماً حضرت ذوالنورینؓ تک پہنچایا کرتی ہے۔ خود بخاری کتاب فضائل القرآن میں باب القرّاء من اصحاب النبی صلعم بھی ہے جس میں یہ حدیث موجود ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ قرآن حاصل کرو چار شخصوں سے، عبداللہ بن مسعودؓ، سالمؓ، معاذؓ، اور ابی بن کعبؓ۔ پھر اسی باب میں یہ بھی ہے کہ عہد نبوی میں چار انصاریوں نے قرآن جمع کیا تھا، ابی بن کعبؓ، معاذ بن جبلؓ، زید بن ثابتؓ، اور ابوزید۔ دوسری روایت میں ابی بن کعبؓ کی جگہ ابوالدرداءؓ کا نام ہے۔ اگر

(بقیہ حاشیہ از صفحہ گذشتہ) یہ سب اسلام لانے سے پہلے ہی سے کتابت کے ماہرین میں تھے۔ باقی رہی کفار قیدیوں سے انصاری لڑکوں کو کتابت سکھلانے کی وجہ میں بتلا چکا ہوں کہ انصار میں بھی قریشی رسم خط جاری ہو جائے ۱۲ منہ غفرلہ

[۴] حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلعم مدینے پہنچے تو آپ نے دیکھا کہ اہل مدینہ دو دو تین تین سال کے بعد قیمت ادا کرنے کے وعدے پر پھل خرید رہے ہیں۔ تو آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ وزن، قیمت اور وقت معین کر کے بیچو اسی پر آخر سورہ بقرہ میں یہ حکم آیا ہے کہ یا ایھا الذین اٰمنوا اذا تداینتم بدین فاکتبوہ۔ (آخر رکوع تک) جس میں قرض ادھار اور بیع وغیرہ کے معاملے کو لکھ لینے اور ان پر گواہیاں کرا لینے کا حکم اس طرح ہے کہ اس کے فرض ہونا کا گمان ہو سکتا ہے مگر روزمرہ کی خرید و فروخت کے بارے میں ہے اگر اس کو نہ لکھو تو کوئی گناہ نہیں ہے یہاں تک کہ سفر کی وجہ سے اگر کاتب نہ ملے یا سامان کتابت نہ ہو تو رہن چیز کو گرو رکھنے کا حکم ہے۔ مگر باہمی اعتماد و اعتبار اگر ہو تو کوئی چیز گرو رکھنا ضروری نہیں۔ اس حکم سے جو ہجرت کے چند ہی دن بعد اترا یہ ثابت ہو رہا ہے کہ مہاجرین و انصار میں لکھنے والے پڑھنے والے کافی تعداد میں تھے جبھی تو کاروبار اور آپس کے لین دین کو لکھ لینے اور ان پر گواہیاں ثبت کر لینے کا حکم آغاز سال ہجری میں آیا۔ خرید و فروخت کی قرض کس کو نہیں پڑتی ہے۔ ایسا حکم ایسی جماعت کیلئے عام طور سے نہیں آسکتا جس جماعت میں لکھنے پڑھنے والے بہت کم ہوں۔ فافہم ۱۲ منہ غفرلہ

[۵] "قرار" قاری کی جمع ہے چار پانچ صدی بلکہ کچھ اور بعد تک "قاری" حافظ قرآن کو کہتے تھے اور محدثین کا زمانہ آیا تو جس کو حدیثیں بہت یا دہوا کرتیں تھیں اسکو "حافظ" کہنے لگے۔ جب حدیثوں کے حفظ کا زمانہ ختم ہو گیا۔ تو حافظ قرآن ہی کو حافظ کہنے لگے۔ ۱۲ منہ غفرلہ

زید بن ثابت بھی حافظ ہوں تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ تمام مہاجرینؓ و انصارؓ بلا استثناء سب کے سب پورے قرآن کے حافظ تھے اور نہ فقط حافظ تھے بلکہ سب کے سب لکھنا پڑھنا جانتے تھے اور سب کے پاس پورا قرآن کتابی صورت میں بین الدفتین لکھا ہوا مجموع و مرتب موجود تھا اور حسب فرمان نبویؐ تمام مہاجرینؓ و انصارؓ کتاب دیکھ کر تلاوت کرنے کے عادی تھے مہاجرینؓ و انصارؓ میں ہی نہیں بلکہ آفاقیوں میں سے بھی اکثر صحابہؓ رفتہ رفتہ پورے قرآن کے حافظ ہو چکے تھے۔ اور فرضیت تحصیل علم کا فرمان نبویؐ سن کر سب کے سب لکھنا پڑھنا بھی سیکھ چکے تھے۔ کیونکہ علّمَ بالقلم کی دلالۃ النص کتابت کی تعلیم حاصل کرنے کی انھیں تاکید کر رہی تھی اور ہر صحابیؓ کے گھر میں قرآن مجید کے متعدد نسخے کامل و مکمل موجود تھے جن میں وہ خود اور ان کے اہل و عیال پڑھتے تھے۔ اور یہ کیوں نہ ہوتا، آخر صحابہؓ اہل کتاب یہود و نصاریٰ کو دیکھتے تھے کہ وہ اپنے پاس ایک کتاب اللہ رکھتے ہیں جن کتابوں کا ذکر قرآن میں موجود ہے۔ ان کی تلاوتِ کتاب اللہ کا بھی تذکرہ قرآن میں وہ دیکھتے تھے کہ یتلون اٰیٰت اللّٰہ اٰنآءَ اللیل۔ بھلا یہ کیوں کر ممکن تھا کہ صحابہؓ کے دلوں میں بھی یہ حسرت پیدا نہ ہوتی کہ ہمارے پاس بھی کتاب اللہ کتاب کی صورت میں مدون و مرتب ہوتی اور ہم لوگ بھی اس کی تلاوت کرتے رہتے۔

ہر صحابی کے گھر میں قرآن کے مکمل نسخے موجود تھے اور مہاجرین و انصار میں سب کے سب حافظ تھے ازواج مطہرات اور دیگر عورتیں بھی قرآن کی حافظہ تھیں

اللہ تعالیٰ نے ضرور پورے قرآن کو رسول اللہ صلعم کی وفات سے بہت پہلے مکمل کر کے رسولؐ و صحابہؓ ہی کے ہاتھوں سے اس کو مرتب و مدون کرا دیا تھا۔ اور ہر گھر میں قرآن کے متعدد نسخے موجود تھے اور صحابہؓ نے حفظ بھی کر لیا تھا جب ہی تو قرآن کے متعلق فرمایا گیا۔ بَلْ هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ (سورہ عنکبوت ج ۲۱ ع ۵) بلکہ وہ (قرآن کی) واضح آیتیں ہیں جن کو (دین کا) علم دیا گیا ہے ان کے سینوں میں (محفوظ ہیں) یعنی علم دین والوں نے ان آیات قرآنی کو حفظ کر لیا ہے۔ اور صحابہؓ میں کون تھا جو علم دین نہیں رکھتا تھا۔ ایک کو دوسرے پر کسی قدر فضیلت ہونا اور بات ہے۔ مگر صحبتِ نبویؐ میں روحانی تربیت پانے والوں میں کا ایک معمولی فرد بھی بعد والے علمائے دین سے کہیں افضل و اعلیٰ درجہ علم دین میں رکھتا تھا۔ مردوں کے علاوہ عورتوں میں بھی حافظات قرآن کی کافی جماعت ہر جگہ موجود تھی۔ ازواج مطہراتؓ میں سب کی سب لکھنا پڑھنا جان گئی تھیں اور سب کی سب پورے قرآن کی حافظہ تھیں اس لئے کہ ان کو تو خاص طور سے تلاوت و حفظ قرآن کا حکم تھا[1] وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ اور تم لوگ یاد کرتی رہو آیات اللہ اور حکمت کی باتوں کو جو تمہارے گھروں میں تلاوت ہوتی رہتی ہیں (احزاب ۷ ع ۲۲)۔ اور ہر ایک کے پاس کتابی صورت میں پورا قرآن لکھا ہوا بھی موجود تھا۔ صحابہؓ میں کاتبین کی ایک بڑی جماعت تھی جو قرآن لکھا کرتی تھی۔ بعض صحابہؓ کتابت قرآن پر اجرت بھی لیتے تھے جس کی ان کو اجازت تھی۔ ان براہین قاطعہ کے باوجود کیا اس کا گمان بھی کیا جا سکتا ہے کہ قرآن عہد نبویؐ میں جمع نہیں ہوا تھا اور حضرت عمرؓ کے مشورے سے حضرت ابوبکرؓ ایک اتنے بڑے اہم کام پر آمادہ ہوئے تھے جس میں خود ان کو جھجک تھی اور انھوں نے صرف زید بن ثابتؓ کو بلا بھیجا اور اتنا بڑا اہم ترین کام صرف انھیں کے سپرد کر دیا؟ اور دوسرے کسی صحابیؓ سے مشورہ تک نہ کیا؟ ابی بن کعبؓ، معاذ بن جبلؓ، عبداللہ بن مسعودؓ اور سالم بن معقل مولے ابی حذیفہؓ جن سے قرآن سیکھنے کے لئے آنحضرت صلعم لوگوں سے کہا کرتے تھے ان کو بھی نہ بلوایا اور مشورہ جمع قرآن میں شریک نہ کیا؟

صرف انصار کیوں؟

ایک سوال یہاں یہ پیدا ہوتا ہے کہ عہد نبوی میں صرف چار پانچ انصاری صحابیوں کے قرآن جمع کرنے کی روایت، اور پھر رسول اللہ صلعم کا یہ حکم کہ قرآن ان چار شخصوں سے سیکھو، ان چار میں چار تو خالص انصار ہی ہیں، صرف ایک مہاجر ہیں تو وہ بھی ایرانی الاصل، ایک قریشی کے غلام آزاد کردہ، جن کی مادری زبان بھی عربی نہ تھی، آخر مہاجرین کے جمع قرآن کا ذکر کیوں

(ع ۵ یہ حدیث صحیح بخاری میں ابن عباسؓ سے مروی ہے۔ دیکھو تیسیر الوصول جلد ۲ ص ۲۶۳)

---

[1] واذکرن فرمایا گیا واحفظن نہیں گیا تاکہ یہ معلوم ہو کہ صرف زبانی یاد کر لینا ہی تمہارا فریضہ نہیں ہے بلکہ یاد ہونے سے پہلے جس طرح تم پڑھتی رہیں یہاں تک کہ پورا قرآن تمہیں یاد ہو گیا تو یاد کر لینا ہی صرف مقصود نہیں ہے بلکہ اب برابر زبانی بھی اور کتاب دیکھ کر بھی پڑھتی ہی رہا کرو یہی کرو یہی تمہاری ڈیوٹی ہے یہ مفہوم واذکرن ہی سے نکل سکتا ہے۔ اسی لئے واقرئن یا واتلین نہیں کہا گیا ۱۲ منہ غفرلہ

نکیا؟ ان کو تو انصار سے زیادہ قرآن سیکھنے کا موقع ملا تیرہ سال ہجرت سے پہلے رسول اللہ صلعم کے ساتھ رہے، آغاز نزول ہی سے قرآن کی تعلیم حاصل کر رہے تھے۔ لکھنے کا بھی رواج پہلے ہی سے تھا، رسول اللہ صلعم کا حکم تحصیل علم اس قدر تھا کہ اس کو فرض قرار دیا، قرآن نے وعلّم بالقلم کہہ کر بتا دیا کہ علم قلم یعنی کتابت ہی کے ذریعے آسکتا ہے۔ اس لئے یقیناً تمام مہاجرین فریضۂ تحصیل علم بذریعہ قلم ہی میں منہمک ہوں گے اور سب نے لکھنا پڑھنا سیکھ لیا ہوگا۔ ہر صحابی کتابت قرآن میں مصروف ہوگا۔ جیسے جیسے قرآن اترتا جاتا ہوگا لوگ رسول اللہ صلعم کی تعلیم کے مطابق لکھتے جاتے ہوں گے اور حفظ کرتے جاتے ہوں گے جس کا کھلا ہوا ثبوت یہ ہے کہ ابھی انتالیس ہی آدمی مسلمان ہوئے تھے کہ ایک مصحف لئے ہوئے حضرت خباب بن الارتؓ حضرت سعید بن زیدؓ (حضرت عمرؓ کے چچیرے بھائی اور اپنے بہنوئی اور اپنے سالے) اور حضرت فاطمہؓ بنت الخطاب (حضرت عمرؓ کی بہن) کے یہاں آیا کرتے تھے اور قرآن کی تعلیم دیا کرتے تھے حضرت سعیدؓ اور ان کی بیوی فاطمہؓ دونوں ہی لکھنا پڑھنا جانتے تھے ایک بار خبر پاکر حضرت عمر اپنے اسلام لانے سے پہلے آئے تو حضرت عمر نے اپنے بہنوئی اور بہن کو قرآن مصحف میں پڑھتے دیکھا۔ حضرت عمر نے تشدد کیا اور کسی قدر مار پیٹ کی حضرت فاطمہؓ نے کہا تم مار ڈالو جب بھی ہم لوگ اس دین سے نہیں پھرنے کے۔ آخر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اچھا لاؤ، ذرا ہم دیکھیں کہ وہ کیا چیز ہے جس پر تمہارا ایسا ایمان ہے۔ حضرت فاطمہؓ نے کہا کہ تم کافر ہو، ناپاک ہو، تمہاری ظاہری طہارت کا بھی اعتبار نہیں یہ ایسی کتاب ہے کہ لا یَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ۝ اس کو پاک لوگوں کے سوا کوئی بھی نہیں چھو سکتا۔ تم غسل کرلو تو ہم یہ کتاب تمہیں دیں۔ حضرت عمر نے غسل کیا اور کتاب لے کر سورہ طٰہٰ پڑھنے لگے۔ جب لتجزیٰ کُلُّ نفسٍ بما تسعیٰ پر پہنچے تو بولے "کیا اچھا اور پاکیزہ کلام ہے" پھر سورہ تکویر پڑھنے لگے جب علمت نفس ما احضرت پر پہنچے تو پھر وہی کہے دہرائے ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ پہلے وہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے متاثر ہوئے۔ پھر سورہ حدید پڑھنے لگے تو سبح للہ ما فی السمٰوٰت والارض سے شروع کیا اور فاٰمنوا باللہ و رسولہ پر پہنچے تو بے اختیار بول اٹھے اشھد ان لا الٰہ الا اللہ واشھد ان محمدا رسول اللہ (روض الانف ج ۱ ص ۲۱۷ سے ۲۱۸ تک)۔

(مگر سورہ حدید مدنی ہے اور باعتبار تعداد چودھواں سورہ ہے۔ اس لئے ممکن ہے کہ آغاز سورہ کی سات آیتیں آغاز زمانہ اسلام ہی میں اتری ہوں۔ جیسا کہ مضمون آیات سے بھی اس کا قرینہ معلوم ہوتا ہے ورنہ یہ ماننا پڑے گا کہ یہ دوسری روایت موضوع اور غلط ہے۔ تمنا عفرلہ)

بہرحال یہ ضرور معلوم ہوگیا کہ آغاز اسلام ہی میں مسلمان صحابہ اور صحابیات میں لکھنے پڑھنے کا رواج شروع ہوگیا تھا اور اسی وقت سے قرآن مصحف کی شکل میں کتابی صورت میں صحابہ لکھ لکھ کر جمع کر رہے تھے۔ اور ہجرت کے قبل مہاجرین نے قرآن کی وہ سب سورتیں اور آیات جن کا نزول مکہ میں ہوچکا تھا کتابی صورت میں لکھ لکھا کر اپنے اپنے پاس رکھ لی تھیں، اور وہ سب مصاحف ہجرت کے موقع پر اپنے اپنے ساتھ لائے تھے۔ انصار میں بھی جو لوگ ہجرت سے پہلے دونوں عقبوں کے موقع پر مکہ جا جا کر ایمان لاتے گئے تھے وہ بھی کتابی صورت ہی میں قرآن ضرور مکہ سے اپنے ساتھ لائے تھے، اس لئے کہ محض چند دنوں میں وہ تمام مکی سورتوں کو جن کی تعداد ۸۶ کہی جاتی ہے کس طرح یاد کرلیتے اور پھر گھر آکر عورتوں بچوں کو کس طرح تعلیم دیتے۔ ہجرت سے پہلے انصار میں کتابت کے جاننے والے بہت کافی تھے سعد بن عبادہ، منذر بن عمرو، اسید بن حضیر، رافع بن مالک وغیرہم ماہرین کتابت تھے۔ اور زمانۂ جاہلیت سے کتابت جانتے تھے۔ ان میں بعض شریک عقبہ بھی تھے، اس لئے ضرور قرآن مکہ سے لکھ کر لائے ہونگے۔ اور خود اس میں یاد کرتے ہوں گے اور اپنے بچوں اور عورتوں کو قرآن کی تعلیم اسی میں دیتے ہوں گے چنانچہ رسول اللہ صلعم جب ہجرت کرکے مدینے پہنچے تو بعض کم سن لڑکے پیش کئے گئے کہ انھوں نے اتنی سورتیں یاد کرلی ہیں، جس سے آپ خوش ہوئے۔ اور یہ سب قرآن کے بغیر کتابی شکل میں لائے ہوئے بہت دشوار تھا۔

لہ حضرت خبابؓ کی وفات استیعاب میں ابن عبد البر ۳۷ھ لکھتے ہیں اور عمر ۶۳ سال۔ اور پھر ان کو سابقون الاولون من المہاجرین بھی لکھتے ہیں اور بہت سابق الاسلام مانتے ہیں۔ مگر اس حساب سے یہ حضرت عمر کے اسلام کے وقت بہت کم سن ٹھہرتے ہیں اس لئے وہیں پر خود دوسرا قول استیعاب میں لکھا ہے کہ ان کی وفات ۳۹ھ میں حضرت عثمانؓ کے زمانہ خلافت میں ہوئی اور حضرت عمرؓ نے ان کے جنازے کی نماز پڑھائی یہی قول صحیح معلوم ہوتا ہے واللہ اعلم۔ ۱۲ منہ عفرلہ

سے یہ واقعہ ۶ھ بعثت نبوی کا ہے۔ (الفاروق ص ۱ حصہ اول)

مکہ مکرمہ میں بھی پڑھے لکھے بہت کافی لوگ تھے اور مدینہ طیبہ میں بھی۔ میں نے ان کی فہرست مختصر سی اپنی کتاب اعجاز القرآن میں درج کی ہے۔ مگر اس کا اندازہ اسی سے لگایا جاسکتا ہے کہ جنگ بدر میں جو لوگ مالی فدیہ ادا نہیں کر سکتے تھے ان سے فدیہ میں انصار کے لڑکوں کو کتابت کی تعلیم کا کام لیا گیا۔ مگر اس سے یہ سمجھنا کہ مدینے کے لوگ کتابت نہیں جانتے تھے مکے کے قیدیوں ہی سے کتابت سیکھ کر اس سے واقف ہوئے تاریخ سے بے خبری کی دلیل ہے۔ مدینے کے لوگ مکے والوں سے کم کتابت کے ماہر نہ تھے مگر مطلب یہ تھا کہ انصار کے یہ لڑکے قریش کے رسم خط سے واقف ہو جائیں۔ قریشی مہاجرین کے ساتھ رہنے سے قریشی زبان اور محاورہ ولغت سے واقفیت ہوگی ہی، قریشیوں سے کتابت سیکھ کر قریشی رسم خط اور املا سے بھی آگاہ ہو جائینگے۔ پھر ان کو قرآن کی تلاوت وکتابت وحفظ میں قریشیوں ہی کی طرح سہولت ہوگی۔ اور پھر ان نادار قیدیوں کو ادائے فدیہ میں بھی آسانی ہوگئی۔

مگر یہ سوال پھر ضرور باقی رہتا ہے کہ جب مہاجرین، انصار کے اعتبار سے بہت پہلے سے قرآن یاد کر رہے تھے اور ہر ایک کے پاس مصحف میں قرآن لکھا ہوا بھی موجود تھا، پھر قرآن ان کی مادری زبان میں اترا تھا انھیں کے محاورے اور لغات کے مطابق قرآنی عبارتیں تھیں، اور یہ سب باتیں انصار کو میسر نہ تھیں پھر بھی رسول اللہ صلعم نے لوگوں سے فرمایا کہ خذوا القرآن من اربعۃ قرآن چار آدمیوں سے سیکھو۔ عبداللہ بن مسعودؓ سے، سالم (مولیٰ ابن حذیفہؓ) سے، معاذ بن جبلؓ سے، اور ابی بن کعبؓ سے (بخاری)

(۱) سالمؓ اگرچہ مہاجر تھے۔ مگر عجمی ایرانی الاصل تھے، حضرت ابوحذیفہؓ کے غلام آزاد کردہ تھے ابوحذیفہؓ کی بیوی انصاریہ تھیں، اور یہ دراصل انھیں کے موالی میں سے تھے۔ ان کو انھیں نے حضرت ابوحذیفہ سے کہہ کر آزاد کر دیا تھا۔ اس لئے انصار سے بھی بحیثیت ایک انصاریہ کے ایک غلام آزاد کردہ ہونے کے ان کے تعلقات تھے اور پھر حضرت حذیفہؓ نے ان کی آزادی کے بعد ان کو متبنیٰ کر کے اپنے ساتھ رکھ لیا تھا اور انھیں کے ساتھ یہ رہے اس لئے مہاجرین میں ایک مہاجر بھی تھے۔ غرض یہ ایرانی الاصل تھے اس لئے ایک عجمی تھے۔ مگر انصاریوں میں انصاری اور مہاجرین میں ایک مہاجر بھی تھے۔ چونکہ ایک قریشی کے ساتھ سالہا سال رہے اس لئے قریش کی زبان، قریش کے لغات ومحاورات سے قریش کی رسم خط اور املا سے پوری طرح واقف تھے۔

(۲) عبداللہ بن مسعودؓ بن غافل بن حبیب بن شمخ بن فار بن مخزوم بن صاہلہ بن کاہل بن الحارث بن تمیم بن سعد بن ہذیل بن حزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر۔ یہ ہذلی کہے جاتے ہیں ان کی والدہ بھی ان کی ہم نسب ہذلیہ تھیں حضرت ام عبد انصاریہ۔ (میں نے یہ سلسلہ نسب استیعاب سے نقل کیا ہے۔ مگر نہایۃ الارب فی معرفۃ انساب العرب میں "ہذیل بن مدرکہ بن الیاس" خزیمہ کے نام کو حذف کر کے لکھا ہے۔ اور اسی طرح ابن خلدون میں بھی ہے۔ ابن خلدون میں خزیمہ کو ہذیل کا بھائی بتایا ہے۔ خزیمہ ان کے نزدیک مدرکہ کے بیٹے ہیں۔ اور کنانہ کے باپ۔ اور کنانہ سے قریش کا سلسلۂ نسب چلتا ہے یعنی ہذیل کے بھتیجے سے۔ غرض بنی ہذیل قریشیوں کے ہم جد تھے) بہرحال قریش ہذیل دونوں بنی مضر ہیں ہم جد ہیں اسی لئے عبداللہ بن مسعودؓ کے تعلقات قریشیوں سے بہت تھے اور یہ قریش کی زبان، محاورے اور لغات سے پوری طرح واقف تھے قریشی رسم خط اور املا خوب جانتے تھے۔ اگرچہ انصاری تھے چونکہ ان کی ننہال انصاریوں میں تھی۔

(۳) معاذ بن جبلؓ بن عمرو بن اوس بن عائذ بن عدی بن کعب بن عمرو بن اوی بن سعد بن علی بن اسد بن سادہ بن تزید بن خشم بن الخزرج۔ انصار کے مشہور قبیلہ بنی خزرج سے تھے۔

(۴) ابی بن کعبؓ بن قیس بن عبید بن زید بن معاویہ بن عمرو بن مالک بن النجار۔ وہو ثیم اللات بن ثعلبہ بن عمرو بن الخزرج الاکبر المعاوی الجدیلی۔ بنو معاویہ کو بنو جدیلہ کہا کرتے تھے۔

معاذ بن جبلؓ اور ابی بن کعب دونوں قریش کے حلیف تھے اور دونوں کے دیرینہ تعلقات قریش[1] سے تھے۔

---

[1] مدینے کے دو قبیلے اوس اور خزرج بہت بڑے بڑے قبیلے اور بہت ممتاز تھے۔ ابن خلدون ج ۲ ص ۲۹ کان بینھم وبین قریش اخاء قدیم وحلف۔ یعنی قریش اور اوس وخزرج کے درمیان پرانا بھائی چارہ اور شادی بیاہ کے تعلقات تھے۔ اس لئے ان قبائل کے بہتیرے افراد کو قریشی لغات ومحاورات ورسم خط واملا پر کافی عبور تھا۔ ۱۲ منہ عفرلہ

(۵) زید[1] بن ثابت بن الضحاک بن زید بن لوذان بن عمرو بن عبد عوف بن غنم بن مالک بن النجار۔ ان کی والدہ نوار بنت مالک بن معاویہ بن عدی بن عامر بن غنم بن عدی بن النجار تھیں۔ یہ دادیہال ننہال ہر طرف سے نجاری تھے

(۶) ابوزید بن النضر بن ضمضم بن زید بن حرام بن جندب بن عامر بن غنم بن عدی بن النجار بن ثعلبہ بن عمرو بن الخزرج بن الحارثہ۔ یہ بھی نجاری تھی۔ اور جتنے نجاری ہیں سب خزرجی ہیں۔

یہ ابوزید حضرت انس بن مالک خادم رسول اللہ صلعم کے حقیقی چچا تھے۔ لاولد تھے۔ اس لئے حضرت انسؓ ہی ان کے وارث ہوئے۔

(۷) ابودرداء۔ ان کا نام عویمر تھا۔ عویمر بن عامر بن مالک بن زید بن قیس۔ بعضوں نے لکھا ہے عویمر بن قیس بن زید بن امیہ۔ بعضوں نے عویمر بن عبداللہ بن زید بن قیس بن ثعلبہ بن عامر بن عدی بن کعب بن الخزرج بن الحارث بن الخزرج لکھا ہے۔ ابودرداء کا نام بعضوں نے عامر بن مالک بتایا ہے اور لکھا ہے عویمر لقب تھا۔ ان کی ماں محبۃ بنت واقد بن عمرو بن الاطنابہ تھیں۔ یہ بھی خزرجی ہی تھے جن کے برادرانہ تعلقات قریشیوں سے تھے۔

تعلیم قرآن کے متعلق ان پہلے چار شخصوں کو تمام مہاجرین و انصار میں سے رسول اللہ صلعم نے اس لئے چنا کہ ان میں ایک اگرچہ عجمی الاصل تھے، لیکن وہ مہاجرین میں مہاجر اور انصاریوں میں انصاری تھے، مگر قریشیوں کے ساتھ ہمیشہ رہنے کی وجہ سے لغات و محاورات و رسم و خط و املائے قریش سے پوری طرح واقف تھے۔

انصاریوں میں سے تین صحابہ کو منتخب کیا۔ اور تینوں خزرجی۔ بنی خزرج عموماً اور خاص کر کے ان تینوں کے تعلقات قریشیوں سے بہت زیادہ تھے۔ لغات و محاورات و رسم خط و املائے قریش سے یہ تینوں پوری طرح باخبر تھے۔ زبان ان کی بالکل قریشیوں ہی کی طرح تھی۔ قرآن بالکل اسی لب و لہجہ سے پڑھتے تھے۔ تاریخ ابن خلدون جلد دوم صفحہ اقل ۲۹۰ میں ہے (اوس و خزرج کے ذکر کے بعد) وکان بینھم وبین قریش اخاء قدیم وحلف۔ یعنی خزرج و اوس مدینہ کے دونوں قبیلوں اور قریش کے درمیان پرانا بھائی چارہ اور رشتہ کا تعلق تھا۔ مگر اوس سے زیادہ خزرج سے یہ تعلقات تھے۔ چنانچہ عبداللہ بن مسعود کی نانی قریشیہ، حارث بن زہرہ بن کلاب القرشی کی بیٹی تھیں۔ اور یہ خود ہذیلی تھے، اور ہذیل اور قریش دونوں مضر ہی کی دو شاخیں ہیں۔

حضرت معاذ بن جبل خزاعی تھے۔ اور بنی خزاعہ مکی الاصل تھے۔ مکہ سے منتقل ہونے کے بعد بھی قریش کے حلیف رہے۔ اور نسب کے اعتبار سے بنی خزاعہ بھی مضری ہی تھے جیسا کہ نہایۃ الارب فی معرفۃ انساب العرب صفحہ ۳۵۵ میں لکھا ہے۔ اس لئے یہ بھی لغات و محاورات و رسم خط و املائے قریش سے اچھی طرح واقف تھے اور قریشیوں ہی کے لب و لہجہ میں پڑھتے تھے۔

غرض رسول اللہ صلعم نے غیر قریشی صحابہ کی تحریص و ترغیب کے خیال سے غیر قریشی ہی چار ایسے آدمیوں کو منتخب کیا جو باوجود غیر قریشی ہونے کے قریشی لغات و محاورات سے پوری طرح واقف تھے اور قریشی لب و لہجہ بھی رکھتے تھے، اور قرآن بالکل قریشیوں ہی کی طرح پڑھتے تھے تاکہ ان سے دوسرے غیر قریشی صحابہ بھی قرآن سیکھ کر قریشی لغات و محاورات اور قریشی لب و لہجہ سیکھنے میں دشواری محسوس نہ کریں اور سمجھیں کہ جب یہ غیر قریشی ہونے کے باوجود قریشیوں کی طرح قرآن سمجھتے اور پڑھتے ہیں تو ہم بھی قریشیوں کی طرح سمجھ سکتے اور پڑھ سکتے ہیں۔ اگر انصاریوں کو قریشیوں یا مہاجرین مکی الاصل سے قرآن سیکھنے کے لئے کہا جاتا تو یہ بات نہ ہوتی، اور

---

[1] زید بن ثابت کے بارے میں استیعاب ج ۱ ص ۱۸۱ میں ہے کہ ان کو رسول اللہ صلعم نے سریانی زبان سیکھنے (یا لکھنے کی تعلیم حاصل کرنے) کے لئے حکم دیا تو انھوں نے پندرہ دن سے کم مدت میں زبان اور رسم خط دونوں سیکھ لیں اور رسول اللہ صلعم کے پاس جو خط سریانی زبان میں آتے تھے اسکو پڑھ کر دیتے تھے اور سریانی جواب جو بنا جاتا تھا لکھا کرتے تھے بعضوں نے سریانی زبان اور رسم خط کے عوض عبرانی زبان اور رسم خط لکھا ہے [illegible] اصل عبرانی زبان کی اصل ہے اسلئے عربی اور عبرانی زبان اور رسم خط میں تھوڑا فرق ہے۔ تعجب ہے کہ ان کو تو سریانی یا عبرانی سیکھنے کو کہا مگر [illegible] عربی زبان کی کتابت سیکھنے کا حکم تو کجا شورہ تک نہ دیا؟ حالانکہ آپ کو ضرور ہر شخص کو کتابت سیکھنے کی تاکید فرمائی جبکہ طلب علم کو [illegible] فرض بتایا [illegible]

انصاری کہہ سکتے تھے کہ ان کا مادری لب ولہجہ ہم کہاں سے لاسکتے ہیں۔ ہم سے اس طرح تلفظ ادا نہ ہوسکے گا۔ مگر جب دیکھیں گے کہ یہ لوگ بھی تو انصاری ہی ہیں، غیر قریشی ہی ہیں اور ایک تو عجمی الاصل ہیں۔ جب ان لوگوں سے قریشی لب ولہجہ اتر سکتا ہے تو پھر ہمارے لئے یہ کیوں دشوار ہوگا۔ ہم بھی کوشش کریں۔

یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ قرآن کی تعلیم باعتبار تلفظ ولہجہ اور باعتبار رسم خط واملا اور باعتبار لغات ومحاورات کی ضرورت اہل مکہ اور قریشیوں کو نہ تھی کیوں کہ ان کی تو زبان ہی میں قرآن اترا تھا۔ اس کی اگر ضرورت تھی تو کسی قدر ان انصار کو جن کے تعلقات مکہ اور قریشیوں سے نہیں رہے تھے۔ یا آفاقی صحابہ کو۔ اسی لئے مہاجرین کے لئے نہ معلم مقرر کرنے کی ضرورت تھی، نہ مہاجرین کو معلم مقرر کرنا مقتضائے مصلحت تھا۔ اسی لئے ان چار صحابہ کو رسول اللہ صلعم نے انصاریوں اور آفاقیوں کے لئے قرآن کا معلم مقرر فرمایا۔ اور انھیں انصاریوں اور آفاقیوں کو آپ نے فرمایا تھا کہ جس کو قرآن اسی طرح پڑھنا ہو جس طرح اترا ہے وہ عبداللہ بن مسعودؓ کے پڑھنے کے مطابق پڑھے۔ یعنی انھیں کا لب ولہجہ اتارے یعنی وہ بالکل قریش ہی کے لب ولہجہ سے ادا کرتے ہیں اور قرآن قریش ہی کی زبان میں اترا ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ عبداللہ بن مسعود کے سوا کوئی قریشی بھی ان کے برابر نہیں پڑھ سکتا۔ آنحضرت صلعم نے انصاریوں کی سہولت کے خیال سے ایک صحیح پڑھنے والے انصاری ہی کا نام بتادیا۔

جمع قرآن۔ باقی رہی جمع قرآن والی دو روایتیں جو حضرت انس سے بخاری میں مروی ہیں، کہ جن لوگوں نے عہد نبوی میں قرآن جمع کیا وہ سب انصاری ہی تھے۔ ابی بن کعب، معاذ بن جبل، زید بن ثابت اور ابوزید۔ دوسری روایت میں انس بن مالکؓ ہی سے دوسری ہے کہ حضرت انس نے فرمایا کہ رسول اللہ صلعم وفات فرما گئے اور چار آدمیوں کے سوا کسی نے قرآن نہیں جمع کیا۔ ابودرداء معاذ بن جبل، زید بن ثابت، اور ابوزید۔ اور ابوزید نے جو جمع کیا تو اس کے وارث ہم ہوئے۔ پہلی روایت ہمام بن یحییٰ بن دینار الازدی العوذی البرویجی سے ہے جو کسی ازدی کے غلام آزاد کردہ تھے بذات خود تو لوگ ان کو ثقہ اور سچا لکھتے ہیں، مگر حافظہ ان کا خراب تھا اس لئے یحییٰ بن سعید ان کی حدیثیں روایت نہیں کرتے تھے، ابن سعد نے لکھا ہے کہ یہ غلطی کر جاتے تھے۔ ابوحاتم نے بھی ان کے حافظہ کی شکایت کی ہے۔ ابوبکر البرویجی نے ان کو لا یحتج بہ یعنی ناقابل استناد کہا ہے۔ اور قتادہ تو پرانے حاطب اللیل، مشہور مدلس، مرسل روایت کرنے کے خوگر اور قدریہ مذہب کے داعی تھے۔ معلوم نہیں اس روایت میں قتادہ کی تدلیس کا کہاں تک دخل ہے اور ہمام کے ضعف حافظہ کا کہاں تک اثر ہے؟ اور یہ تو آپ یہیں پر خود دیکھ رہے ہیں کہ دونوں روایتیں حضرت انس ہی کے متعلق ہیں مگر دوسری روایت پہلی روایت کی صاف تردید کر رہی ہے۔ کیونکہ دوسری روایت میں حصر کے ساتھ ہے کہ ابودرداء، معاذ بن جبل، زید بن ثابت، اور ابوزید کے سوا کسی نے حیات نبوی میں قرآن جمع ہی نہیں کیا۔ مگر پہلی روایت میں ابودرداء کا نام ہی نہیں۔ ان کے عوض معاذ بن جبل کا نام ہے۔ دوسری روایت معاذ بن جبل کے عہد نبوی میں قرآن جمع کرنے سے انکار کر رہی ہے۔

اور دوسری روایت عبداللہ بن المثنیٰ سے ہے جو خود رکیک ضعیف الحدیث، منکر الحدیث وغیرہ سب کچھ ہیں۔ پھر اس روایت کا کیا کہنا ہے۔ اس لئے یہ حدیث تو ضرور یا تو سرے سے موضوع ہے یا کتر بیونت کر کے دونوں حدیثیں روایت کی گئی ہیں۔ یہ بالکل خلاف عقل ہے کہ عہد نبوی میں اتنے مہاجرین میں سے کسی نے بھی قرآن جمع نہ کیا ہو۔ جن کو ابتدائے نزول سے ۱۳ برس تک انصار سے پہلے دن رات کا واسطہ رہا ان میں سے کسی نے بھی قرآن جمع نہ کیا؟ اور صرف انصار ان میں سے بھی فقط چار یا پانچ ہی سہی، پانچ نے جمع کیا؟ اگر واقعی حضرت انس نے کہا ہوگا تو یہ کہا ہوگا کہ قبیلہ بنی اوس کے مقابلے میں بنی خزرج میں سے ان چار نے سب سے پہلے عہد نبوی میں قرآن جمع کیا۔ ورنہ صحاح ہی کی روایت سے اور متعدد صحابہ کا عہد نبوی میں قرآن کا جمع کر لینا ثابت ہے۔ خود حضرت عثمان ذوالنورین رضؓ نے فرمایا تھا کہ جس نے عہد نبوی میں سب سے پہلے قرآن جمع کیا وہ میں تھا۔ دیکھئے تاریخ الخلفاء ترجمہ حضرت عثمانؓ۔ اس لئے حضرت انسؓ کی وجہ سے ان روایتوں کا اعتبار کرنا درحقیقت صحابہ کی قرآنی خدمات اور ان کے قرآنی اہتمام سے انکار اور تمام صحابہ پر ظلم ہے۔

کتاب الامام یا کتاب الام واسطوانۂ مصحف کا ذکر

کتابت وحی کا کام رسول اللہ صلعم نے کبھی کسی ایک شخص مومنین کے سپرد نہیں کیا تھا بلکہ مہاجرینؓ و انصارؓ جیسے معتمد و معتبر لوگوں میں سے جو شخص بھی وقت پر موجود رہا اس سے آپ اس وقت کی نازل شدہ آیات کو اس کتاب میں جس کا نام امام اور ام تھا جو پہلے مسجد نبوی بننے کے بعد اس کے ایک ستون کے پاس ایک صندوق میں محفوظ رہتی تھی لکھوا دیا کرتے تھے اسلئے اس ستون کو "اسطوانۂ مصحف" کہتے تھے اسی ستون کے پاس بیٹھ کر صحابہ قرآن یاد کیا کرتے تھے، اور کتاب الامام سے قرآن اپنے اپنے مصحفوں میں نقل کیا کرتے تھے، جیسا کہ خود زید بن ثابت ہی سے مروی ہے کہ وہ فرماتے تھے کہ کنا عند رسول اللہ صلعم نؤلف القرآن من الرقاع۔ یعنی زید بن ثابت فرماتے تھے کہ ہم لوگ رسول اللہ صلعم کے پاس (بیٹھکر) رقعوں سے یعنی اوراق سے قرآن جمع کیا کرتے تھے (مستدرک حاکم والاتقان ج ۱ صلہ و فتح الباری) غرض اسی ستون کے پاس آنحضرت صلعم کے پیش نظر صحابہؓ کتاب الام سے اپنے اپنے مصاحف نقل کر کے جمع کیا کرتے تھے۔

جب منافقین کی ریشہ دوانیاں بڑھیں تو ان کے دست برد سے بچانے کے لئے وہ صندوق مسجد سے اٹھا کر ام المومنین حضرت حفصہؓ کے کے یہاں بھیج دیا گیا اور مصحف الامام اس وقت سے حضرت حفصہؓ کی زندگی تک برابر حضرت حفصہؓ کے پاس رہا۔

تو جب کوئی تازہ وحی نازل ہوتی تو پہلے زمانہ میں اسطوانہ کے پاس سے صندوق نکال کر، اور بعد کو حضرت حفصہؓ کے یہاں سے کتاب الام منگوا کر اس میں آنحضرت صلعم خود اپنے سامنے حاضر الوقت کاتب وحی سے اس نازل شدہ وحی کو لکھوا دیتے تھے۔ اس میں ایک مصلحت یہ بھی تھی کہ اگر ایک ہی کاتب ہوتا تو اس کی صحت کی ذمہ داری صرف اسی ایک شخص پر ہوتی۔ دوسرے کو خبر نہ ہوتی کہ کیا لکھوایا گیا اور لکھنے والے نے کیا لکھا۔ بخلاف اس صورت کے کہ جب متعدد لکھنے والے تھے تو ہر لکھنے والے نے پہلے کی لکھی ہوئی آیت پر بھی نظر ڈال لی اور پڑھ لیا۔ اوپر کی چند آیت ہی سہی کہ پہلے شخص نے کیا لکھا ہے۔ صرف لکھا ہوا تو ہوتا نہ تھا۔ بلکہ جو لکھا جاتا تھا اس کو پھر ہر شخص تک پہنچا دیا بھی جاتا تھا اور پھر ہر شخص اس کو یاد بھی کر لیتا تھا۔ اور ہر شخص اپنی کتاب میں نقل بھی کر لیتا تھا۔ جو آیت نازل ہوئی یا جو سورہ نازل ہوا اس کو ایک کاتب وحی نے تو اس کتاب الامام میں سب سے پہلے لکھ دیا پھر ہر حاضر شخص نے کسی پرزے، لکڑی، ہڈی، ٹھیکری یا چمڑے پر یعنی اس وقت جو چیز اس کو ایسی میسر آئی جس پر لکھ سکے اس پر لکھ لیا اور پھر گھر آکر اپنی کتاب میں اس نے نقل کر لیا۔ مگر وہ پرزہ یا لکڑی یا ہڈی یا ٹھیکری یا چمڑا جس پر وہ لکھ کر لایا تھا اس کو بھی اس نے ضائع نہ کیا بلکہ کسی مشکے یا دوسرے ظرف میں یا کسی کپڑے میں لپیٹ کر محفوظ رکھ لیا کہ آخر اس پر قرآن کی آیت لکھی ہوئی ہے، ضائع اور پامال نہ ہو۔

یہ وہ شے ہے لکھا جاتا ہے جس پر نام اس گل کا ۔۔۔ اٹھائے آدمی کرزہ میں پائے پڑا کاغذ

غرض کتاب الامام میں جس وقت جو نئی نازل شدہ آیت لکھی گئی وہ نقل در نقل ہو کر تمام صحابہؓ تک جلد از جلد پہنچ گئی، اور پھر ہر شخص کے سینے اور سفینے دونوں ہی میں محفوظ کر لی گئی۔ یہ بات روایت صحیحہ سے ثابت ہے کہ جو آیت اترتی تھی اس کو آنحضرت صلعم لکھنے والے سے وہیں پر لکھواتے تھے جو اس کا محل ہوتا تھا۔ یعنی لکھنے کے وقت بتا دیتے تھے کہ اس آیت کو فلاں سورہ میں فلاں آیت کے بعد لکھو جیسا کہ صحیح حدیثوں میں موجود ہے۔ اس لئے کتاب الامام کی طرح ہر شخص کے صحیفے میں ہر نئی آیت آپ کی ہدایت کے مطابق اپنے محل پر ہی لکھی جاتی تھی، اور پھر اسی کے مطابق لوگ یاد بھی کر لیتے تھے۔ چونکہ کتابت اور حفظ دونوں کا سلسلہ ساتھ ساتھ جاری تھا اور کتابت و حفظ کے بعد ہر شخص اپنے مصحف میں تلاوت روزانہ کا بھی پابند تھا۔ اس لئے اعراب اور نقطے کتابت میں نہ رکھنے کی ضرورت تھی کہ تلفظ و جہاں بصیغۂ جمع غائب ہے وہاں باوجود نقطے نہ ہونے کے "ی" ہی کے ساتھ پڑھا جاتا تھا۔ اور جہاں بصیغۂ جمع حاضر ہے وہاں باوجود نقطے نہ ہونے کے "تم" ہی کے ساتھ پڑھا جاتا تھا۔ اس لئے کہ ہر لکھنے والے نے خاص رسول اللہ صلعم یا کسی ماہر قرآن صحابی سے سن کر لکھا تھا اور زبانی تلقین کے مطابق حفظ بھی کر لیا تھا۔ کتاب دیکھ کر پڑھنے کی تاکید[1] اسی لئے تھی کہ لوگ بسبب حفظ کے کتاب سے

---

[1] یہ وہ ہے جس کو اسطوانہ یا حکیم سطیحا اس نے قرآن یعنی قرآن میں تمہاری آنکھوں کا حصہ ہے وہ ان کو دیا کرو یعنی مصحف دیکھ کر پڑھا کرو۔

کتاب دیکھ کر پڑھنے کا حکم اور تاکید

مستغنی تھے اور زبانی ہی پڑھنے پر اکتفا کرتے تھے لیکن کتاب دیکھ کر پڑھنے سے دونا ثواب پانے کی بشارت سن کر امید ثواب ضرور کتاب دیکھ کر پڑھتے تھے۔ مگر ہر چند نظر تو کتاب کی سطروں پر دوڑتی تھی لیکن زبان سے وہی نکلتا تھا جو زبانی یاد تھا چنانچہ اس وقت بھی حفاظ قرآن سامنے کھلا رکھ کر پڑھتے ہیں اور ہر مسلمان ان سورتوں کو جو اسکو یاد ہیں جب قرآن دیکھ کر پڑھتا ہے تو اسی طرح پڑھتا ہے۔

غلطی کتابت سے کوئی حافظ غلط نہیں پڑھ سکتا بلکہ غلطی کی تصحیح کر لیگا

اگر کسی کتاب میں کاتب کی غلطی سے نقطے یا اعراب غلط بھی لگے ہوں، کوئی حرف یا لفظ چھوٹ بھی گیا ہو تو عموماً اس پر نظر نہیں پڑتی اور اپنی یاد کے مطابق حافظ صحیح ہی پڑھ جاتا ہے، کبھی غلطی کتابت پر نظر پڑ گئی تو فوراً قلم لے کر اس غلطی کی تصحیح کر لیتا ہے بعض وقت ایسا بھی ممکن ہے کہ جس لفظ پر نظر پڑی وہاں رک گیا اور جو لکھا ہوا دیکھ رہا ہے اس کے متعلق مشتبہ ہوا کہ جو لکھا ہوا ہے وہ صحیح ہے یا جو مجھ کو یاد ہے وہ صحیح ہے۔ ایسے وقت میں نہ کسی دوسرے نسخے یا کسی دوسرے حافظ کی طرف رجوع کرتا ہے اور اس نسخے کی یا اپنی یاد کی تصحیح کر لیتا ہے۔ اس دور اول میں نقطے یا اعراب مصاحف میں نہیں تھے تو اس کی وجہ سے پڑھنے والوں میں کسی طرح کا بھی اختلاف ممکن نہ تھا۔ ایسا نہیں ہو سکتا تھا کہ یعلمون کو کوئی تعلمون یا یحسبون کو یحسنون پڑھ دے۔ اس لئے کہ قرآن کا اصل تعلق زبانی تلقین سے تھا نہ کہ کتابت سے۔ اور زبانی تلقین کا آخری سلسلہ ہر پڑھنے والے کا خاص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی تک منتہی ہوتا تھا۔ اور وہ تلقین صرف ایک ہی بار نہیں ہوتی تھی۔ بلکہ صحابہ کرامؓ بار بار نمازوں میں تو ضرور اور نمازوں سے باہر بھی رسول اللہ صلعم سے قرآن کی سورتیں سنا کرتے تھے۔ اس لئے زبانی تلقین پر تلقین ہوتی رہتی تھی۔ پھر صحابہؓ بھی آپس میں دور کیا کرتے تھے۔ ہر سال ماہ رمضان میں حضرت جبرئیلؑ رسول اللہ صلعم کے پاس آتے تھے اور پورے قرآن کا دور کیا کرتے تھے۔ صحیح بخاری وغیرہ میں یہ روایت موجود ہے۔ اس لئے

(بقیہ حاشیہ از صفحہ گذشتہ) پڑھا کرو اور مشکوٰۃ میں ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ قراءۃ الرجل فی غیر المصحف الف درجۃ وقراءتہ فی المصحف تضعف علی الفی درجۃ یعنی قرآن غیر مصحف میں (زبانی) پڑھنا ہزار گنا ثواب کا درجہ رکھتا ہے اور مصحف میں دیکھ کر پڑھنا دو گنا ہو کر دو ہزار گنا ثواب کا درجہ رکھتا ہے (مشکوٰۃ باب فضائل القرآن صفحہ ۱۸۰ آخر صفحہ)۔

(حاشیہ صفحہ ہذا) باب کان جبرئیل یعرض القرآن علی النبی صلعم وقال مسروق عن عائشۃ عن فاطمۃ اسر الی النبی صلعم ان جبرئیل یعارضنی بالقرآن کل سنۃ وانہ عارضنی العام مرتین ولا اراہ الا حضر اجلی یعنی بخاری کتاب ابواب فضائل القرآن میں ایک باب ہی منعقد ہے کہ حضرت جبرئیلؑ آنحضرت صلعم کے سامنے قرآن مجید عرض کیا کرتے تھے۔ اس باب میں یہ حدیث ہے کہ مسروق حضرت ام المومنین حضرت عائشہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت فاطمہؓ زہراؓ نے ان سے کہا کہ رسول اللہ صلعم نے مجھ سے راز کے طور سے فرمایا کہ جبرئیلؑ ہر سال ایک بار مجھ سے قرآن کا دور کرتے تھے مگر امسال انھوں نے دو بار مجھ سے قرآن کا دور کیا۔ اس سے میں اور تو کچھ نہیں سمجھتا بجز اس کے کہ میرا وقت آگیا (بخاری ج ۔۔ ص ۔۔) اور مشکوٰۃ باب الاعتکاف میں (صفحہ ۱۷۵ میں) ہے عن ابن عباس قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اجود الناس بالخیر وکان اجود ما یکون فی رمضان۔ کان جبرئیل یلقاہ کل لیلۃ فی رمضان یعرض علیہ النبی صلعم القرآن فاذا لقیہ جبرئیل کان اجود بالخیر من الریح المرسلۃ (متفق علیہ) وعن ابی ہریرۃ قال کان یعرض علی النبی صلعم القرآن کل عام مرۃ فعرض علیہ مرتین فی العام الذی قبض وکان یعتکف کل عام عشرا فاعتکف عشرین فی العام الذی قبض رواہ البخاری یعنی عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلعم بھلائی میں سب سے زیادہ سخی تھے اور رمضان میں تو اور بھی زیادہ سخی ہو جاتے تھے۔ جبرئیلؑ رمضان کی ہر رات کو آپ کے پاس آتے تھے اور رسول اللہ صلعم ان کو قرآن سناتے تھے۔ تو جب آپ کے پاس جبرئیل آتے تھے تو آپ بھلائی میں خدا کی طرف سے بھیجی ہوئی ہوا سے بھی زیادہ تیز ہوتے تھے۔ یہ حدیث متفق علیہ ہے اور ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ ہر سال رسول اللہ صلعم کے سامنے قرآن پیش کیا جاتا تھا (یعنی جبرئیلؑ پڑھ کر سناتے تھے) ایک بار مگر جس سال آپ کی وفات ہوئی اس سال دو دور ہوئے۔ اور آنحضرت صلعم ہر سال (رمضان میں) دس دن اعتکاف فرماتے تھے مگر جس سال آپ کی وفات ہوئی بیس دن اعتکاف فرمایا۔ یہ حدیث بخاری میں ہے۔

ضرور پورے قرآن کا دور ہوتا تھا اور اسی بنا پر نازل شدہ آیات کا محل و مقام رسول اللہ صلعم کو معلوم ہوتا تھا۔ اور آپ کاتب وحی کو بتا دیتے تھے کہ اس آیت کو فلاں سورہ میں فلاں آیت کے بعد لکھو۔ اگرچہ بعض روایتوں میں یہ بھی وارد ہے کہ حضرت جبرئیل امینؑ جب وحی لے کر آتے تھے تو وہ بھی رسول اللہ صلعم کو یہ بتا دیتے تھے کہ یہ آیت فلاں سورہ کی ہے اس کو فلاں آیت کے بعد لکھوائیے، مگر یہ محض بطریق احتیاط و از قبیل یاد دہانی تھا۔ یہ ناممکن تھا کہ آپؐ بطور خود جس آیت کو جس سورہ میں جہاں پر آپ مناسب سمجھتے لکھوا دیتے۔ آخر جب حضرت جبرئیلؑ کے ساتھ دور ہوتا تھا تو اس میں آیات کی اور پھر سورتوں کی کوئی ترتیب تو ضرور ہوتی تھی۔ تو یقیناً اسی ترتیب کے مطابق آپؐ نے آیات و سور کو لکھوایا۔ اس میں کون سی بات ہے جو سمجھ میں نہیں آتی۔ اور خواہ مخواہ ترتیب[1] نزول کا ہم نے کراس کی ایک غلط اہمیت بیان کر کے ترتیب توقیفی جو حضرت جبرئیلؑ کی قرارت کے مطابق حسب حکم فاذا قرأناہ فاتبع قرآنہ موجود ترتیب آیات و سور خود رسول اللہ صلعم کی قائم کردہ ہے اور عہد نبوی سے آج تک بے مثل تواتر کے ساتھ قائم ہے ایسی قطعی چیز کی اہمیت گھٹائی جاتی ہے۔ افسوس! واللہ المستعان علی ما یصفون ۰

ترتیب نزول کی پرفریب اہمیت

آنحضرت صلعم توقیف کیمطابق آیات و سور کی ترتیب قائم کر کے مصحف الامام میں لکھواتے تھے

باقی رہی وہ روایت کہ آنحضرت صلعم کاتب وحی کو فرماتے تھے کہ فلاں سورہ میں ایسی جگہ لگا دو جہاں پر اس اس قسم کی آیتیں ہوں یعنی آپؐ امین کاتب وحی کو مجاز بنا دیتے تھے

---

[1] اگر ترتیب نزول کی عند اللہ و عند الرسول کوئی اہمیت ہوتی تو یقیناً ترتیب نزول کے مطابق ہی رسول اللہ صلعم قرآن کو لکھواتے، اور حضرت جبرئیلؑ کو اسکی ضرورت نہ پڑتی کہ آیات کا محل و مقام آ کر بتاتے، اور اللہ تعالیٰ حسب وعدہ قرآنی ترتیب نزول کے مطابق ہی قرآن کو جمع کراتا اور اس کو محفوظ رکھتا، اگر ترتیب نزول کے مطابق ترتیب جمع و تدوین مناسب ہوتی تو اس میں دشواری کیا تھی۔ آسانی تو اسی میں تھی جیسے جیسے سورتیں آیتیں اترتی جاتیں آپ لکھواتے جاتے اور لوگ لکھتے جاتے۔ مگر چونکہ ترتیب نزول کے مطابق جمع و تدوین منشائے الٰہی کے مطابق نہ تھی اس لئے لوح محفوظ کی ترتیب کے مطابق جس طرح حضرت جبرئیل کے ساتھ رسول اللہ صلعم دور فرمایا کرتے تھے۔ اور جس طرح حضرت جبرئیل بتاتے تھے آنحضرت صلعم نے اس کے مطابق جمع و تدوین رکھی، اور اسی کے مطابق تلاوت و حفظ اور کتابت و قرارت کا سلسلہ قائم رہا۔ ۱۲ منہ غفرلہ

[2] استیعاب ج ۱ ص ۳۳۳ میں بضمن ترجمہ حضرت امیر المومنین اعظم صدیق اکبر رضی اللہ عنہ مذکور ہے کہ خلف بن قاسم عبداللہ بن عمر سے وہ احمد بن محمد بن الحجاج سے وہ یحییٰ بن سلیمان سے وہ اسمٰعیل بن علیہ سے وہ ایوب السختیانی سے وہ محمد بن سیرین سے روایت کرتے ہیں کہ ابن سیرین نے کہا کہ جب حضرت صدیق اکبرؓ کے ہاتھ پر سب لوگوں نے بیعت کر لی تو حضرت علیؓ نے ان کے ہاتھ پر بیعت کرنے میں دیر کی اور گھر میں بیٹھ رہے تو حضرت ابوبکرؓ نے ان کے پاس کسی کو بھیج کر پوچھوایا کہ کس بات نے آپ کو روک رکھا؟ کیا آپ میرے امیر منتخب کئے جانے کو ناپسند کرتے ہیں؟ تو حضرت علیؓ نے کہلوا بھیجا کہ میں آپ کی امارت کو ناپسند نہیں کرتا۔ لیکن میں نے قسم کھائی ہے کہ میں اپنی چادر نہیں اوڑھوں گا بجز نماز کے لئے جب تک میں قرآن جمع نہ کر لوں۔ ابن سیرین نے کہا کہ حضرت علیؓ نے لکھا ترتیب نزول کے مطابق۔ اگر یہ کتاب مل جاتی تو اس میں بہت سا علم مل جاتا۔ اس حدیث کے پہلے راوی خلف بن قاسم بالکل مجہول ہیں دوسرے صاحب کون ہیں اس کا بھی پتا نہیں اس نام کے متعدد راوی ہیں۔ باقی رہے تیسرے احمد بن محمد بن الحجاج بن رشدین بن سعد ابو جعفر المصری ابن حجر لکھتے ہیں قال ابن عدی کذبوہ واکذبت علیہ الشیاء محدثین نے ان کو جھوٹا قرار دیا ہے اور ان کی بعض حدیثوں سے انکار کیا ہے۔ اس کے بعد و من اباطیلہ (ان کی باطل حدیثوں میں سے) کہہ کر بعض حدیث نقل کی ہے ۲۹۲ھ میں مرے علامہ فہمونی نے کہا کہ ان کے باپ دادا پردادا سب ضعیف الحدیث تھے ان کے شیخ احمد بن صالح بھی ان کو کذاب کہتے تھے۔ (لسان المیزان جلد اول ص ۲۵۷) یہ روایت اتقان جلد اول ص ۵۸ میں ہے ہودہ خلیفہ سے اور وہ عون سے وہ ابن سیرین سے مگر ہودہ بن خلیفہ منکر الحدیث اور غیر ثقہ تھے اور عون نام کا کوئی شخص ایسا نہیں جو ابن سیرین سے روایت کرتا ہو اسلئے یہ طریق روایت بھی ناقابل اعتبار ہی ہے اور تقیہ کی علامت ق بھی ان کے نام کے بعد موجود ہے دیکھ لیجئے کتب رجال شیعہ۔

اسمٰعیل بن علیہ سے حدیثوں کی روایت نہیں ہے۔ البتہ ان کے صاحبزادے ابراہیم بن اسمٰعیل بن علیہ سے روایت ہے مگر ابن حجر لسان المیزان میں ان کو جہمی خبیث ملعون لکھتے ہیں اور ان کو کوئی ثقہ نہیں لکھتا۔ اپنے باپ سے صرف یہی تنہا روایت کرتے ہیں اور بس۔ اور ایوب السختیانی سے ابن علیہ تو ضرور روایت کرتے ہیں مگر ابن علیہ تو ابراہیم ہی کو کہتے ہیں جیسا کہ لسان المیزان ج ۶ ص ۲۸۵ میں لکھا ہے "ابنا" کی تفصیل اور کوئی بھی "ابن علیہ" نہیں کہا جاتا۔ اسی لئے اسمٰعیل بن علیہ کا ذکر نہ تہذیب التہذیب میں ہے نہ لسان المیزان میں نہ تقریب میں نہ میزان الاعتدال میں۔

(باقی حاشیہ بر صفحہ آئندہ)

تھوڑا سا اشارہ بتا کر، اور وہ اس اشارے کے مطابق اپنی سمجھ سے اس آیت کے لئے کسی سورہ میں ایک جگہ متعین کر لیا کرتا تھا، ..... محض افتراء اور رسول اللہ صلعم و کتاب اللہ دونوں پر بہتان ہے، جس کی شہادت بزبانِ حال خود اس روایت کی نشست الفاظ دے رہی ہے۔

عوف اعرابی رافضی شیطان تھا

اس کے علاوہ اس حدیث کا راوی عوف اعرابی ہے جس کو ابن حجر نے تہذیب التہذیب ۸ ص ۱۶۷ میں کان قد رمی بالرفض شیطاناً لکھا ہے۔ یہ روایت ترمذی ج ۲ ص ۱۳۲ اور مسند احمد ج ۱ ص ۵۷ میں ہے دیکھ لیجئے۔ اور عوف اعرابی کی جسارت اور محدثین کی سادہ لوحی دیکھ کر عبرت حاصل کیجئے۔ مسند امام احمد ج ۴ ص ۲۱۸ حدیث عثمان بن العاص کے آخر میں ایک اور روایت موجود ہے جس کا مختصر ترجمہ یہ ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ ابھی میرے پاس جبرئیل آئے اور انھوں نے مجھ سے کہا کہ اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ الآیہ کو فلاں سورہ میں فلاں جگہ پر رکھو۔ مختصر کنز العمال جلد ۲ ص ۴۰ میں بھی ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ جبرئیل آئے اور انھوں نے مجھ سے کہا کہ اس آیت کو فلاں سورہ میں فلاں جگہ رکھو۔ اور ظاہر ہے کہ سورہ نام ہی ہے مجموعۂ آیات کا، اور آیت نام ہے مجموعۂ کلمات کا۔ قرآن میں آیت اور سورہ دونوں کا ذکر موجود ہے۔ جس چیز کا نام موجود ہے یقیناً اس کا مسمّٰی بھی ضرور موجود ہے۔ کفار سے کہا جاتا ہے کہ ایسی دس سورتیں بھی بنا کر لاؤ اور ایک سورہ کے متعلق بھی کہا گیا ہے۔ اگر سورتوں کی، آیات کی کوئی ترتیب ہی نہ تھی تو سورتوں کا وجود کہاں سے آیا؟ جس خدا نے جس فرشتے کی معرفت قرآن مجید نازل فرمایا، اسی خدا نے اسی فرشتے کی معرفت آیات کی ترتیب اور سورتوں کی تحدید ضرور بتا دی، اور جب جو سورہ مکمل ہو گیا تو اس کی تکمیل کی اطلاع بھی ضرور دے دی۔ یہ حدیث جو عثمان بن العاص سے مروی ہے یہ بھی ضرور ناقص ہے۔ کیونکہ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آیت مذکور پہلے اتر چکی تھی اور معلق تھی نہ یہ معلوم تھا کہ یہ کس سورہ کا جزء ہے۔ رسول اللہ صلعم حیران تھے کہ اس کو کہاں رکھیں یا آپ بالکل خالی الذہن تھے کہ اچانک غیر متوقع طور سے جبرئیل نے آکر اس کا محل بتا دیا، حال آنکہ یہ بالکل خلاف عقل ہے۔ جو آیت جس وقت اتری اسی وقت اس کا موقع و محل بتا دیا گیا، اور اسی وقت وہ آیت اپنے محل پر لکھوا دی گئی۔ اور جو بتایا بھی گیا وہ محض مبنی بر احتیاط تھا۔ ہر سال جبرئیل جو آکر آپ کے ساتھ قرآن کا دور کیا کرتے تھے اس وجہ سے آپ کو خود ہر آیت کا موقع و محل معلوم تھا اور پورا قرآن آپ کو حفظ ہو گیا تھا۔

زید بن ثابت کی کتابت وحی میں کوئی خصوصیت نہ تھی

اتنی تصریح سے یہ اچھی طرح ثابت ہو گیا کہ زید بن ثابتؓ کی کوئی خصوصیت نہ تھی کہ جمع قرآن جیسے اہم کام کے لئے حضرت صدیق اکبرؓ نہ صرف انھیں کو دوسرے کاتبین وحی میں سے منتخب فرماتے اور بالفرض اگر کوئی خصوصیت ان کے نزدیک تھی بھی۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ زید بن ثابتؓ اس وقت موجود تھے جبکہ آخری مرتبہ

زید بن ثابت کی عرضۂ آخیرہ میں شرکت

حضرت جبرئیلؑ رسول اللہ صلعم کے ساتھ قرآن کا دور کر رہے تھے۔ اگرچہ یہ خلاف عقل ہے اور ہرگز کسی صحیح روایت سے ثابت نہیں مگر بالفرض مان بھی لیا جائے تو اتنا بڑا اہم کام ہرگز ہرگز تنہا زید بن ثابتؓ کے ذمے چپکے سے حضرت ابوبکرؓ سپرد نہیں کر سکتے تھے۔ یقیناً اس کے لئے حضرت صدیق اکبرؓ تمام مہاجرینؓ و انصارؓ کو مدعو کرتے اور حسب معمول خطبہ دیتے جس میں حمد و ثنا کے بعد اس مہم پر ہر شخص کی رائے طلب کرتے، اور ہر وہ شخص جس کو قرآن کا کچھ حصہ بھی یاد ہو یا کوئی حصہ بھی رسول اللہ صلعم کے سامنے کا لکھا ہوا ہو سب کے بلوانے کیلئے نفیر عام کرتے۔ متعدد لکھنے والے ہوتے اور ایک ایسا معتمد علیہ شخص تمام زبانی و

(بقیہ حاشیہ از صفحہ گزشتہ) محمد بن سیرین کی ولادت حضرت عثمان کی شہادت سے دو برس پہلے ہوئی انھوں نے حضرت علی کو دیکھا نہ حضرت ابوبکر کو یہ واقعہ حضرت ابوبکر کی ابتدائے خلافت کا آخر کسی سے سنا؟ ابن حجر تہذیب التہذیب جلد ۹ ص ۲۱۵ میں لکھتے ہیں کہ حضرت عثمان کی خلافت کے جب دو برس رہ گئے تھے تو یہ پیدا ہوئے اور ۱۱۰ھ میں فات پائی۔ درحقیقت یہ روایت احمد بن یحییٰ الحجاج یا یحییٰ بن سلیمان کی من گھڑت ہے۔ اسی روایت کی بنیاد پر لوگ حضرت علیؓ کے جمع قرآن مطابق ترتیب نزول کا ڈھول پیٹا کرتے ہیں جو دراصل حضرت علیؓ پر مخالفت رسول و مخالفت جبرئیل بلکہ مخالفت منشائے الٰہی کا بہتان ہے۔ معاذ اللہ من ذلک۔

(حاشیہ صفحہ ہذا) ؎ متاخرین نے بخاری کی اس روایت میں یہ خامی محسوس کی اور پھر نئی نئی روایتیں بنا بنا کر اور بعضوں نے بطور شرح اپنی طرف سے لکھ لکھ کر نفیر عام وغیرہ کا ذکر کیا ہے۔ مگر متاخرین کی یہ ترمیم اس حدیث کے نقص کا اور بھی بانگ دہل اعلان کر رہی ہے ۱۲ فافہم

تحریری شہادتیں لے لے کر املا کراتا جو آغاز نزول وحی سے قرآن کی ایک ایک سورت اور ایک ایک آیت سے واقف تھا اور باقی دوسرے لوگ جو علم قرآن میں اس کے ہم پلہ تھے، اس کے شریک املا ہوتے، دیکھتے اور سنتے رہتے۔ اور اس طرح یہ کام اہل علم صحابہؓ کے مجمع میں پورے حزم و احتیاط کے ساتھ ہوتا۔ جس کا سلسلہ یقیناً مہینوں تک جاری رہتا۔ نہ یہ کہ حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ سے کہا اور حضرت ابوبکرؓ نے صرف حضرت زید بن ثابتؓ کو بلا کر چپکے سے کہہ سن کر آمادہ کر لیا۔ اور بس اسی دن یا دوسرے دن پورا قرآن جمع ہو گیا۔ جس کی خبر زید بن ثابتؓ کے سوا اور کسی اور کو نہ ہو سکی۔ اور پھر حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ نے کبھی اس واقعہ جمع قرآن کا ذکر بھی کسی سے نہ کیا۔ اِنَّ هٰذَا لَمِنْ اَعَاجِيْبِ الزَّمَنِ۔ زید بن ثابتؓ بھی اپنی پوری زندگی میں اس واقعہ جمع صدیقی کو کسی شخص سے بھی نہیں کہتے ہیں، اگر کہتے ہیں تو صرف عبید بن السباق سے جو ان کی وفات کے کئی برس بعد پیدا ہونے والا ہے یا شاید ان کی وفات کے وقت صرف دو برس کا تھا۔ زید بن ثابتؓ کے بیٹے خارجہؓ ان کو خبر ہے تو صرف نقل مصاحف بعہد عثمانی کی، یا شاید اس کی بھی نہیں کیونکہ یہ تو صرف آیت احزاب کی گم شدگی و بازیابی کا ذکر کرتے ہیں۔ جو مشتبہ ہے۔ نہ معلوم جمع صدیقی کے وقت یا نقل مصاحف بعہد عثمانی کے وقت۔ حضرت انسؓ بن مالکؓ بھی جانتے ہیں تو اسی نقل مصاحف بعہد عثمانی کو مگر ان کو کسی آیت کے بھی گم ہونے اور کسی کے پاس ملنے کی کوئی اطلاع نہ تھی۔ جمع قرآن بعہد صدیقی کی اطلاع ان لوگوں کو بھی معلوم ہوتی نظر نہیں آتی۔ ورنہ یہ لوگ عبید بن السباق سے زیادہ حقدار تھے کہ اس کی روایت کرتے۔

زید بن ثابتؓ نے واقعہ جمع قرآن عبید بن سباق کے سوا اور کسی سے کبھی بیان نہیں کیا۔

انس بن مالک خادم النبی صلعم کو جمع صدیقی کی کوئی خبر نہ تھی

انس بن مالکؓ تو خود ایک انصاری صحابی تھے۔ زید بن ثابتؓ سے عمر میں یہ صرف ایک ہی برس تو چھوٹے تھے۔ وہ جمع قرآن بعہد صدیقی میں شریک ہونگے۔ اگر املا و کتابت میں شریک نہ ہونگے تو شہادت زبانی و تحریری تو ضرور ہوگی، اس کے کیا معنی ہیں کہ نقل مصاحف بعہد عثمانی کی تو یہ روایت کرتے ہیں، مگر جو اس سے زیادہ اہم واقعہ جمع قرآن بعہد صدیقی کا تھا۔ اس کا مطلق ذکر کسی سے بھی نہیں کرتے۔ نقل مصاحف والی روایت میں کہتے ہیں کہ "حضرت عثمانؓ نے حضرت ام المومنین حفصہؓ کے پاس کسی کو بھیجا کہ آپ صحیفے بھیج دیجئے۔ ہم لوگ مصاحف میں انکو لکھ لیں گے، اور پھر یہ صحیفے آپ کے پاس واپس کر دینگے"، مگر اس کا مطلق ذکر نہیں کرتے کہ وہ صحیفے جو حضرت ام المومنین حفصہؓ کے پاس تھے، وہ کیسے تھے، اور کب کے لکھے ہوئے تھے جیسے یہ کوئی مشہور بات تھی، سارے مسلمان اس سے واقف تھے۔ اگر یہ کہا جائے کہ جمع صدیقی کے واقعے سے سب لوگ واقف تھے، اور ان صحف صدیقی کے حضرت حفصہؓ کے پاس ہر پھر کر چلے آنے کی خبر سب کو معلوم تھی، اس لئے اس عہد عثمانی کے نقل مصاحف والی روایت کے موقع پر اسکی تصریح نہ کی کہ وہ صحیفے جو حضرت حفصہؓ کے پاس تھے کیسے تھے اور کب کے لکھے ہوئے تھے، تو یہ صحیح نہ ہوگا۔ کیونکہ حضرت عثمانؓ کے وقت جمع صدیقی کی روایت بنی ہی نہ تھی کہ ان کو اس کی اطلاع ہوتی۔ حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ نے صرف زید بن ثابتؓ کو چپکے چپکے جمع قرآن کا کام انجام دینے کو کہا اور وہ چپکے چپکے انجام دیتے رہے۔ من صدور الرجال یعنی لوگوں کو جو کچھ قرآن یاد تھا وہ بھی ایک ایک سے پوچھتے تھے تو معلوم نہیں ان لوگوں کو اس کی اطلاع بھی دیتے تھے یا نہیں کہ ہم کس لئے پوچھ رہے ہیں اور تختی اور ٹھیکری وغیرہ پر بقول راوی جو کچھ لوگوں کے پاس آیتیں تھیں وہ بھی جو ان سے لے لے کر لاتے تھے تو کیا کہہ کر سے لیتے تھے یہ بھی خدا کو معلوم، اس لئے کہ زید بن ثابتؓ کے سوا کسی سے بھی جمع صدیقی کی روایت نہیں ملتی۔ تنہا زید جو خود جامع قرآن تھے وہی اس کی روایت کرتے ہیں، وہ بھی ایک ایسے شخص سے جو ان کی وفات کے وقت زیادہ سے زیادہ دو برس کا تھا۔ اور وہ بھی تنہا ہی اس کی روایت کرتا ہے تو صرف زہری سے۔

انس بن مالک کو اسکی مطلق خبر نہ تھی کہ حضرت حفصہ کے پاس جو صحیفے ہیں وہ کیسے ہیں

جمع صدیقی کی روایت پوری راز داری کے ساتھ سو برس تک وحدانی سلسلے سے سینہ بسینہ ہوتی رہی

جو روایت اس راز داری کے ساتھ تقریباً سو برس تک سینہ بسینہ بالکل وحدانی سلسلے کے ساتھ چلی آرہی ہو، اس کی خبر بے چارے حضرت عثمانؓ کو کیا ہو سکتی تھی۔ حضرت عمرؓ نے صرف حضرت ابوبکرؓ سے کہا، حضرت ابوبکرؓ نے صرف زید بن ثابتؓ سے کہا، زید بن ثابتؓ نے صرف ایک دو برس کے بچے عبید بن السباق سے کہا۔ عبید بن السباق نے صرف زہری سے کہا۔ البتہ زہری نے ایک صدی کے بعد پردۂ کتمان کو چاک تو کیا۔ لیکن اپنے سیکڑوں شاگردوں میں سے صرف یونس، شعیب، ابراہیم، اور عبدالرحمٰن بن خالد چار ہی قابل وثوق اور معتمد علیہ تلامذہ کو اس ایسے راز کا ہمراز بنایا جو سو برس کے وحدانی سلسلے سے ایک ہی ایک شخص کے سینے میں پوشیدہ چلا آرہا تھا۔ ان چاروں کے بھی زہری کے سوا بیسیوں شیوخ تھے، مگر کسی نے بھی اپنے کسی دوسرے شیخ سے اسکے متعلق کچھ نہ پوچھا، کہ ہم نے جمع قرآن کے متعلق اسناد زہری سے ایسا سنا ہے۔ آپ کو اس کی کچھ خبر ہے؟ - اس روایت میں غالباً کسی مصلحت کی بنا پر نہیں بتایا گیا ہے کہ کس کو حضرت ابوبکرؓ نے زید بن ثابتؓ کے پاس بھیجا تھا۔ بہرحال آگے چلئے۔ زہری سے عبید بن السباق کہتے ہیں کہ زید بن ثابتؓ سے حضرت ابوبکرؓ نے کہا کہ میرے پاس عمرؓ نے آکے کہا کہ یمامہ کے دن حفاظ قرآن کے

جبکہ صدیق اکبرؓ نے زید بن ثابتؓ کے بلانے کے لئے بھیجا تھا اس کا نام مصلحتہً نہیں بتایا گیا

قتل کا بازار بہت گرم رہا، اور میں ڈرتا ہوں کہ اگر حفاظ کے قتل کا بازار (اسی طرح مختلف) مقامات پر گرم رہا تو قرآن کے بہت سے حصے جاتے رہیں گے"۔ اس عبارت میں فیذھب کثیر من القرآن "تو قرآن کے بہت سے حصے جاتے رہیں گے"۔ کا فقرہ صاف بتا رہا ہے کہ حفاظ قرآن میں پورے قرآن کا کوئی حافظ نہ تھا۔ بلکہ مختلف آیتوں اور سورتوں کے مختلف لوگ حافظ تھے، ان میں کتنے ایسے تھے جو بعض آیتوں یا سورتوں کے حفظ میں متفرد تھے۔ یعنی جو حصہ ایک کو یاد تھا وہ دوسرے کو نہیں) اور جو دوسرے کو یاد تھا وہ تیسرے کو نہیں۔ کیونکہ ایسی حالت میں حفاظ کے قتل سے قرآن کے بہت سے حصوں کے چلے جانے کا خطرہ ہو سکتا ہے۔ چنانچہ

قرآن کے بہت سے حصے جاتے رہیں گے

اتقان و کنز العمال کی ایک جھوٹی روایت جس میں یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ قرآن کے بعض حصے غائب ہو گئے

اسی مفہوم کی تائید میں ایک روایت بنائی گئی ہے جس کو ابن ابی داؤد کی کتاب سے سیوطی نے اتقان ج ص میں نقل کیا ہے۔ [۱] حضرت عمرؓ نے کسی آیت کے بارے میں (جو موجودہ قرآن میں نہیں ہے) کسی سے پوچھا تو ان سے جواب میں کہا گیا کہ وہ آیت فلاں کے ساتھ (یعنی فلاں کو یاد) تھی جو یمامہ کے دن شہید ہو گئے۔ تو حضرت عمرؓ نے فرمایا انا للہ وانا الیہ راجعون (اسی واقعے سے ان کو ہوش ہوا) اور جمع قرآن کا حکم (یعنی مشورہ حضرت ابوبکرؓ کو) دیا۔ تو (گویا) یہی سب سے پہلے جامع قرآن ہیں۔ صحیفوں میں"۔ یعنی باعث جمع قرآن یہی ہیں۔ غرض اس عبارت کی یہ ہے کہ دیکھنے والا سمجھے کہ جب تو ضرور قرآن کے کچھ حصے غائب ہو گئے اور اللہ تعالیٰ نے حفاظت قرآن کا جو وعدہ کیا ہے، وہ قرآن کے بعض حصوں کے متعلق پورا نہ ہو سکا۔ معاذ اللہ من ذالک۔

صحابہ کی کثرتِ تعداد

حقیقت یہ ہے کہ صحابہؓ کی اتنی کثیر تعداد بفضلہٖ تعالیٰ تھی کہ کہا جاتا ہے کہ حجۃ الوداع میں رسول اللہ صلعم کے ساتھ ایک لاکھ صحابہؓ تھے اور یقیناً بوڑھے، بیمار، عورتیں اور معذور صحابہؓ جو حجۃ الوداع میں شریک نہ ہو سکے تھے ان کی تعداد بھی مذکورہ تعداد سے کم نہ ہو گی، اور یہ بھی ہم لکھ چکے ہیں کہ رسول اللہ صلعم کی ترغیب و تاکید تعلیم و تعلم قرآن پر اور تلاوت و قرارت کی مزاولت کا حکم اور ہر مسلم مرد و عورت پر فرضیت تحصیل علم کا عام اعلان، اور پھر عام طور سے صحابہؓ کا قرآن پاک کے ساتھ شغف یہ سب باتیں ایسی ہیں کہ شاید ہی کوئی ایسا کم نصیب صحابی ہو جس نے دو ڈھائی سال بھی شرف صحبت نبویؐ رکھنے کے باوجود پورا قرآن وفات نبویؐ تک حفظ نہ کر لیا ہو اور چونکہ تحصیل علم ہر مرد و عورت پر فرض تھی اور کتاب دیکھ کر پڑھنے کی تاکید اور دوگنا ثواب کی بشارت تھی اس لئے کم و بیش ہر شخص نے ضرور لکھنا پڑھنا بھی سیکھ لیا ہو گا۔ اور ہر ایک کے پاس کتابی صورت میں قرآن مجید موجود ہو گا جس میں وہ

---

[۱] یہ روایت کنز العمال ج ۱ ص ۲۸۰ میں بھی موجود ہے۔ اور اتقان مطبوعہ احمدی ص ۸۲ کے آخر میں بھی ۱۲ منہ

کتاب دیکھ کر پڑھتا ہوگا۔ ایک جنگ یمامہ نہیں پچاس جنگ یمامہ میں بھی اگر ستر ستر حفاظ شہید ہوں تو قرآن کے ایک ایک حرف بلکہ ایک نقطے کے بھی چلے جانے کے خطرے کا وہم بھی نہیں ہو سکتا تھا۔ ہزاروں حافظ پورے قرآن کے موجود تھے، ہزاروں دلوں سے پورے قرآن کے لکھے ہوئے گھر گھر میں موجود تھے، ان ستر حفاظ کی شہادت سے قرآن کیوں چلا جانے لگا؟

ایسا کام جسکو رسول صلعم نے نہیں کیا

اور آگے چلئے۔ متن حدیث میں ہے کہ حضرت ابوبکرؓ سے حضرت عمرؓ نے اور پھر جب ابوبکرؓ نے زید بن ثابتؓ سے کہا تو حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمرؓ سے اور زید بن ثابتؓ نے حضرت ابوبکرؓ سے کہا کہ "ایسا کام کس طرح کرو گے جس کو رسول اللہ صلعم نے نہیں کیا" سوال یہ ہے کہ کیا رسول اللہ صلعم نے قرآن نہیں لکھوایا تھا؟

کاغذ کا فقدان

پھر حضرت ابوبکرؓ نے زید بن ثابتؓ سے یہ کیوں کہا کہ "تم رسول اللہ صلعم کے لئے وحی لکھا کرتے تھے" وہ وحی کیا تھی؟ کیا قرآن کے سوا کچھ اور بھی تھا؟ کہا جاتا ہے کہ اس وقت کاغذ یا کاغذ کی طرح کی کوئی چیز نہ تھی جس پر کتاب کی صورت میں قرآن لکھا جاتا اس لئے آنحضرت صلعم ہڈی چھال کھال تختی پتھر اور ٹھیکری وغیرہ پر قرآن لکھواتے تھے۔ اور لکھنے پڑھنے کا اس وقت تمام عرب اور مکہ و مدینہ میں بھی رواج ہی بہت کم تھا گنتی کے چند گنتی کے آدمی لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ تو رسول اللہ صلعم نے چونکہ کتابی صورت میں قرآن نہیں لکھوایا تھا اور حضرت ابوبکرؓ کتابی صورت میں لکھنے کے لئے زید بن ثابتؓ سے کہہ رہے تھے اور ان سے پہلے حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ سے کہا تھا اس لئے یہ کہا گیا کہ جو کام رسول اللہ صلعم نے نہیں کیا وہ تم کس طرح کرو گے؟ تو بالکل غلط اور جھوٹا پروپیگنڈا ہے، صرف اسی جھوٹی حدیث کی بنا پر یہ محض خلاف واقعہ مشہور کیا گیا کہ رسول اللہ صلعم نے قرآن کتابی صورت میں نہیں لکھوایا تھا بلکہ ہڈی، کھال، چھال، تختی، پتھر اور ٹھیکری وغیرہ پر لکھوایا تھا۔ اور اس کی وجہ یہ بتائی کہ چونکہ اس وقت عرب میں کاغذ نہیں ملتا تھا۔ معلوم نہیں ایسا سفید جھوٹ کس طرح سچ اور بالکل صحیح سمجھ لیا گیا ہے کہ ساری اسلامی تاریخ اس سے بھری پڑی ہے۔ اور ہر مصنف اس کو دہرائے جاتا ہے۔ یہ کوئی نہیں سوچتا کہ آخر عرب میں بعثت سے بہت پہلے اہل کتاب رہتے تھے۔ ان کے پاس انکی کتابیں تھیں اور لوگ اپنے ہاتھوں سے لکھ لکھ کر لوگوں میں پھیلاتے تھے یکتبون الکتاب بایدیھم جس کی شہادت قرآن ہی میں موجود ہے۔ آخر توراۃ و انجیل و زبور کس چیز پر لکھی جاتی تھی؟ اور وہ جو خود لکھتے تھے وہ کس چیز پر لکھتے تھے سو سوا دو ڈیڑھ سو شعروں کے قصائد جو لکھ لکھ کر شعراء زائد کعبہ سے لٹکاتے تھے وہ کس چیز پر لکھتے تھے؟ اور سارا عرب تو چند کے سوا ان پڑھ ہی تھا تو کس کے لئے یہ قصائد لکھے جاتے تھے؟ اور اہل کتاب جو اپنے ہاتھ سے لکھ لکھ کر شائع کرتے تھے وہ کس کے لئے؟ اور کس چیز پر؟

تفسیر کبیر سے ایک شہادت

تفسیر کبیر ج ۵ ص ۱۲۶ میں حرمت علیکم المیتۃ والدم الخ کی تفسیر میں لکھا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں اہل عرب کا یہ دستور تھا کہ جب سفر یا جنگ یا تجارت یا نکاح یا کسی دوسرے اہم کام کا ارادہ کرتے تھے تو تیر مارتے تھے اور بعض پر لکھ دیتے تھے۔ امرنی ربی "مجھ کو میرے رب نے حکم دیا" بعض پر لکھ دیتے تھے نھانی ربی "مجھ کو میرے رب نے منع کیا" اور بعض کو خالی سادہ چھوڑ دیتے تھے۔ تو اگر حکم والا تیر نکلتا تو سمجھتے کہ کام کرنا چاہئے اور اگر منع والا تیر نکلتا تو کہتے کہ کام نہیں کرنا چاہئے اور سادہ تیر نکلتا تو پھر دوبارہ یہی عمل شروع کرتے تھے۔ تو "استقسام بالازلام" کے معنی یہ ہیں کہ خیر و شر کا یہ طریقہ سے لگایا جائے"۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ زمانہ جاہلیت میں عرب میں لکھنے پڑھنے کا رواج کافی تھا کہ اس کو ہر شخص کو ٹٹولتا تھی۔ اور تاریخی ثبوت اس زمانے میں کاغذ کے وجود کا بہت کافی ملتا ہے یعنی رسول اللہ کے وقت میں کاغذ سے ہوئے پاپیرس کے آپس میں سب کاغذ ہی پر لکھے گئے۔ جتنے خطوط آپ نے جس جس کے پاس بھیجے سب کاغذ پر لکھے گئے۔ غرض توراۃ و انجیل لکھنے کے لئے اہل کتاب کی ضرورتوں کے لئے معاہدات اور قصائد لکھنے کے لئے خطوط لکھنے کے لئے کاغذ ملتا تھا، اگر نہیں ملتا تھا تو صرف قرآن لکھنے کے لئے۔

زید بن ثابت کا اقرار

ایک طرف تو بخاری کی یہ روایت ہے۔ دوسری طرف خود زید بن ثابت رضؓ ہی کا یہ اقرار موجود ہے کہ وہ فرمایا کرتے تھے کنا عند رسول اللہ صلعم نؤلف القرآن من الرقاع یعنی زید بن ثابت رضؓ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ رسول اللہ صلعم کے پاس (بیٹھکر) رقعوں سے قرآن جمع کیا کرتے تھے۔ اس حدیث کو حاکم نے مستدرک جلد ۲ صفحہ ۶۱۱ میں، جلال الدین سیوطیؒ نے اتقان جلد ۱ صفحہ ۵۸ میں اور ابن حجر نے فتح الباری جلد صفحہ میں نقل کیا ہے، اور سب نے اس کا اعتراف کیا ہے کہ یہ حدیث بخاری و مسلم کی شرطوں کے مطابق ہے۔ اور صحیح ہے۔ ذہبیؒ نے بھی تلخیص المستدرک میں حاکم کی تائید کی ہے۔ تو پھر زید بن ثابت اور ان کے رفقائے کار رقعوں یعنی رقؔ کے اوراق سے کس چیز پر عہد نبوی میں رسول صلعم کے سامنے قرآن نقل کیا کرتے تھے؟ اس حدیث کے الفاظ بتا رہے ہیں کہ کسی لکھنے والے یا چند لکھنے والوں نے پہلے غیر شیرازہ بند غیر مجلد اوراق پر قرآن لکھا تھا۔ زید بن ثابت وغیرہ ان اوراق پر سے کسی شیرازہ بند کتاب ہی پر آنحضرت صلعم کے پیش نظر قرآن نقل کیا کرتے تھے۔ اور غالباً نہیں بلکہ یقیناً نقل کر کر کے ہر صحابی اپنے گھر اپنا نسخہ لے جاتا تھا، جب ہی تو ہر صحابی کے پاس لکھا ہوا قرآن کتابی صورت میں موجود تھا۔ اور آپ صحابہ کو کتاب دیکھکر پڑھنے کی تاکید فرماتے تھے۔ اور سفر میں کتاب ساتھ لیجانے سے منع فرماتے تھے۔ اور وہ اوراق (رقاع) رقِ منشور کے تھے جن پر آنحضرت قرآن لکھواتے تھے۔ رسول اللہ صلعم کے عہد مبارک میں بعض

عہد نبوی میں پیشہ ور کاتبین مصاحف

فقرائے صحابہ رضؓ جو کتابت کے فن قریشی رسم خط و املا کی مہارت رکھتے تھے کتابت قرآن کا کام کرتے تھے اور اس کی اجرت سے بسر اوقات کرتے تھے۔ بعض لوگوں کو اس کمائی کے حلال ہونے پر شبہ ہوا تو رسول اللہ صلعم کے حضور میں مسئلہ پیش ہوا جس پر آپ نے فرمایا کہ احق ما اخذتم علیہ اجراً کتاب اللہ تعالیٰ یعنی جن کاموں پر تم اجرت لیا کرتے ہو ان میں اجرت لینے کی زیادہ حقدار چیز کتاب اللہ ہے۔ اس حدیث کو ابن عباس سے امام بخاریؒ نے روایت کیا ہے (تیسیر الوصول ج ۲ ص ۲۶۳) صاحب تیسیر الوصول اسی حدیث کو لکھکر تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباس سے کتابت مصحف کی اجرت کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا کہ کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ کاتبین مصاحف تو مصور ہیں (یعنی پہلے لکھے ہوئے حروف کی تصویر اتارتے ہیں یا تلفظ و آواز کے لئے جو صورتیں مقرر کی گئی ہیں ان صورتوں کو اتارتے ہیں) وہ لوگ تو اپنے ہاتھ کی کمائی کھاتے ہیں۔ خیر یہ تو ابن عباس رضؓ کا قول ہے بخاری کی روایت میں تو خاص رسول اللہ صلعم کا ارشاد موجود ہے فبای حدیث بعدہٗ یؤمنون ۰ بخاری کی جمع قرآن والی حدیث کی رکاکتوں سے قطع نظر کرتے ہوئے ایک اور بات قابل توجہ ہے کہ حضرت ابوبکر رضؓ نے زید بن ثابت رضؓ کو اس کام کے لئے جو منتخب کیا تو اس کی چار وجہیں بیان فرمائیں جن میں سے ۱ جوان ہونا ۲ عاقل ہونا ۳ غیر متہم ہونا، غور فرمائیے کہ یہ تین باتیں کیا زید بن ثابت رضؓ کے لئے وجہ ترجیح ہو سکتی ہیں؟ کیا انس بن مالکؓ وغیرہ صحابیوں میں یہ تین

زید بن ثابت کے وجوہ انتخاب پر بحث

باتیں اسی حد تک نہ تھیں جو زید بن ثابت رضؓ میں تھیں؟ باقی رہی چوتھی وجہ یعنی کاتب وحی ہونا۔ تو ان سے کہیں زیادہ مدت تک اور کہیں زیادہ حصہ قرآن لکھنے والے دوسرے صحابہ رضؓ موجود تھے جو آغاز نزول سے کتابت وحی کر رہے تھے۔ اور تمام صفات میں زید سے افضل تھے۔ اس صفت میں بھی زید کی کوئی خصوصیت نہ تھی۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ جو شخص آغاز نزول سے آخر تک تمام آیات و سور اور ان کے مواقع نزول وغیرہ سے واقف ہو، پورا قرآن رسول اللہ صلعم کو سنا چکا ہو یا آپ سے سن چکا ہو

---

۵ یہ حدیث اس واقعے کی بنا ہی ہے کہ رسول اللہ صلعم کے وقت میں جو کتاب الامام رق منشور کے رقاع یعنی اوراق پر لکھی جاتی تھی ان رقاع سے ہر لکھا پڑھا صحابی اپنے اور اپنے اہل و عیال کے پڑھنے کے لئے قرآن نقل کر کے لے جایا کرتا تھا۔ جب کوئی وحی آئی سب سے پہلے کتاب الامام میں لکھی گئی اس کے بعد صحابہ اس کتاب الامام کے اوراق سے اپنے اپنے لئے لکھ لکھ کر لے جایا کرتے تھے۔ اسی مضمون کو زید بن ثابت خود جمع متکلم مانی استمراری کے ساتھ بیان کرتے ہیں، کہ ہم لوگ رسول اللہ صلعم کے پاس بیٹھکر رقاع سے قرآن جمع کرتے تھے، تو اتنی احتیاط ملحوظ رہتی تھی کہ اس نقل کے کام کو بھی رسول اللہ صلعم کے پیش نظر ہی انجام دیا جاتا تھا۔ صحابہ کا تو قرآن کے ساتھ اسقدر محتاط معاملہ تھا۔ مگر ان راویان احادیث موضوعہ نے کس طرح صحابہ کو بلکہ خود رسول کو حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کو قرآن کی طرف سے بے پروا ثابت کرنے کی مذموم کوشش کی ہے۔ صحیح حدیثوں کو بھی یا تو غلط عنوان بیان سے روایت کیا، یا اگر کسی قدر صحیح الفاظ رہے تو انھیں موضوع روایتوں کی بنا پر محدثین نے ان صحیح جملوں کے بھی غلط معنی لئے۔ جیسا کہ اس زیر بحث حدیث کے ساتھ ہوا۔

جس کا حفظ قرآن مسلم ہو اور قوی الحافظہ ہو، اوقاف و خواتم و فواصل آیات سے پوری طرح باخبر ہو، پھر زبان قریش، اس کو عجب ہو کیونکہ قرآن زبان قریش میں اترا ہے۔ اور قریش کی رسم خط و طریق املا میں جس کو مہارت تامہ ہو اور خطاطی و خوشنویسی میں بھی کمال حاصل ہو۔ تو ان میں سے تو ایک بات کو بھی زید بن ثابت میں ثابت نہیں کیا گیا۔ اور دوسرے کاتبین وحی متعدد ایسے تھے جن میں یہ سب باتیں یقیناً زید بن ثابت سے زیادہ تھیں۔ مگر افسوس کہ حضرت ابوبکرؓ نے ان لوگوں کو منتخب تو کہاں تک کرتے زید بن ثابت کو کسی کو شریک مشورہ تک نہیں بنایا۔ حضرت عثمانؓ نے زید بن ثابت کے لکھے ہوئے صحیفوں کی نقل کرنے کے لئے تو زید بن ثابت کے ساتھ عبداللہ بن الزبیر سعید بن العاص اور عبدالرحمٰن بن الحارث بن ہشام تین عین قریشی کاتبوں کو یہ کہتے ہوئے ساتھ لگا دیا کہ جہاں زید سے اختلاف ہو تو زید کی بات نہ ماننا کیونکہ وہ قریشی نہیں ہیں اور تم لوگ قریشی ہو۔ قریش ہی کی زبان اور رسم خط کا اتباع کرنا۔ اور بالکل آغاز کار میں ایک غیر قریشی کے سپرد سارا کام جمع آیات و سور کا حضرت ابوبکرؓ نے سپرد کر دیتے ہیں ایک عجیب و غریب بات ہے۔

حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ نے زید پر بھروسہ کر لیا مگر حضرت عثمانؓ نے زید پر بھروسہ نہ کیا

یہ نہیں کہا جا سکتا کہ حضرت ابوبکرؓ نے کسی اور کو بھی زید کا شریک کار بنا دیا تھا جیسا کہ صحاح کے باہر کی بعض روایتوں میں یہ اضافہ کر کے اصلاح کی کوشش کی گئی ہے۔ کیونکہ بخاری کی روایت اس کی متحمل نہیں۔

واضح رہے کہ یہ نہیں کہا جا سکتا ہے کہ راوی نے صرف زید بن ثابت کا نام بیان کیا ہے، مگر حضرت ابوبکرؓ نے زید بن ثابت کے ساتھ دوسرے کاتبین وحی حافظین قرآن کو بھی ضرور زید بن ثابت کا شریک و معاون بنایا ہوگا اور زید بن ثابت نے ہرگز تنہا یہ کام محض اپنی ذمہ داری پر نہیں کیا ہوگا۔ بلکہ دوسروں کی مدد و معاونت بھی ضرور ان کے ساتھ ہوگی۔ بعض متاخرین نے پانی مرتا دیکھ کر ایسی روایتیں بنائی ہیں مگر بخاری کے پرستار ایسا نہیں کہہ سکتے۔ اس لئے کہ اس روایت میں ہر جگہ زید بن ثابت نے اپنے لئے واحد متکلم یا واحد حاضر کی ضمیر لا رہے ہیں۔ پوری روایت غور سے پڑھ جائیے۔ اَرْسَلَ اِلَیَّ ۔ اِنَّكَ رَجُلٌ شَابٌّ ۔ لَا نَتَّهِمُكَ ۔ وَكُنْتَ تَكْتُبُ ۔ فَتَتَبَّعِ الْقُرْاٰنَ ۔ فَاجْمَعْهُ ۔ لَوْ كَلَّفُوْنِیْ كَانَ اَثْقَلَ عَلَیَّ ۔ اَمَرَنِیْ بِهٖ ۔ قُلْتُ یَرْاجِعُنِیْ ۔ صَدْرِیْ ۔ فَتَتَبَّعْتُ ۔ اَجْمَعُهٗ ۔ وَجَدْتُّ ۔ لَمْ اَجِدْهَا ۔ اگر ایک شخص ہی کوئی دوسرا ان کا شریک کار ہوتا تو یقیناً جمع متکلم یا حاضر یا تثنیہ کی ضمیر لاتے۔ جس طرح حدیث نقل مصاحف میں حسب ضرورت لائے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ زید بن ثابت نے پورے قرآن کے حافظ تھے اور "عرضۂ اخیرہ" یعنی جبرئیلؑ کے ساتھ جو رسول اللہ صلعم ہر سال ماہ رمضان میں پورے قرآن کا دور کیا کرتے تھے اور سال وفات میں دو بار آپ کے پاس جبرئیل اسی غرض سے آئے، تو آخری عرضہ یعنی آخری دور میں حضرت زید بن ثابت بھی موجود تھے۔ اگرچہ یہ بالکل خلاف عقل ہے کہ ایسے موقع پر آنحضرت صلعم نے حضرت ابوبکرؓ کو شریک کیا نہ حضرت عمرؓ کو نہ حضرت عثمانؓ کو نہ حضرت علیؓ کو۔ آخر زید بن ثابت میں کون سی ایسی خصوصیت تھی کہ آنحضرتؐ اور جبرئیل دونوں نے ان کو اور صرف ان کو شریک دور بلا وجہ کر لیا۔ اور اگر واقعی یہ شرف خصوصیت ان کو حاصل تھا تو حضرت ابوبکرؓ کو تو سب سے پہلے ہی کہنا تھا کہ تم حافظ قرآن ہو پورا قرآن مجید تم کو یاد ہے۔ اور پھر تم کو ایک ایسی خصوصیت کا شرف حاصل ہے جو کسی کو بھی نہیں، وہ یہ کہ تم عرضۂ اخیرہ میں آنحضرت صلعم کے ساتھ رہے۔ اس لئے تم سے بڑھ کر اور کون جمع قرآن کا اہم کام انجام دے سکتا ہے! جو اہم ترین خصوصیت حضرت زید کی تھی وہ تو نہ کہی اور کہا کہ تم نوجوان ہو عاقل ہو ہم لوگ تم پر کوئی تہمت نہیں لگاتے۔ ان میں سے کوئی بات بھی کیا۔ اس انتخاب کی وجہ ہو سکتی ہے؟ رہی کتابت وحی تو ان سے زیادہ درست تک دوسرے لوگ کر چکے تھے۔ یہ عرضۂ اخیرہ کی شرکت کا افسانہ بعد والوں نے بخاری کی اس روایت پر پشتہ باندھنے کیلئے گھڑا ہے۔

عرضۂ آخیرہ میں زید کی شرکت

آخر سورہ برأۃ کے واقعے پر غور

اب وہ آخر سورہ برأۃ والے واقعے پر غور فرمائیے۔ خزیمہ اور ابوخزیمہ کا اختلاف تو اپنی جگہ پر ہے۔ جس کی بحث متابعات کے سلسلے میں ہو چکی۔ مگر یہاں لفظ مَعَ کا اختیار کیا گیا ہے تاکہ اس مَعَ سے آپ جو چاہیں سمجھ لیں۔ مَعَ اَبِیْ خُزَیْمَةَ سے یہ بھی سمجھ سکتے ہیں کہ ان کے پاس لکھا ہوا تھا۔ اور یہ بھی سمجھ سکتے ہیں کہ ان کو یاد تھا۔ یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ انہیں کو یاد لکھا ہوا تھا مگر یاد دوسروں کو بھی تھا۔ اور یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ یاد انہیں کو تھا۔ مگر لکھا ہوا دوسرے کے پاس بھی تھا۔ اور پھر ظاہر عنوان بیان کے مطابق

بھی سمجھ سکتے ہیں کہ صرف انھیں کے پاس لکھا ہوا تھا، دوسرا کسی کو بھی نہ تھا۔ ایک مع کے لفظ سے کتنے پہلو پیدا ہو گئے۔ اب حدیث کا پڑھنے والا ان میں کس پہلو سے مطمئن ہو اسی پہلو کو سمجھ لے۔ یہ بھی معلوم نہیں کہ اس آیت کا محل ان کو کس طرح معلوم ہوا کہ اس کو آخر سورۂ توبہ قرار دیا۔ زید بن ثابت نہ یہ نہیں فرماتے ہیں کہ یہ آیتیں مجھکو یاد تھیں اسلئے میں نے ان کو بہت ڈھونڈھا مگر لکھی ہوئی ان کو ابوخزیمہ کے سوا اور کسی کے پاس نہیں پایا۔ یا مجھے چھوڑ کر ابوخزیمہ کے سوا اور کسی کو یاد نہ تھیں۔ نہ انھوں نے یہ کہا کہ میں ان آیتوں کو رسول اللہ صلعم سے سنا کرتا تھا اس لئے ان کو ڈھونڈنے لگا، جیسا کہ سورۂ احزاب والی آیت کی روایت میں ہے۔ ممکن ہے کہ زید بن ثابت نے ان دونوں آیتوں کو آخر سورہ توبہ زمانۂ روایت کے اعتبار سے کہا ہو یعنی جو دو آیتیں اس وقت سورۂ توبہ کے آخر میں ہیں۔ کیونکہ ابن ابی داؤد اور امام احمد بطریق محمد بن اسحٰق عبداللہ بن الزبیر سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگر یہ تین آیتیں ہوتیں تو ہم ان کو ایک مستقل سورہ ہی قرار دے دیتے۔ مگر یہ تو دو ہی آیتیں ہیں اس لئے ان کو کسی سورہ کے آخر میں لگا دو۔ غرض ان دونوں آیتوں کو محض حضرت عمرؓ کے اس حکم کے مطابق مگر اپنے جی سے خود زید بن ثابت ہی نے سورۂ توبہ کے آخر میں بلا کسی مناسبت اور بغیر کسی دلیل کے اٹکل پچو لگا دیا تھا۔ مگر اس کے بعد پھر یہ آیتیں آخر سورہ توبہ کی آیتیں ہو گئیں، اس لئے روایت میں ان کو آخر سورۂ توبہ کہا گیا۔ مگر ابن ابی داؤد کی اس روایت میں نہ خزیمہ کا نام ہے نہ ابوخزیمہ کا بلکہ حرث بن خزیمہ کا نام ہے کہ وہ تنہا یہ دو آیتیں لے کر خزاعے کے پاس لکھی ہوئی تھیں اور نہ کسی اور کو یاد تھیں۔ مگر حضرت عمرؓ نے شہادت دی اور قسم کھائی کہ میں نے ان آیتوں کو رسول اللہ صلعم سے سنا ہے۔ غرض حرث بن خزیمہ اور حضرت عمرؓ دو گواہوں کی شہادت پر یہ دونوں آیتیں قرآن میں داخل کر دی گئیں۔ مگر ان کا محل و مقام کسی کو بھی معلوم نہ تھا۔ یونہی اٹکل پچو سورۂ توبہ کے آخر میں ان کو لگا دیا گیا۔ لیجئے نہ خزیمہ نہ ابوخزیمہ بلکہ حرث بن خزیمہ۔ نہ لَا الذی بلکہ اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِی۔ بعض محدثین نے بات یوں بنانی چاہی کہ ابوخزیمہ ہی کا نام حرث تھا۔ مگر یہ صحیح نہیں ہو سکتا کیونکہ ابوخزیمہ بدری اوس تھے اور یہاں حرث بن خزیمہ ہیں مگر تعجب اور سخت تعجب یہ ہے کہ کتاب الاحکام والی حدیث میں فاکحقتھا فی سورتھا کا اضافہ ہے۔ زید بن ثابت کہتے ہیں کہ جب آخر سورۂ توبہ کو میں نے خزیمہ یا ابوخزیمہ کے ساتھ پایا تو اس کو اس کے سورہ میں لگا دیا۔ جس سے صاف ظاہر ہے کہ زید بن ثابت کو پہلے سے یہ معلوم تھا کہ یہ ایک یا دو آیت جو خزیمہ یا ابوخزیمہ کے پاس ملی ہے یہ آخر سورہ توبہ ہی کی ہے۔ اس لئے زید نے اس کو اس کی جگہ پر آخر سورۂ توبہ میں لگا دیا۔ اس بخاری والی حدیث کے سامنے اب وہ ابن ابی داؤد وغیرہ کی روایت کو رکھ کر دیکھئے کہ جب آیت کہی تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگر یہ تین آیتیں ہوتیں تو ہم ان کو ایک سورہ بنا دیتے۔ مگر یہ دو ہی آیتیں ہیں اس لئے ان کو کسی سورہ کے آخر میں لگا دو۔ کون ایمان دار ہے کہ بخاری کی حدیث میں فاکحقتھا فی سورتھا دیکھنے کے بعد ابن ابی داؤد وغیرہ کی اس روایت کو چھوڑ دے اور منافقوں کی من گھڑت نہ سمجھے گا؟ مگر داد دیجئے محدثین کی روایت پرستی کی کہ ان کے نزدیک یہ سب حدیثیں صحیح ہیں۔

یہاں ایک بات اور بھی قابل غور ہے وہ یہ کہ کتاب الاحکام والی حدیث وہی ہے جس کا ذکر کتاب التفسیر میں بسلسلہ تصریح متابعات امام بخاری نے درج فرمایا ہے۔ وہاں ابوثابت کی جو روایت ابراہیم بن سعد سے ہے اس میں خزیمہ یا ابوخزیمہ شک کے ساتھ لکھتے ہوئے ان کے پاس صرف خاتمہ توبہ

مہ ایک شریر مگر ذہین لڑکے کے پڑھانے کے لئے ایک مولوی صاحب مقرر ہوئے۔ لڑکے نے باپ سے کہا کہ ہم مولوی صاحب کا امتحان لینگے۔ اگر یہ پاس کر گئے جب تو ان سے پڑھینگے ورنہ انھیں کو ہم سے پڑھنا ہو گا۔ باپ نے ہنس کر کہا کہ اچھا مولوی صاحب سے کچھ پوچھو۔ لڑکے نے پوچھا کہ بتلائیے لَا الذی صحیح ہے یا اَلَّا الذی؟ مولوی صاحب نے کہا کہ اَلَّا الذی صحیح ہے۔ لڑکے نے کہا کہ غلط ہے نہ لَا الذی نہ اَلَّا الذی بلکہ قرآن میں ہے اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِی اسی واقعہ کے بعد سے مثل مشہور ہے کہ اَلَّا الذی نہ لَا الذی یعنی اپنی بات جس کے دو ہی پہلو عقلاً نکلتے ہوں اور ان میں سے ایک صحیح ہو اگر کوئی اس کے دونوں پہلو سے انکار کرے تو کہتے ہیں کہ اِلَّا اَلَّا الذی نہ اَلَّا الذی" یعنی دونوں غلط؟ تم دونوں کے ماننے سے انکار کرتے ہو ۱۲ منہ غفرلہ

والی ایک ہی آیت کے پائے جانے کا ذکر ہے اور اسی لئے یہاں کتاب الاحکام میں، اس حدیث میں فالحقتھا فی سورتھا ضمیر واحد اور مونث کے ساتھ آیا ہے تاکہ ایک آیت کی طرف پھرے۔ اگر ابو ثابت ابراہیم بن سعد سے خزیمہ یا ابو خزیمہ کے ساتھ دو آیتوں کے پائے جانے کی واقعی روایت کرتے تو واحد کی ضمیر کے عوض تثنیہ کی ضمیر لاتے اور فالحقتھما فی سورتھما روایت کرتے۔ اسلئے صاف پتا مل رہا ہے کہ اس حدیث میں متابعت کے مطابق آخر سورۂ توبہ کی صرف ایک ہی آیت مذکور تھی مگر یاران طریقت نے باب جمع القرآن و کتاب التفسیر سے اختلاف مٹانے کے لئے یہاں دونوں آیتیں لکھ ڈالیں یہ اس کا نہایت واضح ثبوت ہے کہ صحیح بخاری میں بعد کو لوگوں نے روایتوں میں گھٹاؤ بڑھاؤ کیا ہے۔ اتنے واضح اور روشن ثبوت کے بعد بھی بخاری کو اصح الکتب کہنا اور اس کے ہر لفظ کو قطعی الصحت سمجھنا درحقیقت دین و ملت پر ظلم ہے اور قرآن مجید کے ساتھ کھلا ہوا شرک۔

تعجب اور سخت تعجب ایک اور تعجب کی بات یہ بھی ہے کہ نقل مصاحف بعہد عثمانی کی حدیث میں آخر میں یہ کہا گیا کہ حضرت عثمانؓ نے چند مصاحف لکھوا لینے کے بعد اس کے علاوہ جو مصاحف لوگوں کے پاس تھے ان سب کو جلا دینے کا حکم دیا۔ مگر یہاں کوئی تذکرہ نہیں ہے کہ حضرت ابوبکر نے جب زید بن ثابت سے لکڑیوں پتوں چھالوں اور ٹھیکریوں پر نقل کرا کرا کے صحیفے مرتب کرائے تو پھر ان ٹھیکریوں پتوں چھالوں اور لکڑیوں کو کیا کیا؟ سب کو جلا ڈالا یا کہیں دفن کر دیا یا جو شخص جو چیز لایا تھا اس کو واپس کر دیا۔ اگر ماسوا کا ضائع کر دینا ضروری تھا تو سب سے پہلے صحف صدیقی کے مرتب ہو جانے کے بعد ماسوا کو ضائع کر دینا تھا۔ کہ اب آیات و سُوَر کی ایک ترتیب ان صحیفوں میں قائم ہو گئی۔ اور ان چیزوں پر غیر مرتب آیات و سور لکھے ہوئے تھے۔ اس لئے ان چیزوں کی وجہ سے تو سخت اختلاف کا خطرہ تھا اسلئے ان سبھوں کا تو ضائع کر دینا سب سے پہلے ضروری تھا۔ ورنہ یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ آخر وہ کیا ہوئے؟ اور پھر مقام تعجب یہ ہے کہ یہ اہم سوال کہ جمع صدیقی کے بعد پھر وہ ہڈی، ٹھیکری، پتے چھال، کھال وغیرہ کیا ہو گئے؟ اسکو نہ زہری نے عبید بن السباق سے پوچھا نہ عبید نے زید بن ثابت سے اور نہ زہری سے زہری کے تلامذہ نے اور نہ جناب امام بخاری نے اپنے شیوخ سے کبھی پوچھا اور نہ آج تک کسی محدث نے اس کا کھوج لگایا۔

نفسیات مطہرہ صحابہؓ کا سفاکانہ قتل عام یہ روایت ایسی ظالمانہ ہے کہ اس کے بنانے والے نے محدثین کی روایت پرستانہ نفسیات کا اس قدر گہرا مطالعہ کیا تھا کہ اس روایت کو وضع کر کے محدثین سے اس کو ان کے جذبہ روایت پرستی کے ماتحت سند مقبولیت دلوا کر سارے صحابہ کرام رضؓ خصوصاً مہاجرین رضؓ و انصار رضؓ و ازواج مطہرات رضؓ سب کی نفسیات طاہرہ کا نہایت بے رحمی سے قتل عام کر دیا۔

باللہ العظیم جس وقت آخر سورۂ توبہ کی یہ دو آیتیں اتری ہونگی لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ الخ صحابہ کا بچہ بچہ اور ننھی ننھی لڑکیاں اس آیت کو پڑھتی ہونگی اور خدا جانے کس والہانہ وفدویانہ جوشِ محبت میں جھومتی اور پڑھ پڑھ کر وجد کرتی رہتی ہونگی۔ اس وقت کون سا انسان ہوگا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لایا ہوا اور اس آیت کے نزول کے بعد اس آیت کا ایک ایک حرف اس کے دل میں نگینے کی طرح جاگزیں نہ ہو گیا ہو۔ یہ معلوم ہے کہ رسول اللہ صلعم مامور تھے ہر وحی کو لوگوں تک پہنچا دینے پر۔ اس لئے جس وقت یہ آیتیں اتری تھیں آپ نے ضرور ان کو تمام صحابہ رضؓ تک پہنچا دیا۔ اور حسب معمول وحسب الحکم حاضرین نے غائبین تک پہنچا دیا۔ اور اس آیت کے ہر ہر حرف میں جو مقناطیسی کشش ہے میں کہہ چکا۔ بس ایک بار سن لینے کے بعد کون ہوگا جس کو یہ آیتیں یاد نہ ہو گئی ہونگی۔ ایسی آیت کے بارے میں یہ کہہ دینا کہ بجز خزیمہ یا ابو خزیمہ یا حارث بن خزیمہ کے اور کسی کے پاس نہ ملیں، جس سے یہ ثابت ہو کہ اگر خزیمہ یا ابو خزیمہ یا حارث کے پاس کوئی ٹھیکری یا تختی جس پر یہ آیتیں لکھی تھیں نہ ملتی یا وہ لے کر نہ آتے تو کسی کو یہ آیتیں یاد بھی نہ آتیں، صحابہؓ کی اس والہانہ شیفتگی اور وفدویانہ گرویدگی کا جو ان کو رسول اللہ صلعم کے ساتھ تھی کیسی بے رحمانہ خون ریزی ہے۔ اے اللہ! جھوٹی حدیثیں بنانے والے منافقین سے تو سمجھ!!

لہ (ترجمہ) تمہارے پاس تمہیں میں سے ایک ایسا رسول آیا ہے تمہاری تکلیف جس پر سخت گراں ہے یعنی وہ تمہیں تکلیف اور مصیبت میں دیکھ نہیں سکتا۔ جس کو تمہاری بھلائی کا ہَوکا ہے۔ ایمان والوں کے لئے نہایت شفیق اور مہربان۔ افسوس کہ ترجمے میں وہ مقناطیسی اثر کسی طرح نہیں لایا جا سکتا جو ان عربی الفاظ میں خاص خداوندی انتظام سے ہے۔ ۱۲ منہ

اب اس حدیث کا آخری فقرہ بھی سامنے رکھ کر غور کیجئے۔ مطلب یہ ہے کہ زید بن ثابت نے بس دو چار گھنٹے نہیں، دو چار دن یا ہفتے یا چند مہینے ہی سہی اکیلے پورا قرآن جمع کر ڈالا[۹]۔ اور اپنے جی سے جس طرح مناسب سمجھا آیتوں کی ترتیب قائم کر لی۔ اس لئے کہ ٹھیکریوں تختیوں وغیرہ پر نمبر دئے ہوئے تو تھے نہیں کہ اس کے مطابق ترتیب آیات قایم کر لی جاتی۔ کتنی آیتیں جو بعض خاص خاص لوگوں کو یاد تھیں۔ وہ ان لوگوں کے جنگ یمامہ میں شہید ہو جانے سے ضائع ہو چکیں تو اب اگر وہ کہیں ہیں تو انھیں ٹھیکریوں اور تختیوں ہی پر ہیں جس میں آگے پیچھے کی کوئی علامت نہیں۔ تو اب ترتیب آیات بھی کتنی جگہ زید بن ثابت نہ کو ہی بطور خود صرف اپنی ہی سمجھ پر اعتماد کر کے کرنا پڑی۔ اتنی بڑی ذمہ داری میں کوئی اور تو شریک کار ان کو دیا نہیں گیا تھا۔ اور نہ یہ کہا گیا تھا کہ دوسرے معتبر لوگوں سے مشورہ لے کر کام کرنا۔ حضرت عثمان نہ کو محض نقل مصاحف کے وقت یہ خیال

حضرت عثمان نے لغت قریش کا خیال کیا مگر حضرت ابوبکر نے کچھ خیال نہ کیا

ہوا کہ زید بن ثابت نہ غیر قریشی ہیں اور قرآن قریش کی زبان میں اترا ہے، اس لئے صرف ایک لکھی ہوئی کتاب اور خود زید بن ثابت ہی کے ہاتھ کی لکھی ہوئی کتاب کے نقل کرنے میں یہ احتیاط برتی کہ تین تین قریشیوں کو ان پر متعین کیا کہ اگر تم لوگوں میں اور زید بن ثابت میں اختلاف ہو تو زید کی بات نہ ماننا، قریش کی زبان و رسم خط اختیار کرنا۔ مگر بالکل آغاز کار میں انھیں صحیفوں کی جمع و تالیف کے موقع پر جن کی صرف نقل کرنے میں یہ احتیاط برتی گئی تھی، فقط زید بن ثابت نہ پر حضرت ابوبکر نہ و عمر نہ دونوں ہی نے پورا بھروسہ کر لیا۔ اور اس کا کچھ خیال نہ کیا کہ یہ غیر قریشی ہیں اور قرآن قریش کی زبان میں اترا ہے یہ پورے قرآن کو غیر قریشی زبان اور غیر قریشی رسم خط میں لکھ کر غیر قریشی بنا دینگے۔

حضرت ابوبکر نے صحیفے لکھوائے وہ ان کی ذاتی ملکیت تھے یا بیت المال کی ملکیت؟

بہر حال زید بن ثابت نہ کہتے ہیں کہ "وہ صحف جو تیار و مرتب ہوئے وہ حضرت ابوبکر نہ کی زندگی تک تو انھیں کے پاس رہے۔ ان کے بعد حضرت عمر نہ کے پاس رہنے لگے اور ان کی حیات تک رہے۔ ان کے بعد امّ المؤمنین حضرت حفصہ نہ کے پاس رہنے لگے"۔

سوال یہ ہے کہ یہ صحیفے جو حضرت ابوبکر نہ کے حکم سے زید بن ثابت نہ نے مرتب کئے اگر حضرت ابوبکر نہ کی ذاتی ملک ہو گئے تھے تو ان کے بعد ان کے ورثہ کو ملنا تھے۔ اور اگر بحیثیت خلیفہ کے انھوں نے اس کام کو انجام دلوایا تھا تو صحیفے بیت المال میں رہتے، مگر نہیں رہے۔ کیونکہ حضرت ابوبکر نہ نے نزع کے وقت حضرت عائشہ سے فرمایا تھا کہ "اے بیٹی میں خلیفہ بنایا گیا، میں نے بیت المال سے روپیہ نہیں لیا، مگر بقدر موٹا کھانے موٹا پہننے کے، اور اب میرے پاس بیت المال کا سوا اس ایک غلام حبشی کے اور پانی پلانے یا کھیت نوالہ اس اونٹنی اور اس ایک پرانی چادر کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ میرے بعد ان سب کو عمر کے پاس بھیج دینا"۔ اگر زید بن ثابت کے جمع کردہ صحیفے بھی ہوتے تو ان صحیفوں کا ذکر بھی اس وصیت میں ضرور ہوتا۔ حضرت ابوبکر نہ کے بعد صحیفے حضرت عمر نہ کے پاس آئے تو پھر حضرت عمر نہ کے بعد یہ صحیفے حضرت حفصہ نہ کے پاس کیوں چلے گئے؟ ان کو تو حضرت عمر نہ کے بعد حضرت عثمان نہ کے پاس رہنا تھا۔ اگر حضرت حفصہ نہ نے مستعار مانگ بھیجا تھا تو ان کو پھر واپس کرنا تھا، یا حضرت عثمان نہ کو بیت المال کی چیز حاصل کر لینا تھی، نقل مصاحف کے وقت مستعار نہ مانگنا تھا اور جب منگوا لیا تھا تو نقل کے بعد واپس نہ کرنا تھا۔ صاف کہدینا تھا کہ یہ صحیفے بیت المال کے ہیں، بیت المال سے بلا وجہ باہر نہیں رہ سکتے۔

یہ ایسی زبردست گرہ اس حدیث میں ہے جس کے کھولنے کی کوئی کوئی شارح حدیث ہمت نہیں کرتا اور اس بھاری پتھر کو سب نے آہستہ سے چوم کر چھوڑ دیا۔

---

[۹] جنگ یمامہ ۱۲ھ کے اوائل میں ہوئی تھی۔ جمع قرآن کا واقعہ کو صحیح مان لیجئے، تو ۱۲ھ کے اواخر ہی میں مانا جا سکتا ہے۔ اس لئے کہ جنگ یمامہ کے بعد حضرت صدیق اکبر اور صحابہ کو اطمینان نہیں ہو گیا تھا بلکہ اہل بحرین، مرتدین جلم دیمن و حضرموت وغیرہ سے نبٹنا ابھی باقی تھا، حضرت خالد یمامہ وغیرہ سے فارغ ہو کر ۱۳ھ میں مدینہ پہنچے ہیں (طبری آغاز جلد چہارم) اور جمادی الاولیٰ ۱۳ھ میں حضرت صدیق اکبر کی وفات ہے۔ اب اندازہ کیجئے کہ ہڈی ٹھیکری وغیرہ سے قرآن کے اجزاء کو مرتب کرنا تنہا زید بن ثابت کا کتنے دنوں میں ہو سکتا ہے؟ کس کس کے پاس کیا کیا لکھا ہوا ہے، کس کس کو کتنا یاد ہے ان سب کا ایک ایک صحابی سے پوچھنا کیا کھیل ہے کہ چند مہینوں کو اگر سال دو سال ہیں بھی تنہا کسی صحابی سے انجام پا سکتا ہے؟ غرض اس سات آٹھ ماہ کی مدت میں سے چند ماہ ایسے بھی رکھئے جن میں زید کے ترتیب دیئے ہوئے صحیفے حضرت ابوبکر نہ کے پاس رکھے رہے ہوں تو مطلب یہ ہوا کہ زید نے تین چار ماہ میں پورا کام جمع قرآن کا انجام دیدیا۔ ۱۲ منہ ——— [۹] تاریخ الخلفاء سیوطی ص۵۹

غریب ابو جعفر ابن جریر طبری نے اس دشواری کو محسوس کیا۔ اس لئے انھوں نے اپنی تفسیر کے آغاز میں جو بحث جمع قرآن کی کی ہے۔ اور اس کی حدیثیں جمع کی ہیں۔ ان میں یوں بات بنائی کہ قرآن رسول اللہ صلعم کے وقت تک کسی چیز پر لکھا ہوا نہ تھا۔ صرف لوگوں کے سینوں میں محفوظ تھا حضرت ابوبکر نے زید سے ہڈی چھال کھال وغیرہ پر لکھوایا اور پھر حضرت عمر نے اس کو زید ہی سے ان ہڈیوں چھالوں کھالوں سے صحیفوں میں لکھوایا تو وہ صحیفے حضرت عمر نے لکھوائے تھے اسلئے حضرت عمر کے بعد ان کی صاحبزادی ام المؤمنین حضرت حفصہ کے پاس رہنے لگے۔ غریب ابن جریر نے صحیح بخاری والی روایت سے بہتر طریقے سے ایسی صاف بات بنائی جس سے وہ کانٹا بالکل نکل جاتا ہے۔ مگر محدثین و مورخین کو خلش خار ہی پسند ہے اسکو کیا کیا جائے کہ رب کے سب صحیح بخاری والی روایت پر ایمان لائے ہوئے ہیں جو ایک خارزار سے کم نہیں۔ اور غریب ابن جریر نے جو کانٹوں کو کاٹ چھانٹ کر ایک لہلہاتا گلشن پیش کیا ہے۔ اسکی طرف کوئی نہیں دیکھتا۔

صحیفہ نبوی یا صحف حفصہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ کا معمول تھا کہ جب بھی آپ پر وحی آتی تھی تو آپ کاتبین وحی میں سے کسی حاضر و موجود کاتب کو نازل شدہ آیات و سُوَر کے لکھ لینے کا حکم فرماتے تھے اور وہ آیتیں یا سورتیں کچھ اوراق پر لکھی جاتی تھیں۔ جب چند اوراق پر ایک سورہ مرتب ہو گیا تو وہ ایک صحیفہ ہو گیا۔ چھوٹی چھوٹی متعدد سورتیں ایک صحیفے میں درج کر لی گئیں اس طرح متعدد صحیفوں میں پورا قرآن عہد نبوی میں مرتب ہو چکا تھا البتہ دوسرے حاضر الوقت صحابہؓ اپنے یاد کر لینے کے لئے وقتی طور سے کسی دوسری چیز پر بھی لکھ لیا کرتے ہوں یہ ممکن ہے۔ مختصر یہ کہ آنحضرت صلعم جو نازل شدہ آیات و سُوَر لکھواتے تھے وہ ہرن کی جھلی کے اوراق پر ہی لکھواتے تھے اور اس مجموعہ کو آنحضرت صلعم ہجرت کے قبل تک بزمانہ قیام مکہ خود اپنی حفاظت میں رکھتے تھے۔ ہجرت کے بعد ابتدائی زمانے میں مسجد نبوی کے ستون سے لگا کر اس مصحف کو ایک صندوق میں مقفل رکھا جاتا تھا تاکہ حفظ کرنے والے اپنے شبہوں کو اس کو دیکھ کر رفع کر لیں اور نقل کرنے والے نقل کر سکیں اسی لئے اس ستون کا نام ہی "اسطوانۃ المصحف" پڑ گیا۔ مگر جب مدینہ طیبہ میں منافقین کی ریشہ دوانیاں شروع ہو گئیں تو پھر یہ مصحف ان کی دست درازی سے محفوظ رکھنے کے خیال سے ام المؤمنین حضرت حفصہؓ کے پاس آنحضرت صلعم رکھوانے لگے۔ کیونکہ وہ ازواج مطہراتؓ میں سب سے زیادہ لکھی پڑھی تھیں ان کو شفا بنت عبداللہ بن عبد شمس بن خلف نے کتابت کی تعلیم دی تھی جیسا کہ ابوداؤد کی ایک حدیث ج ۲ ص ۱۸۶ کتاب الطب باب الرقیٰ اور تہذیب التہذیب ج ۱۲ ص ۴۲۸ سے ظاہر ہے۔ اسی سے یہ بھی ثابت ہو رہا ہے کہ مرد ہی نہیں عورتوں میں بھی لکھنے پڑھنے کا عرب میں رواج موجود تھا۔ یہ بخوبی ممکن ہے کہ حضرت شفاء سے کتابت سیکھنے کے بعد حضرت حفصہ نے دوسری ازواج مطہرات کو بھی کتابت کی تعلیم دے دی ہو۔ ورنہ حضرت شفاء ہی نے دوسری ازواج مطہرات کو حضرت حفصہؓ کے بعد کتابت کی تعلیم دی ہو گی۔ کیونکہ جب طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم و مسلمۃ خود رسول اللہ صلعم فرماتے تھے تو ناممکن ہے کہ اپنی ازواج مطہرات کو تعلیم نہ دلوائی ہو۔ اور تعلیم کا دار و مدار لکھنے پڑھنے پر ہے۔ قرآن مجید میں ہے عَلَّمَ بِالْقَلَمِ۔ اس لئے تعلیم بغیر کتابت کی تعلیم کے کبھی پوری نہیں ہو سکتی۔ حدیث میں حضرت حفصہ کی تعلیم کتابت کا ذکر شفاؓ ہی حضرؓ کے ساتھ نہیں اس لئے یقیناً آنحضرت صلعم نے حضرت حفصہ کو کتابت کی تعلیم دلوائی تو دوسری ازواج مطہرات کو بھی ضرور دلوائی۔ مگر زیادہ قوی گمان یہی ہے کہ حضرت حفصہؓ ہی نے دوسری ازواج کو تعلیم دی ان کی مہارت چونکہ دوسروں سے زیادہ تھی۔ اس لئے صحیفہ نبوی کی امین یہی بنائی گئیں۔ رسول اللہ صلعم نے چونکہ اپنی حیات مبارک ہی میں حضرت حفصہ کو اس قرآن کا (جس کا نام آپ نے امام رکھا تھا اور اس کو اُم بھی کہا جاتا تھا) امین بنایا تھا اس لئے آنحضرت صلعم کی وفات کے بعد بھی وہ مصحف "امام" حضرت حفصہؓ کی زندگی تک حضرت حفصہ ہی کے پاس رہا خلفائے راشدین نے یہ مناسب نہ سمجھے کہ آنحضرت صلعم کی وفات کے بعد امانت مصحف "امام" کا یہ منصب اب حضرت حفصہؓ سے اپنی طرف منتقل کر لیا جائے۔ تو حضرت حفصہؓ کے پاس وہی مصحف تھا جو کاتبین وحی سے نزول آیات کے وقت رسول اللہ صلعم کے سامنے لکھوایا جاتا تھا۔ اس نسخہ مصحف کے اس شرف کو لوگوں کے ذہنوں سے نسیاً منسیاً کر دینے کے لئے جمع قرآن بعہد صدیق اکبرؓ کا ایک فرضی واقعہ گھڑا گیا اور اس کی ایک محض جھوٹی روایت بنا کر حضرت زید بن ثابتؓ کی طرف منسوب کر کے عبید بن السباق کے ذریعے زہری تک پہنچا دی گئی۔ زہری نے اس کو خدا جانے اپنے کن کن شاگردوں کے سامنے پیش کیا۔ مگر زہری کے سیکڑوں شاگردوں میں سے صرف چار نے اس روایت کو

کو قبول کیا۔ شعیب بن ابی حمزۃ الحمصی تو زہری کے کاتب یعنی پرائیوٹ سکریٹری ہی تھے اس کی روایت سے کس طرح انکار کر سکتے تھے۔ ان کے علاوہ ابراہیم بن سعد جو زہری کے انتقال کے وقت تقریباً پندرہ برس کے تھے خدا جانے بالغ بھی ہوئے تھے یا نہیں اس کے سننے کے وقت تو اور بھی کم سن ہونگے اس لئے ان کو عام طور سے زہری کی حدیثوں میں کمزور کڑی سمجھا جاتا ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ انھوں نے زہری کو شاید دیکھا بھی ہو اس لئے کہ ایلہ میں رہتے تھے جو مصر کے قریب ایک موضع تھا اور ابراہیم مدینہ طیبہ میں رہتے تھے اپنی کم سنی کی وجہ سے زہری کی زندگی میں ایلہ گئے بھی ہونگے البتہ شیعوں کے یہاں یہ ثقہ اور حجت ہیں، اور یونس بن یزید جو زہری کے ہم وطن یعنی ایلہ کے رہنے اور زہری سے منکر حدیثیں روایت کرنے میں خاص طور سے مشہور ہیں جن کو ابن سعد نے لا یحتج بہ لکھا ہے اور عبدالرحمٰن بن خالد جو ابراہیم بن سعد کی طرح شیعوں کے نزدیک تو ثقہ ہیں مگر اہل سنت محدثین ان کو منکر الحدیث لکھتے ہیں۔ بس انھیں لوگوں نے اس حدیث کا پروپیگنڈا کیا۔ اگر اس حدیث کو صحیح بخاری میں جگہ نہ مل جاتی تو شاید ہی کوئی صاحب عقل ایسی خلاف عقل جھوٹی روایت کو قبول کرتا۔ چاہے امام بخاری نے خود محض حمایت حدیث کی مصلحت کے ماتحت اس روایت کو قبول کر لیا ہو چاہے امام بخاری کے کسی شاگرد نے یہ پورا "باب جمع القرآن" بنا کر ان کی کتاب میں ان کے بعد داخل کر کے پھر اسکے مختلف مقامات میں اس حدیث کو کہیں آدھی کہیں پوری ٹھونس دی ہو ــــ بہرحال صحیح بخاری میں جب یہ حدیث بعد والوں کو نظر آئی تو پھر بعد والے بخاری پرستوں پر اس کی حمایت فرض ہو گئی۔ اور ترمذی اور نسائی وغیرہ نے بھی اس کو اپنی کتاب میں درج کر لیا۔ اور مسند احمد کی تکمیل تو بہت بعد کو خاص منافقین کے ہاتھوں ہوئی ہی ہے۔ جیسا کہ میرے رسالے التاریخ المستند للمسند الامام احمد میں روز روشن کی طرح ثابت کر دیا گیا ہے[۱]۔ اس میں اگر یہ حدیث نہ ہوتی تو تعجب ہوتا۔ امام مسلم ضرور اس حقیقت کو تاڑ گئے تھے، اسی لئے انھوں نے جمع قرآن کے مسئلے ہی کو نہیں چھیڑا۔

موطا امام مالکؒ میں جمع قرآن کی کوئی حدیث نہیں

امام مالک کو امام احمد بن حنبل زہری کے شاگردوں میں سب سے زیادہ قابل وثوق قرار دیتے ہیں غالباً اسی لئے زہری کی یہ ہمت نہ پڑی کہ ان کے سامنے جمع قرآن بعہد صدیقی و نقل مصاحف بعہد عثمانی اور سورہ توبہ و سورہ احزاب کی آیتوں والی حدیثیں پیش کر سکیں یا پیش کی بھی ہونگی تو انھوں نے ان موضوع حدیثوں کو یقیناً رد کر دیا ہوگا۔ جب ہی تو موطا میں ان میں سے کوئی حدیث نہیں ہے۔ یا شاید موطا و مسلم میں بخاری کی طرح لوگوں کو اس حدیث کے داخل کرنے کا موقع نہ ملا۔

قرآن کی شہادت

کہا جاتا ہے کہ رسول اللہ صلعم کے وقت میں قرآن کسی چیز پر بھی جمع نہیں کیا گیا تھا اور اگر لکھا بھی گیا تھا تو ٹھیکری تختی اور پتھر وغیرہ پر۔ مگر قرآن میں ہے رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ يَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً۔ کیا ٹھیکریوں تختیوں اور پتھروں ہی کو صحف فرمایا گیا ہے؟ پھر قرآن پاک کو صُحُفٌ مُّكَرَّمَةٌ بھی فرمایا۔ رسول اللہ صلعم نے سبع طوال یعنی سات پہلی بڑی بڑی سورتیں۔ اور مئین سو سو آیتوں کی سورتیں اور طوال مفصل و قصار مفصل یہ سب سورتوں کے مجموعے خود مرتب فرما کر اسی حساب سے قرآن کے متعدد صحیفے قرار دئے تھے۔ اسی لئے قرآن کے پورے مجموعے کے متعلق فرمایا گیا فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ۔ اور پورے قرآن کو کُتُبٌ اور صُحُفٌ جمع کے صیغے سے تعبیر کیا گیا۔ اور ان صحف یعنی صحیفوں کے پورے مجموعے کو مصحف بھی کہا گیا ہے۔ چنانچہ بعض حدیثوں میں مصحف کا لفظ موجود ہے۔

---

[۱] قال صالح جزرۃ حدیثہ عن الزہری لیس بذاک لانہ کان صغیراً حین سمع الزہری۔ یعنی ابراہیم بن سعد کی حدیث زہری سے کچھ بھی نہیں۔ چونکہ زہری سے سننے کے وقت کم سن تھے ۱۲ (تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۱۳۲ ترجمہ ابراہیم بن سعد)

[۲] یہ رسالہ "رسالۃ البیان" امرتسر مورخہ ماہ اکتوبر و ماہ نومبر ۱۹۴۶ء کے دو پرچوں میں دو قسط کر کے چھپ کر شایع ہو چکا ہے۔ ۱۲ منہ غفرلہ

[۳] عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ صلعم ان مما یلحق المومن من عملہ وحسناتہ بعد موتہ علماً علمہ ونشرہ۔ ولداً صالحاً ترکہ او مصحفاً ورثہ او مسجداً بناہ او بیتاً لابن السبیل بناہ او نہراً اجراہ او صدقۃ اخرجہا من مالہ فی صحتہ وحیاتہ تلحقہ من بعد موتہ۔ یعنی حضرت ابوہریرہ رضؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ مرد مومن کے مرنے کے بعد اس کے اعمال و حسنات میں سے جو ایسے ہیں جن کے ثواب اس کو پہنچتے رہتے ہیں وہ اس کا علم ہے جس کی تعلیم اس نے دوسروں کو کی اور اس کو پھیلایا یا اولاد صالح ہیں جن کو وہ چھوڑ گیا۔ (باقی صفحہ آئندہ پر ملاحظہ ہو)

سورتوں کے مختلف مجموعوں کی تقسیم اور ان کے نام

خالد الحذاء ابو قلابہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ تورات کی بجائے مجھے "سبع طوال" دیا گیا۔ اور زبور کے عوض مجھکو "مثانی" ملے اور انجیل کے بدلے "مئین" میں دیا گیا۔ اور مفصل مجھکو فاضل ملے۔ اور واثلہ بن الاسقع سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ توراۃ کی جگہ مجھکو "سبع طوال" ملے۔ زبور کے بدلے "مئین" اور انجیل کے عوض "مثانی" اور مفصل مجھکو فاضل ملے۔ (معانی القرآن ابو جعفر طبری ص ۷)

"سبع طوال"، سورۃ فاتحہ کے بعد سات بڑی سورتوں کو کہا گیا۔ یعنی بقرۃ، ال عمران، نساء، مائدہ، انعام، اعراف اور انفال و "مثانی" کے بارے میں محدثین، شراح حدیث و اہل لغت لکھتے ہیں کہ وہ سورتیں جن میں سو سے کم آیتیں ہوں مگر "مفصل" سے بڑی ہوں۔ مگر ان کو مثانی کیوں کہتے ہیں اس پر پوری طرح کسی نے روشنی نہیں ڈالی جو وجہ تسمیہ بیان کرتے ہیں وہ دل کو لگتی نہیں۔ میرے نزدیک ایک وجہ ان کے مثانی کہنے کی ہو سکتی ہے وہ یہ کہ رسول اللہ صلعم بعض سورتوں کی نمازوں میں اس طرح پڑھتے تھے کہ ہر رکعت میں دو، دو سورتیں۔ سنن ابو داؤد میں بیس سورتوں کے نام درج کئے ہیں۔ یہ روایت اگرچہ کونے کے ٹکسال میں گھڑی گئی ہے اور سورتوں کی متواتر ترتیب کے خلاف مقدم و موخر کرکے آخر میں لکھا ہے کہ یہ ترتیب عبداللہ بن مسعود کے مصحف کی ہے۔ اور کوفیوں ہی نے تمام اختلافات قرارت اور عبداللہ بن مسعود اور ابی بن کعب کے مختلف مصاحف کا ڈھونگ بچایا ہے اس لئے زیادہ گمان اس روایت کے موضوع ہی ہونے کا ہے۔ مگر موضوع روایت بھی عموماً کسی بنیاد ہی پر بنائی جاتی ہے۔ اس لئے اتنا پتا اس سے ملا کہ رسول اللہ صلعم اکثر یا کبھی کبھی ہر رکعت میں دو دو سورتیں پڑھتے تھے سورہ نجم سے عم یتساءلون تک کو اور ممکن ہے ابو داؤد میں صرف بیس ہی سورتوں کا ذکر ہے اور یوں پچیس سورتیں ہوتی ہیں۔ اگر اس روایت کو صحیح مان بھی لیا جائے تو اس سے یہ معلوم ہوگا کہ آپ اس کا لحاظ نہیں کرتے تھے کہ جس سورہ کے بعد جو سورہ ہو وہی پڑھا جائے۔ یا مقدم و موخر کا لحاظ نہیں فرماتے تھے۔ اسوقت تک ترتیب تقدیم و تاخیر کا لحاظ ضروری نہ تھا اس سے ایک مستقل ترتیب قرآن کی قائم کر لینا صحیح نہیں۔ قرآن کی ترتیب وہی صحیح ہے جو رسول اللہ صلعم کے حکم سے آپ کے سامنے قایم ہوئی اور ہر صحابی کے گھر میں اسی ترتیب کے مطابق قرآن مصحف کی صورت میں مرتب و مدوّن رہا کرتا تھا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود یا حضرت ابی بن کعب کیوں تمام صحابہ سے اختلاف کرکے ایک نئی ترتیب سے قرآن مرتب کرتے، یہ سب کوفیوں کے اتہامات ہیں جن پر مفصل بحث میری کتاب اعجاز القرآن میں ان شاء اللہ آئیگی۔ واللہ الموفق وعلیہ التکلان۔

"مئین"، ان سورتوں کو کہتے ہیں۔ جن میں کم و بیش سو آیتیں ہوں۔ "مفصل" چھوٹی سورتوں کو کہتے ہیں۔ مفصل کی بھی تقسیم ہے "طوال مفصل" یعنی چھوٹی سورتوں میں بڑی ہیں۔ "اوساط مفصل"، جو نہ بڑی ہیں نہ چھوٹی اور "قصار مفصل" آخر قرآن کی چھوٹی سورتیں۔

طوال مفصل کو بعضوں نے حجرات سے بعضوں نے سورہ قاف سے بعضوں نے سورہ فتح سے، اور منیۃ میں ہے کہ سورہ محمد سے سورہ برج تک طوال اور سورہ بروج سے لم یکن الذین کفروا تک اوساط اور اس کے بعد سے آخر تک قصار،

یا مصحف ہے جس کو اس نے میراث میں چھوڑا یا مسجد ہے جو اس نے بنائی یا مسافر خانہ ہے جو اس نے بنایا یا نہر ہے جس کو اس نے جاری کیا یا صدقہ جاریہ ہے جس کو اس نے اپنی صحت و حیات میں اپنے مال سے نکالا۔ ان سب کا ثواب اس کو مرنے کے بعد بھی برابر پہنچتا رہے گا۔ اس حدیث کو مشکوٰۃ کتاب العلم فصل ۳ صفحہ ۲۸ میں نقل کیا ہے ابن ماجہ اور شعب الایمان بیہقی سے عن ابی سعید قال قال صلعم اعطوا اعینکم حظہا من العبادۃ۔ النظر فی المصحف والتفکر فیہ والاعتبار عند عجائبہ۔ الحکیمۃ، یعنی ابو سعید خدری سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ اپنی آنکھوں کا جو حصہ عبادت میں ہے وہ ان کو دا کرو یعنی مصحف پر نگاہ ڈالا اور اس میں غور کرنا اور اس کے پر حکمت عجائبات سے عبرت حاصل کرنا بیہقی نے اس کو شعب الایمان میں لکھا ہے مختصر کنز العمال ج ۱ صفحہ ۳۵ عن عثمان بن عبداللہ بن اوس الثقفی عن جدہ قال قال رسول اللہ صلعم قراءۃ الرجل القرآن فی غیر المصحف الف درجۃ وقراءتہ فی المصحف تضعف علی الفی درجۃ۔ یعنی آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ قرآن کو غیر مصحف میں زبانی پڑھنا ہزار درجہ ثواب کا رکھتا ہے اور مصحف میں دیکھکر پڑھنا دو ہزار گونہ درجہ کا ثواب رکھتا ہے۔ فشکر (بیان فضائل القرآن ص ۱) غرض مصحف کا وجود ہی عہد نبوی میں نہ تھا تو پھر ان حدیثوں میں مصحف کا ذکر کہاں سے آیا؟ اور وراثت میں کوئی مصحف کس طرح چھوڑتا۔ کوئی مرکھپ رہا کہ کسی چیز کو چھوڑ رہا۔ ۱۲ منہ غفرلہ

مگر اس طرح پھر دوسرا نے کے بارے میں الجھن پیدا ہوتی ہے۔ اس لئے کہ سورۂ فاطر سے حجرات تک ساتویں منزل کے بعد سے سورۂ فتح تک متین اور سورۂ قاف سے آخر تک مفصل واللہ اعلم بالصواب۔

بہر حال ان روایتوں کے ماننے والوں کو یہ تو بہر حال ماننا پڑیگا کہ سورتیں سب کی سب عہد نبوی میں مرتب ہو چکی تھیں اور ہر سورہ کا نام خود رسول اللہ صلعم نے رکھا تھا اور برابر نمازوں میں پڑھا کرتے تھے۔ کیا کوئی سچا مسلمان ہی جواس کا انکار کرے؟ اگر ہے تو ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین۔ اگر سچے ہو تو میرے سامنے ثبوت پیش کرو۔

تحزیب القرآن یعنی تلاوت روزانہ کے لئے قرآن کی مقدار تلاوت کی تعیین رسول اللہ صلعم نے اپنے لئے روزانہ بطور ورد تلاوت قرآن کے لئے ایک مقدار مقرر فرمائی تھی اور اس مقدار کو "حزب" کہتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ کو وقت مقررہ پر پڑھنے کا موقع نہ ملا تو دوسرے وقت آپ نے اپنا حزب پورا کر لیا جب حجرے سے باہر تشریف لائے (ابو داؤد جلد ا ص ۲۰۵) پھر اسی حدیث کے بعد اسی جگہ ابو داؤد میں ہے کہ اس حدیث کے راوی حضرت اوس بن حذیفہ الثقفی جن کو اوس بن ابی اوس بھی کہتے ہیں جو خود صحابی تھے اور مذکورہ بالا حدیث وہی رسول اللہ صلعم سے روایت کرتے ہیں جس کا ایک ٹکڑا ہم نے ترجمہ کر کے اوپر نقل کیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہم نے اصحاب رسول اللہ صلعم یعنی اکابر صحابہ سے پوچھا کیف تحزبون القرآن قرآن کا حزب آپ لوگ کس طرح مقرر کرتے ہیں؟ تو سبھوں نے کہا تین اور پانچ اور سات اور نو اور گیارہ اور تیرہ اور مفصل کا پورا ایک حزب۔ یعنی بقرہ الی آل عمران اور نساء کا پہلا حزب مائدہ، انعام، اعراف، انفال اور توبہ یعنی سورہ براءت کا دوسرا حزب۔ یونس، ہود، یوسف، رعد، ابراہیم حجر اور نحل کا تیسرا حزب۔ بنی اسرائیل، کہف، مریم، طٰہٰ، انبیاء، حج، مومنون، نور اور فرقان کا چوتھا حزب۔ شعراء، نمل، قصص، عنکبوت روم، لقمان، سجدہ، احزاب، سبا، فاطر اور یٰسین کا پانچواں حزب۔ والصافات، ص، زمر، مومن، حٰمٓ سجدہ، شوریٰ، زخرف، دخان جاثیہ، احقاف، محمد، فتح، اور حجرات کا چھٹا حزب اور سورہ قاف سے آخر تک ساتواں حزب انھیں ساتوں احزاب کو سات منزل کہتے ہیں اور پہلی منزل سورہ فاتحہ سے شروع کرتے ہیں یعنی بشوق" کے حساب سے تلاوت کو اسی لئے مسنون سمجھتے ہیں۔ یعنی ف سے فاتحہ، م سے مائدہ، ی سے یونس، ب سے بنی اسرائیل۔ ش سے شعراء، و سے والصافات اور ق سے سورۂ قاف ہر منزل کی پہلی سورتوں کے پہلے حروف کے مجموعے سے "فی بشوق" کا لفظ لوگوں نے بنا لیا ہے۔

جس سے یہ ضرور معلوم ہو گیا کہ سورتوں کی تحدید ان کی تعیین، ان کی ترتیب اور ان کی گنتی جس طرح رسول اللہ صلعم کے عہد مبارک سے چلی آ رہی ہے اسی طرح آج تک بلا کم و کاست و بلا تقدم و تاخیر ساری دنیائے اسلام میں ہر ملک ہر شہر ہر قریہ اور ہر دیہات میں بلکہ ہر مسلمان کے گھر میں کتابی صورت میں بغیر کسی اختلاف کے چلی آ رہی ہے اور آج تک ہر مسلمان کی تلاوت میں ہے چاہے اب ایک منزل روزانہ کے پڑھنے والے کم ہی کیوں نہ ہوں مگر منزلیں انہیں سات احزاب کے مطابق آج تک لکھی ہوئی موجود ہیں اور قیامت تک موجود رہینگی۔

اس تحزیب کے حساب سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ سورہ قاف سے آخر تک مفصل کا حساب ہے۔ ۱۲

کتابتِ وحی کی شہادت قرآنیہ کاتبین وحی جو کتابت قرآن کیا کرتے تھے کفار طعن سے کہتے تھے کہ یہ تو اگلوں کی داستانیں ہیں جن کو انھوں نے لکھوایا ہے اور صبح شام ان کے سامنے لکھا جاتا ہے وقالوا اساطیر الاولین اکتتبھا فھی تملیٰ علیہ بکرۃ واصیلا (سورہ فرقان ع ۱ ج ۱۸) یہ آیت کتابت وحی کا دستور ثابت کرنیکے لئے نص قطعی ہے۔ املیٰ علیہ کے معنی ہیں کہ کسی کے ڈکٹیٹ کرانے سے زبانی بتلانے سے اس کے بتائے ہوئے کو کسی نے لکھا۔

کاتبینِ وحی سورہ عبس جز ۳۰ میں ہے کلا انھا تذکرۃ ۝ فی صحف مکرمۃ ۝ مرفوعۃ مطھرۃ ۝ بایدی سفرۃ ۝ کرام بررۃ ۝ یہ بیشک ایک نصیحت ہے قابل تکریم صحیفوں میں، بر تر پاک سفیروں (ملائکہ) کے ہاتھوں سے (لکھی ہوئی۔ جو بزرگ اور نیک کار ہیں۔

ع ۔ کاتبین وحی کی تعداد کتاب ترتیب الاوائل۔ لکشمی مطبوعہ مراکش جلد اول ص ۱۶ میں ان سب کے اسمائے گرامی کے ساتھ بیانیں مذکور ہے۔ ۱۲۔ منہ

سفارت کے معنی اہل لغت "کتابت" کے لکھتے ہیں۔ مگر کتابت و سفارت میں فرق ہے۔ کتابت عام ہے۔ مگر سفارت اس کتابت کو کہتے ہیں جو حسن خط و دقت انشاء اصول املاء و قواعد انشاء کے ساتھ ہو۔ تو فرمایا جاتا ہے کہ ان قرآنی صحیفوں کے کاتب محض کاتب ہی نہیں ہیں بلکہ سافر ہیں یعنی خط کے بھی ہیں اور فن املاء و انشاء کے بھی ماہر ہیں۔ اس لئے ان سے نہ بدخطی ہو سکتی ہے نہ غلطی املاء و انشاء اور یہ کاتبین صحف قرآنیہ ہر خاص و عام کے نزدیک بزرگ ہیں اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک نیک کار ہیں یعنی عند الناس و عند اللہ ہر جگہ معتمد علیہ اور ہر حیثیت سے قابل وثوق ہیں۔ کاتبین وحی کی ایسی تصریح و توضیح منقبت اور خاص قرآن مبین میں، بھلا یہ منافقین عجم کب دیکھ سکتے تھے اور شیعے تو اس کو برداشت ہی نہیں کر سکتے تھے کیونکہ حضرت امیر المومنین معاویہ بھی کاتب وحی رہ چکے تھے۔ بس فوراً ایک حدیث بنا ڈالی کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا ہے کہ سفرۃ سے مراد یہاں فرشتے ہیں۔ امام بخاری کو اس کی تفسیر میں کوئی روایت تو نہ ملی مگر جو دوسرے مفسرین سُدی و کلبی جیسے وضاعین و کذابین کہتے تھے یہ بھی بغیر کوئی روایت نقل کئے لکھ گئے اور لکھا تو کیا لکھا کہ سَفَرَتْ کے معنی اِصْلَاحَتْ بَیْنَھُمْ ہیں وَجُعِلَتِ الْمَلٰٓئِکَۃُ اِذَا اَنْزَلَتْ بِوَحْیِ اللّٰہِ وَتَادِیَتِہٖ کَالسَّفِیْرِ الَّذِیْ یُصْلِحُ بَیْنَ الْقَوْمِ یعنی فرشتے جب اللہ تعالیٰ کی وحی لے کر آئے تو ان کی حیثیت سفیر کی ہوئی جو قوم کے درمیان صلح کراتا ہے کس قدر یہ لغو تمثیل ہے صلح کسی جنگ اور اصلاح کسی فساد کے بعد ہوتی ہے۔ کیا نعوذ باللہ خدا اور رسول کے درمیان کوئی جنگ تھی کہ فرشتے خدا کی طرف سے پیغام صلح لیکر آتے تھے؟ حالانکہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے خود سفارت کے معنی کتابت کے بتلائے ہیں اور سَفَرَۃٌ کا ترجمہ کَتَبَۃٌ ہی کیا ہے جو سَافِرٌ کی جمع ہے اور کَتَبَۃٌ کاتب کی۔ جیسا کہ تمام مفسرین متقدمین و متاخرین سب لکھتے آئے ہیں۔ مگر یاران طریقت نے اس کے بعد یہ اضافہ کر دیا کہ مراد فرشتے ہیں جو لوح محفوظ سے کتاب اللہ نقل کیا کرتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ کہیں اس آیت سے اصل مطلب اور صحیح مفہوم نہ سمجھ لیا جائے اور وہ صحابہ ہو کاتبین وحی تھے کہیں ان کی عظمت اس سے نہ معلوم ہو جائے۔ یہاں تو کوشش یہ کی گئی ہے کہ رسول اللہ صلعم کو پہلے سے یہ ثابت ہی کیا گیا ہے کہ آپ تادم وفات اَن پڑھ ہی رہے۔ کاتبین وحی کے متعلق بھی جھوٹی روایتیں بنا بنا کر اُن میں سے بعض کو منافق یا مرتد یا غیر معتبر ثابت کر دیا گیا تو پھر یہ امکان باقی رہے گا کہ ممکن ہے کہ رسول اللہ صلعم نے لکھایا ہو کچھ اور لکھنے والے نے لکھ دیا ہو کچھ اور اس طرح یہ قرآن اپنی صحت میں یقینی نہ رہے۔ یہ پاک مقصد کے ماتحت بعض روایتیں بنا کر شائع کی گئیں چنانچہ مشکوٰۃ باب المعجزات ص۵۲۴ میں ایک حدیث منقول ہے کہ حضرت انسؓ نے فرمایا کہ ایک شخص رسول اللہ صلعم کے لئے کتابت کرتا تھا تو وہ مرتد ہو گیا اسلام سے اور مشرکین سے جا ملا تو رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ اس کو زمین قبول نہیں کریگی تو (حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ) مجھ کو ابوطلحہؓ نے خبر دی کہ وہ اسی سرزمین پر پہنچے جہاں وہ مرا تھا تو اس (کی لاش) کو باہر پھینکا ہوا پایا۔

لہ سفارت و سفیر جو عرف عام میں مشہور ہے۔ یعنی حکومتوں کی طرف سے ایک دوسرے کے سفیر دوسرے ممالک میں رہا کرتے ہیں جو وہاں رہ کر اپنے ملک کی نمائندگی اور اپنے ملکی حقوق کی نگہداشت کرتے ہیں اور پھر وہاں کے حالات صحیحہ سے اپنے ملک کے بادشاہ و اعیان دولت کو خبر کرتے رہتے تو یہ اصطلاح بھی اس معنی کے اعتبار سے قائم ہوئی ہے۔ اس لئے کہ جو شخص جس ملک میں سفیر بنا کر بھیجا جاتا ہے اس کو اس ملک کی زبان رسم خط املاء و انشاء وغیرہ سے پوری واقفیت ہونی ضروری ہے۔ تو جو شخص جس ملک کا سفیر ہو سمجھنا چاہیئے کہ وہ اس ملک کی زبان رسم خط اور اصول املاء و انشاء سے پوری طرح واقف ہے یہ سمجھنا کہ وہ دو ملکوں کے درمیان صلح و امن کی دوستی کرتا ہے۔ اس لئے اس کو سفیر کہتے ہیں۔ صحیح نہیں ۱۲ منہ غفرلہ

لہ کتاب "النشر الفنی" جلد اول ص۱۱ جس کو مصنف ذاکر زکی مبارک مصری نے لکھا ہے کہ وکان یری ابن الفارس ان معرفۃ القدماء من الصحابۃ بکتابۃ المصحف علی الحوالذی یعللہ النحویون فی ذوات الواو والیاء والھمزۃ والمد والقصر تدل علی فضلھم ۔۔۔ واصول اللغۃ وقواعد الکتابۃ۔ وھو علی الجملۃ یری ان العلوم العربیۃ کانت معروفۃ قبل الاسلام ۔ یعنی ابن الفارس کو اس کا یقین ہے کہ صحابہ کو کتابت قرآن میں جو واقفیت تھی ان باتوں سے جن میں علماء نحو فرق کرتے ہیں لغات واوی و یائی و ہموز اور مد و قصر وغیرہ میں اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ وہ اصول لغت اور قواعد کی کافی سمجھ رکھتے تھے۔ اور اس سے اس کا پتا لگتا ہے کہ علوم عربیہ اسلام کے قبل ہی سے ایک حد تک لوگوں میں متعارف تھے۔

تو ابو طلحہؓ نے پوچھا کہ اس کا کیا حال ہے؟ تو لوگوں نے کہا کہ ہم لوگوں نے اس کو دفن تو کیا، مگر زمین اس کو قبول نہیں کرتی "اول تو اس حدیث کا مضمون ہی اس کے موضوع ہونے کی شہادت دے رہا ہے، بالفرض اگر مان بھی لی جائے تو اس کاتب کا کاتب وحی ہونا کیوں تسلیم کر لیا گیا، ہو سکتا ہے کہ مراسلات وغیرہ کے سلسلے میں کتابت کا کام اس سے کبھی لیا گیا ہو۔ کیونکہ وحی کی ایسی اہم چیز کی کتابت کا کام رسول اللہ صلعم کبھی کسی غیر معتبر آدمی سے نہیں لے سکتے تھے۔

مذکورہ روایت کے بنانے والے نے اتنی سی گنجائش رکھی ہے کہ اس کاتب کو کاتب وحی نہ قرار دیا جا سکے۔ بلکہ عام مراسلات کا کاتب سمجھا جائے بعض منافقین نے تو ایسی ایسی حدیثیں بھی گھڑی ہیں جو خاص کاتب وحی سے متعلق ہیں اگرچہ وہ صحاح میں نہیں ہیں، مگر پھر حدیث کی کتابوں میں تو ہیں بہرحال مجھ کو اس بحث کو خواہ مخواہ طول دینا مقصود نہیں۔ جب وہ حدیثیں صحاح میں نہیں ہیں تو ان کے صحیح نہ ہونے کی ایک واضح دلیل یہ بھی ہے کہ صحاح نے ان کو قابل اعتبار قرار نہیں دیا۔ مثلاً عبد اللہ بن ابی سرحؓ کے ارتداد کی روایت جس کو شیعوں نے گھڑا اور مشہور کیا حقیقت یہ ہے کہ ان کے ارتداد کی روایت محض کذب و افترا ہے میں نے رسالہ اعجاز القرآن میں اس پر مفصل بحث کی ہے جو زیر تصنیف ہے۔ بخاری میں ایک روایت جو ایک کاتب نصرانی کی منقول ہے کہ وہ کاتب نبوی تھا مرتد ہو کر نصرانی ہو گیا۔ اگرچہ وہ روایت بھی الحاقی ہی ہے، مگر اس میں بھی اس کی تصریح نہیں ہے کہ وہ کتابت وحی کیا کرتا تھا۔ بلکہ اگر یہ روایت صحیح ہے تو وہ ضرور اہل کتاب سے مراسلات لکھنے کیلئے مقرر کیا گیا ہوگا۔ مگر در اصل وہ روایت ہی صحیح نہیں۔

قرآن کے نزول اوّلی کا مقام اور کس چیز پر قرآن لکھا جاتا تھا

سورۂ طور کا آغاز پڑھیے۔ وَالطُّوْرِ ۝ وَكِتٰبٍ مَّسْطُوْرٍ ۝ فِيْ رَقٍّ مَّنْشُوْرٍ ۝ وَالْبَيْتِ الْمَعْمُوْرِ ۝ وَالسَّقْفِ الْمَرْفُوْعِ ۝ وَالْبَحْرِ الْمَسْجُوْرِ ۝ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ ۝ مَّا لَهٗ مِنْ دَافِعٍ ۝ "طور" کے معنی پہاڑ ہیں۔ یہ جو بعضوں نے لکھ دیا ہے کہ جس پہاڑ پر حضرت موسیٰؑ کے لئے تجلی ہوئی تھی اسی پہاڑ کا نام طور تھا۔ یہ غلط ہے اس کو طُوْرِ سَيْنَآءَ کہتے ہیں یہ اضافت عام برائے خاص ہے جیسے کوہ ہمالیہ، وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ میں طور کے معنی عمومی ہی مراد ہیں نہ کہ طور سینیناء غرض یہاں الطور پر الف لام عہد کا ہے اس سے مراد کوہ حراء ہے جو مکہ کا ایک پہاڑ ہے مشہور کیا گیا ہے کہ آنحضرت صلعم قبل بعثت اس کے ایک غار میں یاد الٰہی کے لئے جایا کرتے تھے۔ بہرحال اسی پہاڑ پر پہلے پہل حضرت جبرئیلؑ آپ کے پاس کتاب اللہ لے کر تشریف لائے تھے اور کہا تھا اِقْرَأْ یعنی پڑھیے۔

۱؎ تفسیر فتح البیان جلد ۹ ص ۲۸ میں بھی ہے کہ کتاب مسطور جو رق منشور پر لکھی ہوئی یہاں مذکور ہے اس سے مراد قرآن مجید ہی ہے۔ ۱۲ منہ

۲؎ و ۳؎ بخاری کا سب سے پہلا باب جو بسم اللہ کے بعد ہی شروع ہوا ہے اس مضمون کا ہے کہ کیف کان بدء الوحی الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعنی آغاز وحی کس طرح ہوا۔ اس باب کی تیسری حدیث محدثین کے مشہور استاد ابن شہاب زہری سے ہے جس کو وہ عروہ بن الزبیر سے اور وہ حضرت عائشہ صدیقہ سے حسب بیان زہری روایت کرتے ہیں۔ میں ترجمہ زہری میں تہذیب التہذیب کی عبارت اور دلائل سے ثابت کر چکا ہوں کہ ابن شہاب زہری کا سماع حدیث عروہ سے بلکہ لقاء بھی بعض سماع ثابت نہیں ہے، اور زہری کے آغاز کا جمع احادیث سے پہلے عروہ کی وفات ہو چکی تھی۔ بہرحال روایت یہ ہے کہ سب سے پہلے رسول اللہ صلعم سچے خواب دیکھنے لگے جو رات کو دیکھتے دن کو وہ پورا ہوتا۔ پھر خلوت پسندی مزاج میں آگئی۔ اور غار حرا میں خلوت نشینی کرنے لگے۔ اور راتوں کو عبادت کرتے، کئی رات گذار کر اپنے گھر آتے اور چند دنوں کے کھانے پینے کا سامان اپنے ساتھ لے جاتے، اور پھر کچھ دنوں کے بعد آتے اور حضرت خدیجہ کے پاس سے کچھ سامان لے جاتے۔ یہاں تک کہ آپ کے پاس حق آگیا درحالیکہ آپ غار حرا میں تھے۔ جس کی صورت یہ ہوئی کہ آپ کے پاس فرشتہ پہونچا اور اس نے کہا کہ اقرأ "یعنی پڑھیے" آپ نے کہا کہ ما انا بقارئ میں پڑھ سکنے والا نہیں ہوں یعنی پڑھنا نہیں جانتا۔ تو اس فرشتے نے آپ کو پکڑ کر خوب بھینچا پھر چھوڑ دیا پھر کہا کہ اقرأ۔ پھر آپ نے کہا کہ ما انا بقارئ۔ پھر اس نے دوبارہ پکڑا اور بھینچا اور پھر چھوڑ دیا اور پھر کہا کہ اقرأ اور پھر آپ نے فرمایا ما انا بقارئ۔ پھر اس نے سہ بارہ پکڑ کر بھینچا پھر چھوڑ دیا (باقی بر صفحہ آئندہ)

۴؎ حق سے مراد وحی ہے قرآن کا ایک نام حق ہے جیسے جاءکم الحق من ربکم (یونس) یا ایھا الناس قد جاءکم الحق من ربکم (یونس) آخر سورہ

قرآن مجید میں اسی پہاڑ کی اور اسی کتاب کی جو سَرِقٍ منشور پر لکھی جا رہی تھی اور بیت معمور یعنی خانہ کعبہ کی، پھر سقف مرفوع یعنی آسمانوں کی اور بحر مسجور یعنی سمندر کی قسمیں کھائی گئیں۔ یعنی ان کی شہادت پیش کی گئی ہے۔

(باقی حاشیہ بر صفحہ گذشتہ) اور کہا کہ اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْإِنسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ اِقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ تو رسول اللہ صلعم اپنے کانپتے ان آیتوں کو لیے حضرت خدیجہؓ کے پاس پہنچے اور فرمایا کہ مجھکو اڑھاؤ مجھکو اڑھاؤ۔ یہاں تک کہ آپ سے وہ خوف کا اثر جاتا رہا۔ تو آپ نے حضرت خدیجہؓ سے پورا واقعہ بیان فرمایا۔ اور کہا کہ مجھکو اپنی جان کا خطرہ ہے۔ حضرت خدیجہؓ نے کہا کہ ہرگز نہیں۔ اللہ کی قسم آپ کو اللہ کبھی رسوا نہیں کریگا۔ آپ صلۂ رحم کرتے ہیں لاوارثوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں پھر حضرت خدیجہ آپ کو اپنے چچیرے بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں جو زمانۂ جاہلیت میں نصرانی ہو گئے تھے۔ اور عبرانی زبان میں کتاب لکھتے تھے اور انجیل میں سے کچھ عبرانی یا عربی میں لکھتے تھے اور بہت بوڑھے آنکھوں سے معذور تھے۔ تو ان سے حضرت خدیجہ نے کہا کہ اے میرے چچا کے بیٹے تم اپنے بھتیجے سے (یعنی رسول اللہ صلعم) ان کا حال سنو۔ تو ورقہؓ آپ کی طرف متوجہ ہو کر پوچھا کہ اے بھتیجے کیا حال ہے؟ تو رسول اللہ صلعم نے پورا حال کہ سنایا۔ تو ورقہ نے کہا کہ یہ وہی ناموس رہے جس کو اللہ نے موسیٰ پر اتارا تھا کاش میں اس وقت جوان ہوتا کاش کہ میں اس وقت زندہ ہوتا جس وقت تمہیں تمہاری قوم گھر سے نکال دے گی۔ تو آپ نے پوچھا کیا وہ لوگ میرے نکالنے والے ہونگے؟ ورقہ نے کہا کہ ہاں۔ تمہارے جیسا کوئی نہیں آیا مگر اس سے عداوت کی گئی اگر تمہارا زمانہ مجھے ملا تو میں تمہاری مدد کرونگا۔ زبردست مدد سے۔ پھر کچھ ہی زمانے کے بعد ورقہ نے وفات پائی اور وحی موقوف ہو گئی۔ ابن شہاب نے کہا کہ ابوسلمہ بن عبدالرحمن نے مجھے خبر دی کہ جابر بن عبداللہ اور نصاری نے کہا فَتْرَةَ الْوَحْيِ (وحی کے رکے رہنے کے زمانے) کا حال بیان کرتے ہوئے اپنی حدیث میں۔ یعنی رسول اللہ صلعم سے روایت کرتے ہوئے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ راہ چل رہا تھا کہ میں نے ایک آسمانی آواز سنی۔ تو اپنی نگاہ آسمان کی طرف اٹھائی تو وہی فرشتہ مجھکو نظر آیا جو کوہ حرا پر نظر آیا تھا، آسمان و زمین کے درمیان ایک کرسی پر بیٹھا ہوا۔ تو میں اس سے مرعوب ہو گیا۔ تو گھر واپس پلٹا اور کہا کہ مجھکو اڑھاؤ مجھکو اڑھاؤ۔ تو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا۔ يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَأَنذِرْ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ۔ پھر سلسلۂ وحی شروع ہو گیا اور پے در پے وحی آنے لگی۔ زہری سے اس حدیث کو مختلف راویوں نے تھوڑے تھوڑے اختلاف کے ساتھ روایت کیا ہے۔ مگر یہ پوری روایت زہری ہی سے ہے۔ البتہ صحاح سے باہر یہ روایت بعض دوسروں سے بھی ملتی ہے۔ اگر ان سب روایتوں کو یکجا کر کے غور کیا جائے تو بہت کافی اختلاف لفظ اور مفہوم کا ملیگا۔ دلائل النبوۃ میں بھی حافظ ابونعیم الاصبہانی نے متعدد روایتیں آغاز وحی کی درج کی ہیں۔ جن میں ایسے اختلافات ہیں کہ یہ فیصلہ کرنا کہ کون صحیح ہے کون غلط بہت مشکل ہے۔ جو صحیح معلوم ہو سکتی ہے اس کا عنوان بیان صحیح نہیں ہوتا اس حدیث کے متعلق ایک لمبی چوڑی بحث ہے۔ جسکو ہم نے اپنی کتاب اعجاز القرآن کے لئے اٹھا رکھا ہے۔ یہاں اس تفصیل کی گنجائش نہیں۔ مگر اتنا ضروری ہے کہ یہ حدیث بہت مخدوش ہے۔ اس میں متعدد نقتے پوشیدہ ہیں۔ آخر زہری ہی کی روایت ہے خصوصاً ورقہ ابن نوفل کی داستان۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلعم جو فراست نبویہ کے مالک تھے، نبوت کے لئے منتخب کئے گئے۔ محض بھولے بھالے بچے تھے اور اتنی سمجھ بھی نہیں رکھتے تھے جتنی کہ حضرت خدیجہؓ عورت ذات رکھتی تھیں معاذ اللہ من ذالک۔ اسلئے اس روایت میں بہت سارے اضافے ہیں جو منافقین عجم میں سے کسی کی طرف سے بڑھے۔ زہری نے درمیان کا ایک راوی چھوڑ بلا واسطہ عروہ بن الزبیر سے اسکی روایت کر دی۔ بہرحال اب اس پر غور فرمائیے کہ حضرت جبرئیل نے جب کہا کہ اقرأ پڑھیے تو آپ نے جواب میں فرمایا مَا أَنَا بِقَارِئٍ میں پڑھ سکنے والا نہیں جانتا۔ یعنی پڑھنا نہیں جانتا۔ یہ جواب جبھی صحیح ہو سکتا ہے کہ حضرت جبرئیل نے آنحضرت کے سامنے کوئی لکھی ہوئی چیز۔ کوئی کتاب پیش کی ہو۔ ورنہ یہ جواب کبھی صحیح نہیں ہو سکتا۔ اسی لئے قسطلانی بخاری کی اسی حدیث کی شرح میں مرسل عبید بن عمیر سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا أَتَانِي جِبْرَائِيلُ بِنَمَطٍ مِنْ دِيبَاجٍ فِيهِ كِتَابٌ فَقَالَ اِقْرَأْ۔ قُلْتُ مَا أَنَا بِقَارِئٍ۔ جبرئیل میرے پاس ایک ریشمی رومال لائے جس میں ایک کتاب تھی، پھر کہا کہ پڑھیے، میں نے کہا کہ میں پڑھنے والا نہیں ہوں۔ یعنی پڑھا لکھا نہیں ہوں۔ اگر اس ٹکڑے کو بھی بخاری کی روایت میں ملا لیجئے تو مضمون واضح ہو جاتا ہے۔ ورنہ چالیس برس کے افصح العرب والعجم، فراست نبوت کے مالک، نبوت و رسالت کے لئے جن کا انتخاب ہوا ان سے اتنا نہیں ہو سکتا کہ نہیں پڑھی چھوٹی آیتیں جن کو جبرئیل ادا کر رہے تھے آپ بھی سن کر دہرا دیتے؟ اور جب جبرئیل صرف الٰہی قدر چاہتے تھے کہ جو وہ اپنی زبان سے کہہ رہے تھے اسکو رسول اللہ صلعم اپنی زبان سے دہرا دیتے، تو آپ مَا أَنَا بِقَارِئٍ نہیں فرماتے بلکہ مَاذَا أَقْرَأُ۔ یا مَاذَا أَقْرَأُ فرماتے۔ یعنی پوچھتے کہ میں کیا پڑھوں؟ یہ جواب کہ میں پڑھنا نہیں جانتا

(باقی حاشیہ بر صفحہ آئندہ)

کوہ حرا پر پہلے پہل شب قدر ماہ رمضان میں پورے قرآن کا کتابی صورت میں آپ کے سامنے نزول ہوا، اس لئے اس پہاڑ کی اہمیت سے کون انکار کر سکتا ہے۔ وہ کتاب جس کو حضرت جبرئیل لائے تھے اس کی اہمیت ظاہر ہے۔ خانہ کعبہ کی اہمیت دو زر روشن کی طرح ہے — پھر

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) میں پڑھا ہوا نہیں ہوں تو بھی دیا جائیگا کہ کوئی لکھی ہوئی چیز پیش کی جائے جیسا کہ عبید بن عمیر کی روایت میں ہے۔ غیر صحاح کی روایتوں میں اسکو درست کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور ما انا بقارئ کی جگہ ابو الاسود نے اپنے مغازی میں کیف اقرأ کا لفظ رکھا ہے یعنی کیسے پڑھوں؟ مگر یہاں بھی وہ کسر موجود ہے اور ابن اسحٰق نے موقع کی نزاکت سمجھکر ماذا اقرأ ہی لکھا ہے۔ مگر حضرت جبرئیل کو ان آیتوں کو اپنی زبان سے ادا کر دینا تھا، نہ کہ تین تین بار بھینچنا تھا۔ بار بار جبرئیل کا پکڑ پکڑ کر بھینچنا صاف بتا رہا ہے کہ اس کے اثر سے کوئی غیر معمولی بات رسول اللہ صلعم میں پیدا ہوئی۔ ورنہ صرف سن کر چھوٹی چھوٹی آیتوں کو دہرانے کے لئے بار بار پکڑ پکڑ کر بھینچنے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔

حقیقت یہ معلوم ہوتی ہے کہ عبید بن مرسل کی روایت گو مرسل ہے مگر صحیح ہے۔ اور حضرت جبرئیل ایک کتاب ہی لائے اور آنحضرت صلعم کے سامنے پیش کی اور کہا کہ اقرأ آپ پڑھنا جانتے ہی نہ تھے اس لئے کہا کہ ما انا بقارئ۔ جبرئیل کے تین بار پکڑ پکڑ بھینچنے سے آپ میں پڑھنے کی صلاحیت آگئی۔ اور جہاں سے جبرئیل نے پڑھنے کو کہا تھا آپ نے پڑھدیا۔ اور پھر آپ کو پڑھنا آگیا۔ اسی لئے سورہ عنکبوت ۵ میں ہے وَمَا كُنتَ تَتْلُوا مِن قَبْلِهِ مِن كِتَابٍ وَلَا تَخُطُّهُ بِيَمِينِكَ إِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُونَ ۝ اس سے پہلے تم کوئی کتاب تلاوت نہیں کر سکتے تھے اور نہ لکھتے ہو اپنے ہاتھ سے۔ اگر تم پہلے سے لکھے پڑھے ہوتے تو باطل پرست لوگ تمہارے بارے میں شک و شبہہ کرتے رہتے۔ من قبلہ کی ضمیر قرآن کی طرف پھر رہی ہے۔ یعنی اس قرآن کے نزول سے پہلے۔ یہ آیت صاف اعلان کر رہی ہے کہ بعثت کے ساتھ ساتھ آپکو لکھی ہوئی چیزوں کے پڑھنے کی صلاحیت پیدا ہو گئی تھی اگر ایسا نہیں ہے تو پھر من قبلہ کے لفظ کا کوئی فائدہ نہیں رہتا۔ یہ کہنا کہ یہاں تلاوت سے مراد زبانی پڑھنا ہے اور مقصود یہ ہے کہ تم قرآن سے پہلے کسی کتاب کو زبانی نہیں پڑھتے تھے بالکل لایعنی ہے۔ خصوصاً جب آگے وَلَا تَخُطُّهُ کا لفظ موجود ہے "لکھنے" کے ذکر کے ساتھ "پڑھنے" کا جب ذکر آئے گا تو کتاب دیکھ کر ہی پڑھنا مراد ہوگا۔ اس لئے اس آیت سے قطعی طور پر ثابت ہے کہ نزول قرآن کے بعد فوراً ہی آپ کو پڑھنے کی صلاحیت پیدا ہو گئی تھی۔ اور آپ یقیناً کسی پڑھنے والے سے کم پڑھنے کی صلاحیت نہیں رکھتے تھے۔ اس لئے وہ عبید بن عمیر والی مرسل روایت یقیناً صحیح ہے اور بخاری کی روایت سے اتنا حصہ نکلا ہوا ہے یا نکالا ہوا ہے۔

رسول اللہ صلعم کو ان پڑھ ثابت کرنے کی بڑی کوشش کی گئی ہے۔ تاکہ کتابت وحی کے متعلق اک محل اشتباہ باقی رہے کہ جو کچھ رسول اللہ صلعم نے لکھوایا وہ صحیح طور سے لکھا بھی گیا یا نہیں؟ اس کا علم عین الیقین کے مطابق آپ کو نہ تھا۔ بلکہ کاتبین وحی کے ایمان و دیانت کے اعتماد پر آپ سمجھتے تھے کہ جو کچھ ہم نے بتایا ہے وہی ان لوگوں نے لکھا ہوگا۔ اور پھر انھیں منافقین عجم نے کاتبین میں سے کسی کو منافق کسی کو مرتد بھی ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ اسلئے جب کاتبوں پر اعتماد قطعی طور سے نہیں۔ اور لکھوانے والے خود پڑھنے والے نہیں تو پھر کس نے کیا لکھ دیا اس کے بارے میں لکھوانے والے کو کیا خبر ہو سکتی ہے۔ یہ تو کسی روایت میں ہے نہیں کہ آپ جو لکھواتے تھے اوسکو دوسروں سے پڑھوا کر سن بھی لیتے تھے۔ غرض یہ سمجھنا کہ رسول اللہ صلعم کو پڑھنے کی صلاحیت نہ تھی بالکل غلط ہے اور وہ کتاب جو حضرت جبرئیل لائے تھے وہ وہی لوح محفوظ اور کتاب مکنون تھی جس کی صفت بیان کی گئی ہے کہ لَا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ ۱۲۵ (حاشیہ صفحہ ہذا) ۱ سورہ فرقان کی آیت وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْآنُ جُمْلَةً وَاحِدَةً ۚ كَذَٰلِكَ لِنُثَبِّتَ بِهِ فُؤَادَكَ ۖ وَرَتَّلْنَاهُ تَرْتِيلًا اور کہنے لگے وہ لوگ جو منکر ہیں کیوں نہ اترا اس پر قرآن سارا ایک جگہ ہو کر۔ اسی طرح اتارا تاکہ ثابت رکھیں ہم اس سے تیرا دل۔ اور پڑھ سنایا ہم نے اس کو ٹھہر ٹھہر کر (ترجمہ شیخ الہند مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہما اللہ) بعض لوگ اس آیت سے دھوکا کھاتے ہیں اور پہلے پہل پورے قرآن کے نزول سے اور ہر سال غرض جبرئیلی کے موقع پر پورے قرآن کے عرض سے انکار کرتے ہیں۔ حالانکہ یہاں کذلک کا لفظ بتا رہا ہے کہ اس کا تعلق اوپر سے ہے اور اوپر جو بات بیان کی گئی ہے اسکی موافقت میں یہ لفظ آیا ہے مطلب یہ ہے کہ کذلک انزلناہ یعنی ہم نے اسی طرح جیسا کہ کہتے ہو جملۃ واحدۃ ہی اس کو نازل کیا ہے۔ تاکہ اسکو تمہارے دل میں ثابت و جاگزیں کر دیں یعنی پوری کتاب آپ کو حفظ ہو جائے۔ مگر پھر جبرئیل کو ترتیل ٹھہر ٹھہر کر اتارنے کا اختیار کیا وہ اس لئے کہ تبھی جو تقاضائے تلقی حاصل ہو گئی۔ یعنی اسکو ہم تمہارے دل میں ثابت و محفوظ تو کر دیا۔ مگر تمہیں اس کے جواب کی تلاش میں محنت نہ ہو (باقی صفحہ آئندہ)

پھر آسمان جو اوپر سے بلکہ ہر طرف سے ساری دنیا کو محیط ہے اور سمندر جو حلقہ کی صورت میں زمین کو آغوش میں لئے ہوئے ہے، کون ہے جو ان دونوں آیات اللہ کی اہمیتوں سے انکار کر سکتا ہے۔ جس طرح آسمان ہر طرف سے دنیا کو محیط ہے، اسی طرح یہ کتاب اللہ اپنے احکام و ہدایات و حکم کے اعتبار سے تمام اہل دنیا پر محیط ہے اور جس طرح سمندر اپنی آغوش میں دنیا کو لئے ہوئے ہے، اسی طرح خانہ کعبہ کی مرکزیت تمام دنیا پر حاوی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کو کتابی صورت میں رق منشور پر لکھی ہوئی اتار کر رسولؐ کو یہ بھی بتا دیا کہ قرآن کی جو آیت اور جو سورہ بھی جب جب اترے اس کو اسی طرح رق منشور کے اوراق پر ہی لکھوایا جائے چنانچہ آنحضرت صلعم نے برابر رق منشور کے اوراق ہی پر نازل شدہ آیات و سُوَر کو لکھوایا اور جب کوئی بڑا سورہ مرتب ہو گیا تو وہ ایک مستقل صحیفہ قرار دیا گیا۔ اوسط درجہ کی دو تین سورتوں کا ایک صحیفہ اور چھوٹی چھوٹی متعدد سورتوں کا ایک صحیفہ بنایا گیا۔ اس لئے کتاب اللہ کے مجموعے کے متعلق صحف مکرمۃ۔ کتب قیمہ بصیغہ جمع فرمایا گیا اور مجموعے کو کتب، فرقان، حق، ذکر وغیرہ ناموں سے یاد کیا گیا۔ ہو سکتا ہے کہ وکتب مسطور میں قسم اسی کتاب کی مقصود ہو جس کو آں حضرت صلعم نے صحابہؓ سے لکھوایا تھا۔ کوئی وجہ نہ تھی کہ رسول اللہ صلعم اپنی زندگی میں پوری کتاب اللہ کو کتابی صورت میں اپنے سامنے مدوّن و مرتب نہ کرا دیتے اور آپؐ کی حیات مبارک ہی میں صحابہ کے ہاتھوں میں پورے قرآن کی جلدیں نہ ہوتیں، جس طرح یہود کے پاس توراۃ کی جلدیں اور عیسائیوں کے پاس انجیل کی جلدیں تھیں۔

(بقیہ از صفحہ گذشتہ) ہر مسئلہ کے موقع پر اسکے مناسب آیت کے نزول سے تمہیں غور و خوض اور آیات کی جستجو نہ کرنی پڑے۔ غرض رسول اللہ صلعم کے ذاتی علم کے لئے ایک بار مکمل نزول شروع ہوا اور ہر سال ایک بار ہو جایا کرتا تھا اور وفات کے سال دو بار ہوا مگر تعلیم و تبلیغ کے لئے بتمامہا یعنی تھوڑا تھوڑا حسب ضرورت نزول ہوتا رہا۔

یہاں کذلک بالکل اسی طرح ہے جس طرح سورۂ مریم کے شروع میں حضرت زکریا کے سلسلہ ذکر میں ہے قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّكَانَتِ امْرَاَتِيْ عَاقِرًا وَّقَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْكِبَرِ عِتِيًّا ۝ قَالَ كَذٰلِكَ ۚ قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ وَّقَدْ خَلَقْتُكَ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ تَكُ شَيْـًٔا ۝ حضرت زکریا نے کہا کہ اے میرے رب مجھے لڑکا کہاں سے ہوگا درحالیکہ میری بی بی بانجھ ہے اور میں بڑھاپے سے اکڑ چکا ہوں۔ اللہ نے کہا کہ ایسا ہی ہے (یعنی تمہاری بی بی بانجھ بھی ہے اور تم بہت بوڑھے بھی ہو) مگر ایک بانجھ عورت کو بوڑھے مرد سے بچہ دینا میرے لئے آسان ہے۔ ہم نے اس سے پہلے خود تمہیں پیدا کیا کہ تم کچھ بھی نہ تھے۔

حضرت مریم کے بارے میں بھی ہے کہ انھوں نے کہا کہ مجھے کہاں سے لڑکا ہوگا کسی بشر نے مجھے چھوا نہیں اور میں بدکار بھی نہیں۔ جواب میں کہا گیا کذلک۔ ایسا ہی ہے کہ تمہیں کسی مرد نے چھوا ہے اور نہ تم بدکار ہو مگر تمہارے رب نے کہا ہے کہ مجھ پر یہ آسان ہے۔ مفسرین نے اپنے معتقدات کے ماتحت جو کذلک کی تغیر میں یہاں اے کذلک اُنزل مفرقا لکھدیا ہے۔ یہ کسی قاعدہ ادب عربی سے صحیح نہیں ہو سکتا۔ صاحب کشاف لکھیں یا کوئی بھی لکھدے کذلک کا اشارہ اسی امر کی طرف ہوگا جس کا ذکر پہلے ہوا ہے۔ اور یہاں تنزیل قرآن جملۃً واحدۃً ہی کا ذکر پہلے ہوا ہے، اسلئے کذلک کا اشارہ اسی طرف ہوگا۔ نہ کہ کسی ایسی بات کی طرف۔ جو مذکور ہی نہیں ہوئی۔

امام رازی تفسیر کبیر جلد ۳ ص ۱۱۲ سورہ آل عمران، رکوع ۱۷ آیت فبما رحمۃ من اللہ لنت لھم الایہ۔ کی تفسیر میں لکھتے ہیں وروی عن بعض الصحابۃ انہ قال لقد احسن اللہ الینا کل الاحسان۔ کنا مشرکین فجاءنا رسول اللہ بھذا الدین جملۃً وبالقرآن دفعۃً فثقلت ھذہ التکالیف علینا فما کنا ندخل فی الاسلام ولکنہ دعانا الی الکلمۃ واحدۃ فلما قبلناھا وعرفنا حلاوۃ الایمان قبلنا ما وراءھا کلمۃً بعد کلمۃٍ علی سبیل الرفق الی ان تم الدین وکملت الشریعۃ۔ یعنی بعض صحابہؓ سے روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہم لوگوں پر پورا پورا احسان کیا۔ ہم لوگ مشرک تھے۔ اگر ہم لوگوں کے پاس اللہ کے رسول اس دین کو مکمل ایک بار اور قرآن کو ایک دفعہ سارے کا سارا لے کر آتے۔ دینی و شرعی تکلیفیں ہم لوگوں پر بہت گراں گذرتیں۔ اور ہم لوگ اسلام میں داخل نہ ہوتے۔ لیکن اللہ کے رسول نے ہم لوگوں کو پہلے صرف ایک کلمہ (لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ) کی طرف بلایا۔ تو جب ہم لوگوں نے اس کو قبول کر لیا۔ اور ایمان کی حلاوت جان لی تو اس کے بعد اسکے ما بعد کی ایک ایک بات کو بتدریج بعد بعد کلمہ کے بعد بعد حکم کے بعد بعد آیت کے یہاں تک کہ دین تمام ہو گیا اور شریعت مکمل ہو گئی۔ ۱۲ منہ غفرلہ

قرآن میں حکم کتابت

سورہ بقرہ جو مدینہ طیبہ میں اترنے والی سورتوں میں پہلی سورت ہے اسکے آخری رکوع سے پہلے ۳۹ میں مسلمانوں کو آپس کے لین دین اور خرید و فروخت والے معاملوں کو لکھ لینے کا حکم تاکیدی ہے۔ یاایھا الذین امنوا اذا تداینتم بدین الی اجل مسمّی فاکتبوہ۔ آخر رکوع تک پڑھ جایئے۔ کیا ایسی قوم جو لکھنا پڑھنا نہ جانتی ہو، جس کے پاس لکھنے پڑھنے کے سامان نہوں۔ کاغذ تک نہ ملتا ہو، اس قوم کے ہر فرد کو یہ حکم دیا جا سکتا ہے کہ کسی سے قرض کا لین دین کرو، یا آپس کی معمولی خرید و فروخت کے علاوہ جو بیع و شری کا معاملہ کرو تو اسکو لکھ لیا کرو یا لکھوا لیا کرو؟ کیا یہ ضرورتیں ایسی ہیں جو ناگہانی طور سے ہزار دو ہزار میں کبھی کسی کو پیش آتی ہونگی؟ ایسی ضرورت تو زندگی میں بارہا تقریباً ہر شخص کو پیش آتی ہے۔ کاتب اور سامان کتابت کے ملنے کا امکان وقوع کے لئے بالکل نہ مل سکنے کے امکان کی طرح صرف سفر ہی میں تصور کیا جا سکتا ہو جسکے لئے رہن کا حکم ہو۔

سورہ بقر کا یہ رکوع اس بات کا شاہد عادل ہے کہ ہجرت کے وقت تک صحابہ میں لکھنے پڑھنے کا عام رواج ہو چکا تھا اور کاغذ وغیرہ لکھنے پڑھنے کا سامان کافی حد تک ان کے پاس موجود رہتا تھا۔ یعنی زید بن ثابت کے کتابت سیکھ لینے سے پہلے ہی یا ان کی مہارت کتابت کے زمانے تک ہزارہا صحابہ فن کتابت سے واقف ہو چکے تھے، اور ان کے پاس کاغذ بھی برابر مہیا ہوتا رہتا تھا۔ کیونکہ سورہ بقرہ کا نزول زید بن ثابت کی مہارت کتابت سے پہلے ہی ہو چکا تھا، اور مسلمانوں کو لین دین وغیرہ کے معاملات کے لکھ لینے کا حکم زید بن ثابت کی مہارت کتابت سے پہلے مل چکا تھا۔

تعجب تو یہ ہے کہ جس رسول پر سب سے پہلے وحی جو اتری اس میں علّم بالقلم کا جملہ بیان فرما کر یہ ثابت کر دیا گیا کہ تعلیم قلم ہی کے ذریعے ہوتی ہے جس رسول نے ہر مرد و عورت مسلمان پر علم حاصل کرنا فرض قرار دیا ہو اس رسول کے بارے میں لوگوں نے یہ مشہور کر رکھا کہ ایسے رسول کی امت میں لکھنے پڑھنے کا رواج اس قدر کم تھا کہ قرآن جیسی کتاب جو ساری قوم کا سرمایہ ایمان تھا اسکو بھی اس نے کتابی صورت میں مرتب و مدون نہ کیا تھا؟ امت تو امت تھی خود رسول اللہ صلعم نے بھی مرتب کر کے نہ لکھوا دیا۔ آخر یہود و نصاریٰ کے پاس یہ لوگ تورات و انجیل کتابی صورت میں کاغذ پر لکھی ہوئی دیکھتے تھے۔ دوسروں کی کتابوں کو دیکھکر بھی یہ ولولہ نہ پیدا ہوا کہ ہم لوگ بھی اپنی کتاب کو اسی طرح کتابی صورت میں مدون کر ڈالیں؟

ابوداؤد جلد دوم آغاز ص ۱۲۹ (مطبع مجتبائی دہلی) ایک حدیث ہے جس سے ظاہر ہے کہ حضرت عبادہ بن صامت اہل صُفّہ کو قرآن کے پڑھنے اور لکھنے کی تعلیم دیا کرتے تھے اور اسوقت رسول اللہ صلعم اسی دنیا میں تشریف فرما تھے اور عبادہ بن صامت مدنی انصاری خزرجی صحابی تھے۔

عبداللہ بن سعید بن العاص کے بارے میں بھی استیعاب ج ۱ ص ۳۸۱ میں لکھا ہے کہ رسول اللہ صلعم نے انہیں حکم دیا تھا کہ مدینے میں جو لوگ لکھنا نہیں جانتے ہیں ان کو لکھنے کی تعلیم دیں۔

اور یہ وہ لوگ ہیں جو اسارائے جنگ بدر کے علاوہ مستقل طور سے تعلیم کتابت پر مامور تھے۔ جس سے صاف ظاہر ہے کہ صحابہ میں تعلیم کتابت کی ترویج کی کتنی کد رسول اللہ صلعم کو تھی۔ اور یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ بس اتنے ہی لوگ تعلیم کتابت پر مامور تھے۔ ان کے علاوہ بھی یقیناً بہت لوگ مامور ہونگے اور کتنے لوگ بطور خود سکھاتے ہونگے اور کتنے لوگ بطور خود سیکھتے ہونگے۔ اور کتابت سیکھنے کے بعد سب سے زیادہ محبوب مشغلہ اور مرغوب کام ہر شخص کا قرآن ہی لکھنا ہوگا۔ کون سا شخص ہوگا جس نے کتابت سیکھی ہو اور قرآن نہ لکھا ہو اپنے لئے اور اپنے اہل و عیال کے لئے اور اپنے اعزہ و ہم جوار کے لئے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات مبارک میں قرآن جمع نہ ہو سکنے کی غیر معقول وجہ بھی جاتی ہے

قرآن کریم کا نزول چونکہ تھوڑا تھوڑا کر کے ہوا اس لئے کہا جاتا ہے کہ رسول اللہ صلعم نے ہر اس حصہ قرآن جو اترا لکھوایا تو ضرور۔ مگر غیر مطمئن طور سے اس لئے کہ آپ کو خود یہ علم نہ تھا کہ سلسلہ نزول کب ختم ہوگا۔ اور درمیان سے کون سی آیت کب منسوخ کر دی جائیگی اور اس کے عوض کون سی آیت اتریگی اور کب؟ ترتیب نزول کے مطابق بھی اگر آپ جمع کراتے تو ہو سکتا تھا کہ جیسے جیسے آیتیں اترتی جاتیں آپ لکھواتے چلے جاتے اور پھر آخری آیت پر قرآن ختم ہو جاتا۔ مگر آپ جمع کرا رہے تھے ترتیب نزول کے خلاف اور حضرت کے مطابق۔ اور مجمع الزوائد میں طبرانی کی اوسط سے تو روایت ہے کہ عن ام سلمۃ رضی اللہ عنہا قالت کان جبریل علیہ السلام یملی علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم یعنی حضرت ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے قرآن لکھواتے تھے [illegible]

بتاتے جاتے تھے مگر جبرئیل علیہ السلام وہیں پر بیٹھے سنتے رہتے تھے کہ لکھوانے میں کسی طرح کی بھول چوک بمقتضائے بشریت نہ ہو جائے۔ مجمع الزوائد بحوالہ ص۱۵۷ مجمع الزوائد جلد اول ص۶۰ میں غالباً اسی بنا پر زید بن ثابت سے یہ بھی مروی ہے کہ فان کان فیہ سقط او اقامہ اگر اس میں لکھنے سے کچھ چھوٹ گیا تو اسکو اسکی جگہ پر لکھدیا یا غلطی ہوگئی تو اسکو صحیح کر دیا۔ ثم اخرج بہ الی الناس اس کے بعد تبلیغ و اشاعت کے لئے اس نازل شدہ وحی کو لوگوں تک پہونچا دینے کے لئے نکالتے تھے وقت وفات تک بعض آیات کے نزول کا امکان موجود تھا۔ بدیں وجہ آپ نے قرآن کو کتابی صورت میں مرتب و مدون نہیں فرمایا، نہ آپ کے وقت میں کسی صحابی کو کے لئے بطور خود اپنے جی سے یا آپ کی اجازت سے، اتری ہوئی آیتوں کو مرتب و مدون کرنے کا امکان تھا۔ اسلئے عہد نبوی میں قرآن مرتب و مدون نہ ہو سکا۔ چونکہ آپ نزول آیات کے بعد کاتبین وحی سے فرماتے تھے اس آیت یا ان آیات کو فلاں سورہ میں فلاں آیت کے بعد لکھو، اس لئے کسی سورت کے متعلق بھی وفات نبوی کے وقت تک یہ یقین نہیں ہو سکتا تھا کہ یہ سورہ مکمل ہے کیونکہ ممکن تھا کہ دو ایک آیت ایسی اتر جائے کہ اس سورہ کے اول یا آخر یا درمیان میں داخل کر دینے کا حکم ہو۔ اس لئے قرآن کبھی کبھی نازل شدہ آیات منسوخ بھی کر دی جاتی تھیں بعض کے احکام اور بعض کی تلاوت نازل ہونے کے بعد منسوخ ہو جاتی تھی۔ اس لئے آنحضرت کو اس کا احتمال ہمیشہ لگا رہتا تھا کہ شاید کوئی آیت تلاوۃً منسوخ ہو جائے تو پھر کتاب میں داخل کرنے کے بعد اس کا نکالنا بے موقع اور مشکل ہوگا

۱؎ اگرچہ یہ قول بخاری وغیرہ کی حدیثوں کے خلاف ہے۔ کیونکہ عہد نبوی ہی میں بعض صحابہ کے قرآن جمع کرنے کی روایت بخاری وغیرہ میں موجود ہے جس کا ذکر اوپر کیا جا چکا ہے

۲؎ منسوخ الحکم آیتیں تو خطابی اور ان کے ہم عقیدہ علماء کے نزدیک آج تک قرآن میں موجود ہی ہیں ایک دو نہیں بلکہ بیسیوں بلکہ سینکڑوں مگر بقول حضرت شاہ ولی اللہ محدث، صرف پانچ منسوخ التلاوۃ کا تو پتا ہی نہیں، خدا جانے کتنی آیتیں ہونگی۔ یہی راویان حدیث کہتے ہیں کہ سورہ احزاب پہلے اتنی بڑی تھی کہ سورہ بقرہ سے بھی زیادہ آیتیں اس میں تھیں۔ مگر اس حدیث کے راوی بڑے چالاک تھے ایسے عنوان سے کہہ گئے جس سے کوئی تو یہ سمجھا کہ وہ بہت سی آیتیں جو اب سورہ احزاب میں نہیں ہیں منسوخ ہوگئیں جن کا حکم بھی منسوخ ہے اور تلاوت بھی۔ اور کوئی یہ سمجھا کہ وہ سب آیتیں شہدائے جنگ یمامہ کو یاد تھیں، مگر وہ تو شہید ہوگئے۔ اس وجہ سے قلمبند نہ ہو سکیں۔ اور غائب ہوگئیں۔ جس کا الزام رسول اللہ صلعم پر ہی بلکہ خود خدا پر کہ قبل اس کے قرآن مرتب مدون ہو جائے رسولؐ کو کیوں اٹھا لیا۔؟ اور ان حفاظ کو کیوں شہید کرا دیا گیا؟۔ اور کوئی یہ سمجھے کہ حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ نے زید بن ثابت سے کہہ کر ان آیات کو نکلوا دیا۔ کیونکہ ان آیات میں حضرت علیؓ اور ان کے اہل بیت کی منقبت تھی۔ غرض اس قسم کی منسوخ آیتوں کے متعلق جن کے احکام اور جن کی تلاوت دونوں ان علماء کے نزدیک منسوخ تھی کیا بتایا جا سکتا ہے کہ کتنی تھیں البتہ ایک آیت ان کے نزدیک ایسی بھی عجیب و غریب ہے جس کا حکم تو باقی ہے مگر صرف تلاوت منسوخ ہے اس کا حکم چونکہ باقی ہے اس لئے وہ حدیثوں کی رو سے بدیر یہ روا محدثین و فقہا میں رائج و سائر ہے، جس کو یہ لوگ آیۃ الرجم کہتے ہیں الشیخ والشیخۃ اذا زنیا فارجموھما البتۃ نکالا من اللہ الخ جس کا مطلب تو یہ ہے کہ بوڑھا اور بڑھیا اگر زنا کریں تو ان کو سنگسار کرو ضرور یہ اللہ کی طرف سے سزا ہے۔ مگر کہا یہ جاتا ہے کہ بوڑھے سے مراد یہ ہے کہ مرد بیوی والا اور عورت شوہر دار ہو چاہے نوجوان ہی کیوں نہ ہوں۔ اگر واقعی یہ آیت ہے اور اس کا حکم باقی ہے تو پھر اس کی تلاوت کیوں منسوخ ہوگئی؟ اور کس نے فسخ کی؟ اور کہاں لکھی گئی؟ اور کیا روایت ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہو کہ یہ ہے تو قرآن کی آیت۔ اور اس کا حکم باقی رہیگا۔ مگر اس کو قرآن میں داخل کر کے اس کی تلاوت نہ کرنا۔ کہا جاتا ہے کہ جمع کے وقت ہر صحابی قرآن کے وہ حصے جو اس کے پاس لکھے ہوئے یا زبانی یاد کی صورت میں تھے لے کر آتا تھا اور اس پر اس سے دو گواہ طلب کئے جاتے تھے جیسی کہ ایک گواہ تو وہ خود لانے والا ہوتا تھا اور ایک اور کسی کو وہ لے آتا تھا۔ جب وہ حصہ قرآن میں داخل کرایا جاتا تھا۔ اور جو کے لئے لانے والے کے پاس کوئی گواہ نہ ہوتا وہ حصہ قرآن میں داخل نہیں کیا جاتا تھا۔ چنانچہ حضرت خزیمہ بن ثابت الانصاری آیت سورۂ احزاب یا آخر سورہ توبہ لکر سامنے آئے تو چونکہ وہ دو گواہ نہ لاسکے یعنی ان کی ایک شہادت دو مردوں کی دو شہادتوں کے برابر قرار دے دی گئی تھی۔ اس لئے قبول کر لی گئی۔ مگر آیۃ الرجم کو صرف حضرت عمرؓ کے آگے تھے ان کے سوا کسی دوسرے نے اس کی شہادت نہیں دی اس لئے یہ آیت الرجم قرآن میں داخل نہیں کی گئی اگر یہ روایت صحیح مان لی جائے تو پھر حضرت عمرؓ کا یہ کہنا تو یقیناً اس روایت پر ایمان رکھنے والوں کے نزدیک بھی مسلم نہ ہوگا اس لئے وہ کہہ سکتے ہیں کہ قرآن ناقص رہ گیا اور یہ آیت قرآن میں داخل ہو سکی اور اس کی تلاوت سے امت محروم رہ گئی مگر اس سے یہ نہ سمجھا جائیگا کہ یہ آیت منسوخ التلاوۃ ہوگئی۔ اور اگر سمجھا جائے تو اللہ تعالیٰ نے دراصلی یا کیے صرف تعلیل ربی کہ

خطابی کا عذر لنگ

اور اس سے زیادہ بے موقعگی کا احتمال اس وقت کے لئے تھا کہ لوگوں سے کہا جاتا کہ تم نے فلاں سورہ جو یاد کیا ہے اس کی فلاں آیت منسوخ التلاوۃ ہے اس لئے اب بھول جاؤ اس کو چھوڑ کر اب پڑھا کرو نعوذ باللہ من تلك الهفوات۔

چنانچہ خطابی کا قول اتقان ص۵۸ میں منقول ہے کہ قال الخطابی انما لم یجمع القرآن صلعم فی الصحف لما کان یترقب من ورود الناسخ بعض احکامه او تلاوته۔

صحیح مسلم کتاب التفسیر اور صحیح بخاری کتاب فضائل القرآن کے پہلے ہی باب میں ایک حدیث ابن شہاب زہری ہی سے مروی ہے کہ حضرت انس نے زہری سے کہا کہ اللہ تعالیٰ رسول اللہ صلعم کے پاس آپ کی وفات کے قبل پے در پے وحی کرتا رہا۔ اور زیادہ وحی اس دن ہوئی جس دن آپ نے وفات فرمائی۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں اِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ تَابَعَ الْوَحْیَ عَلٰی رَسُوْلِهٖ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَبْلَ وَفَاتِهٖ وَاَکْثَرَ مَا کَانَ الْوَحْیُ یَوْمَ تُوُفِّیَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ۔ یہ حدیث امام نووی کے نسخہ صحیح مسلم میں نہیں ہے۔ اسی لئے انھوں نے اس حدیث کو چھوا تک نہیں۔ ایک لفظ بھی اس روایت کے متعلق نہیں لکھا۔ مگر متن میں موجود ہے۔

اگر وحی غیر تشریعی یعنی غیر قرآنی وحی مراد لی جائے جن کا تعلق احکام و حلال و حرام سے نہیں۔ تو ہو سکتا ہے۔ ورنہ خود صحاح ہی کی روایتوں میں موجود ہے کہ آخری آیت جو نازل ہوئی ... وہ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ والی آیت ہے جو حجۃ الوداع میں عرفات میں جمعہ کے دن نازل ہوئی وفات نبوی سے تقریباً تین ماہ پہلے۔ اسکے بعد پھر کوئی آیت نازل نہیں ہوئی۔ اسلئے کہ تکمیل دین کے بعد پھر کوئی دینی مسئلہ نہیں پیدا ہو سکتا اور آخری آیت کے بعد پھر کوئی آیت کس طرح اتر سکتی ہے۔

مگر اس روایت میں ایک پہلو مبہم ایسا رکھا گیا ہے جس سے یہ معلوم ہو کہ وحی کا سلسلہ جب وفات کے وقت تک جاری تھا تو پھر قرآن کس طرح آپ جمع فرماتے۔ حالانکہ اگر ایسا ہوتا تو وفات کے وقت بھی کوئی کاتب وحی آپ کے سامنے بیٹھا وحی لکھتا رہتا اور آپ بتاتے جاتے۔ مگر ایسا تو کسی روایت میں بھی نہیں ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اگر ایسا تھا تو نعوذ باللہ خود رسول اللہ صلعم جن پر قرآن نازل ہوا جو قرآن کی تعلیم و تبیین و تبلیغ کے لئے مبعوث ہوئے، ان کو بھی پوری زندگی میں ایک منٹ کے لئے بھی پورے قرآن تو کیا کسی پوری سورت سے بھی آشنا ہونے کا موقع نہ ملا۔ دم وفات تک آپ نعوذ باللہ ہر سورہ کو غیر مکمل ہی سمجھتے رہے اور غیر مرتب الآیات ہی قرآن پڑھتے پڑھاتے رہے، اپنی پوری حیات مبارک میں جو تلاوت قرآن آپ نے فرمائی خدا جانے کس طرح فرمائی۔ صحابہؓ کو جو آپ تعلیم فرماتے تھے اور خود نمازوں میں پڑھتے تھے تو ان میں آیات کی کوئی ترتیب ہوتی تھی یا نہیں؟

عقل و دیانت والے اتنا کیوں نہیں سمجھتے

اہل عقل و دیانت اتنا کیوں نہیں سمجھتے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولؐ کو اسی لئے مبعوث کیا کہ وہ اس کی کتاب دوسرے تمام انسانوں تک پہنچا دیں، اس کی تعلیم و تبیین کر دیں۔ اللّٰهُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ۔ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ کہاں اس کی رسالت ہونی چاہئے اور کس طرح اور کب تک۔ تو اس غرض کے ماتحت جب اس نے رسول کو مبعوث فرمایا اور ان پر کتاب بھی اتاری تو رفتہ رفتہ تھوڑی تھوڑی اسی لئے اتاری کہ رسولؐ کو اس کی تعلیم و تبیین و تبلیغ اور جملہ متعلقہ فرائض کی

(بقیہ حاشیہ از صفحہ گذشتہ) یہ آیت قرآن سے نکل جائے اور تلاوت میں داخل نہ ہو اور اس طرح اس کو منسوخ کر دیا تو یقیناً اس کا حکم بھی منسوخ کر دیا۔ پھر اس کے حکم کے باقی رہنے کی کوئی وجہ نہیں۔ کاتب وحی کے نزدیک جب اس آیت کی قطعیت ثابت نہ ہو سکی تو جس طرح اس کا ایک آیت قرآنی ہونا ثابت نہ ہو سکا اسی طرح اس کے حکم کا حکم الٰہی ہونا بھی ثابت نہ ہو سکا۔ کوئی وجہ نہیں ہے کہ اس کے الفاظ تو قرآن سے خارج ہیں اور اس کا حکم دین میں داخل رہے۔ مزید بحث میرے رسالہ آیۃ الرجم میں مذکور ہے اس میں دیکھئے۔ ۱۲ منہ

(حاشیہ صفحہ ہذا) مولانا شمس الحق محدث عظیم آبادی رحمہ اللہ نے غایۃ المقصود شرح سنن ابو داؤد کے مقدمہ میں شارحین سنن ابی داؤد میں خطابی کا ترجمہ ابن خلکان کی وفیات الاعیان سے نقل کیا ہے مختصر یہ ہے کہ ابو سلیمان احمد بن محمد ابن ابراہیم بن الخطاب الخطابی البستی کی وفات ۳۸۸ھ ماہ ربیع الاول میں ہوئی ہے ۱۲ منہ

کیف یظن منه صلعم هذا الترتیب بعد یوم نزل فیه الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی فماذا النسخ بعد التکمیل وکیف بعد الاتمام التغییر والتبدیل ۱۲ منہ حاشیہ صفحہ گذشتہ میں دیکھئے۔ ما یصح نسخ الاحکام فی الکتابة فانه مما یعتقدون النسخ

انکاری میں مثبت قلب وسکون وطمانیت کے ساتھ سبکدوشی حاصل ہو، اور وہ اپنی زندگی میں اپنے تمام مفوضہ فرائض متعلقہ کتاب اللہ کو پوری طرح انجام دے سکیں، اور یہ رسولؐ بھی ایسے کہ ان کے بعد اب کوئی رسول یا نبی آنے والا نہیں اور نہ اس کتاب کے بعد اب کوئی کتاب تا قیامت اترنے والی ہے۔ رسول کی زندگی میں اور پھر رسول کے بعد قیامت تک یہی کتاب ذریعہ ہدایت رہنے والی ہے۔ تو یقیناً اللہ تعالیٰ نے نزول قرآن کی تکمیل کا وقت آپ کی وفات سے کافی پہلے ہی رکھا۔ تاکہ خود رسول اللہ صلعم کی زندگی مبارک ہی میں پورا قرآن مکمل اور مرتب و مدوّن ہو جائے۔ رہے جو چند غیر مرتب و غیر مدوّن ہو جس کی تکمیل مشتبہ ہو کہ خدا جانے یہ چیز مکمل ہو گئی یا ابھی اس کا کوئی اور حصہ نازل ہونے کے لئے باقی ہے جو احکام آگئے وہ اب مکمل دین کی صورت میں قیامت تک کے لئے آگئے یا ابھی اس میں نسخ و تبدیل و تغیر کا امکان باقی ہے۔ تو پھر ایسی ناقص چیز کی تعلیم تبیین و تبلیغ بھی یقیناً ناقص اور مشتبہ ہی ہوگی۔ الیوم اکملت لکم دینکم الآیہ، اور تمت کلمۃ ربک صدقا وعدلا کے نزول کے بعد تو پھر کسی آیت احکام کے نزول کا یا کسی طرح کے نسخ و تبدیل و تغیر کا امکان نہیں ہے جس دن یہ آیت تکمیل [illegible] کی بشارت لے کر نازل ہوگی اسی دن نہ فقط رسول اللہ صلعم کو بلکہ تمام صحابہؓ کو یہ معلوم ہو گیا کہ اب نزول قرآن کا سلسلہ ختم ہو گیا۔ اب کوئی آیت احکام نہیں اترے گی اور اب کسی طرح کا رد و بدل احکام میں نہ ہوگا۔ اس آیت کے نزول کی تاریخ حجۃ الوداع کے موقع پر عرفہ کا دن بتایا جاتا ہے۔ یعنی وفات نبوی سے تقریباً پونے تین ماہ قبل۔ مگر یہ روایت بھی میرے نزدیک مشتبہ ہی ہے۔ یقیناً یہ آخری آیت وفات نبوی سے کم از کم ڈیڑھ دو سال پیشتر ہی نازل ہوئی تھی۔ اور نزول وحی قرآنی کا سلسلہ وفات نبوی سے بہت پہلے ختم ہو چکا تھا۔ جس کا علم رسول اللہ صلعم کو حاصل تھا۔ جب ہی تو ختم قرآن کے متعلق احکام حدیثوں میں مذکور ہیں اور آپ سے صحابہؓ پوچھتے تھے کہ کتنے دنوں میں قرآن ختم کریں۔

رسول کی حیات ہو اللہ کے اختیار میں تھی

اللہ کے اختیار میں رسول کی حیات و موت تھی۔ یہ کوئی محض انسانی کاروبار تو تھا نہیں کہ کوئی انسان نہیں جانتا کہ ہم اپنا کام ختم کر کے مریں گے یا ناتمام چھوڑ کر۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کو مرتب و مدوّن رسول اللہ صلعم کے ہاتھوں سے کرائے بغیر رسولؐ کو وفات دے دی تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ رسول اللہ صلعم کی وفات اللہ تعالیٰ کے بس کی بات نہ تھی۔ جب اللہ تعالیٰ نے یہ ارادہ کر لیا تھا کہ یہ آخری نبی اور رسول ہونگے اور قرآن آخری کتاب ہوگی نہ ان کے بعد کوئی رسول آئینگے نہ کوئی دوسری کتاب اترے گی تو یقیناً اللہ تعالیٰ نے قرآن کو رسول اللہ صلعم ہی سے مرتب و مدون کرا دیا تھا۔

مصحف کہئے یا قرآن، یہ مجموعہ ہے ایک سو چودہ سورتوں کا اور ہر سورہ کم و بیش آیتوں کا مجموعہ ہے۔ اور ہر آیت کم و بیش کلموں سے مرکب ہے۔ اور ہر کلمہ کچھ حروف سے بنا ہے۔ قرآن میں آیت و آیات اور سورۃ و سور کے الفاظ موجود ہیں جس کے یہ معنی ہوئے کہ کتنے کلموں سے کون سی آیت مرکب ہے۔ اور کتنی آیتوں کا مجموعہ کون سا سورہ ہے۔ یہ سب منجانب اللہ ہی معین و مقرر ہوا اور یقیناً ہر سورہ کو رسولؐ نے خود توقیفی[1] طور سے مرتب و مدوّن فرمایا اور ہر سورہ کا نام بھی خود رسول اللہ صلعم نے ہی رکھا۔ آپ سورتوں کی تلاوت نمازوں میں اور نمازوں سے باہر فرمایا کرتے تھے۔ سورتوں کی تعلیم فرماتے تھے جو سورہ جب مکمل ہو گیا تو آپ کو اس کا علم بھی وحی لانے والے فرشتہ ہی کے ذریعے ہو جاتا تھا کہ اب یہ سورہ مکمل ہو گیا اس لئے ہرگز ہرگز آپ کو کبھی سورہ کے متعلق بھی اشتباہ کبھی نہ رہا کہ خدا جانے یہ سورہ مکمل ہو گیا یا ابھی اس کی کوئی آیت نازل ہونے کو باقی ہے یا نہیں؟ جس سورہ کی تمام آیتیں اتر گئیں اور وہ مکمل ہو گیا تو پھر عام صحابہؓ کے حفظ و کتابت اور قرارت و تلاوت میں داخل ہو کر رفتہ رفتہ گھر گھر بہت جلد ساری دنیائے اسلام تک پہنچ جاتا تھا۔ فلیبلغ الشاھد الغائب کے حکم نبوی کے مطابق ہر حاضر صحابی دور والوں تک اس سورہ کو پہنچا دیا کرتا تھا۔ اس لئے یہ ممکن ہی نہ تھا کہ قرآن کی کوئی آیت بھی ایسی ہو جو صرف کسی خزیمہ یا ابو خزیمہ یا حرث بن خزیمہ کے پاس نکلے اور دوسرے صحابہؓ اس سے بالکل بے خبر ہوں یا اٹھارہ انیس برس کے بعد زید بن ثابتؓ کو یاد آئے کہ میں اس آیت کو رسول اللہ صلعم کو پڑھتے سنتا تھا۔ وہاں تو جو آیت اترتی تھی فوراً لکھ لی گئی۔ اور پھر نقل در نقل ہو کر کتابت اور تبلیغ و تعلیم کے سلسلے سے قراۃ و تلاوۃ تمام دنیائے اسلام و غائب

---

[1] توقیف یعنی اقامت و تعلیم نہیں یہاں مراد تعلیم الٰہی سے ہے یعنی منجانب اللہ تعلیم [illegible] ترتیب رسول اللہ صلعم [illegible]

صحابہؓ میں پہنچ گئی۔ اور پھر ہر سینے میں محفوظ اور ہر سفینے میں مکتوب ہو کر پوری دنیائے اسلام میں شایع و ذائع ہو کر رہی۔ ان حالات میں جن آیات کی قطعیت و یقینیت کالشمس فی نصف النہار ہے۔ اُن کے متعلق ایسی ایسی روایتیں پیش کرنا کہ فلاں آیت صرف فلاں کے پاس تھی اور فلاں آیت فقط فلاں لائے، وہ بھی وفات نبوی کے بعد آفتاب پر خاک ڈالنا نہیں تو اور کیا ہے؟۔

آخر سورۂ توبہ و آیت احزاب کی حدیثوں اور خزیمہ والی خزیمہ پر مفصل بحث۔

جمع صدیقی والی حدیث کی روایت زید بن ثابتؓ ان سے علیحدہ السباق اور ان سے زہری نے کی ہے اس کی بحث گذر چکی اس میں آخر سورہ توبہ کی روایتوں کے جمع قرآن کے وقت خزیمہ یا ابو خزیمہ کے سوا اور کسی کے بھی پاس نہ ملنے کا ذکر اسی حدیث کے جزو کی حیثیت سے مذکور ہے۔ اس حدیث کے بعد باب جمع القرآن میں نقل مصاحف بعہد عثمانی والی حدیث حضرت انسؓ بن مالکؓ سے ہے جس کو بلا واسطہ ان سے ابن شہاب نے ہری ہی روایت کرتے ہیں۔ اس حدیث میں تو کسی آیت کے نہ ملنے اور پھر کسی کے پاس پائے جانے کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ مگر اس حدیث کو ختم کرتے ہی امام بخاری نے ایک دوسری حدیث بغیر اپنے شیخ اور شیخ کے شیخ کا نام لئے۔ قال ابن شہاب سے شروع کی ہے جو صرف یہ مضمون ظاہر کرتی ہے کہ مصحف لکھنے کے وقت زید بن ثابت کو یاد آگیا کہ سورۂ احزاب کی ایک آیت تھی جس کو میں رسول اللہ صلعم سے اکثر سنا کرتا تھا، تو اس کو انھوں نے ڈھونڈھنا شروع کیا۔ آخر خزیمہ بن ثابت الانصاری کے ساتھ ملی۔ وہ آیت من المومنین رجال صدقوا ما عاھدوا اللہ علیہ الخ۔ تو انھوں نے اس آیت کو مصحف میں لگا لیا۔ اس حدیث کو زہری انسؓ بن مالکؓ سے نہیں بلکہ خارجہ بن زید سے روایت کرتے ہیں اور وہ اپنے والد زید بن ثابتؓ سے۔ اس باب جمع القرآن میں تو امام بخاری نے اپنے شیخ اور شیخ کے شیخ کا نام نہیں لکھا ہے مگر کتاب التفسیر میں بضمن تفسیر سورۂ احزاب اسی حدیث کو صحیح بخاری ہی میں پورے اسناد کے ساتھ لکھتے ہیں کہ حدثنا ابو الیمان قال اخبرنا شعیب عن الزہری قال اخبرنا خارجۃ ابن زید بن ثابت الخ البتہ دونوں روایتوں میں تھوڑا فرق ہے۔ اس لئے مناسب ہے کہ دونوں جگہ کی حدیث یہاں میں نقل کر دوں۔ تاکہ ماہرین حدیث غور فرمائیں کہ دونوں جگہ ایک ہی حدیث ایک ہی اسناد والی لکھی جاتی ہے مگر الفاظ میں پھر بھی کافی فرق ہے۔ کیا یہ فرق صرف اس وجہ سے پیدا ہو گیا کہ ایک جگہ امام بخاری اپنے شیخ اور شیخ کے شیخ کے نام لکھتے ہیں اور دوسری جگہ نہیں لکھتے۔ یا کوئی اور وجہ ہے یہ فرق تو یقیناً خاص امام بخاری کی طرف سے ہے اور بلا وجہ ہے، کوئی معقول سبب اس فرق کا نہیں مل سکتا۔ بہرحال دونوں جگہ کی عبارتیں حسب ذیل ہیں۔

باب جمع قرآن والی روایت

قال ابن شہاب واخبرنی خارجۃ بن زید بن ثابت انہ سمع زید بن ثابت قال فقدت ایۃ من الاحزاب حین نسخنا المصحف قد کنت اسمع رسول اللہ صلعم یقرأ بھا فالتمسناھا فوجدناھا مع خزیمۃ بن ثابت الانصاری من المومنین رجال صدقوا ما عاھدوا اللہ علیہ فالحقناھا فی سورتھا فی المصحف۔

تفسیر سورۂ احزاب والی روایت

حدثنا ابو الیمان قال اخبرنا شعیب عن الزہری قال اخبرنا خارجۃ بن زید بن ثابت قال لما نسخنا الصحف فی المصاحف فقدت آیۃ من سورۃ الاحزاب کنت اسمع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقرأ بھا فلم نجدھا مع احد الا مع خزیمۃ الانصاری الذی جعل رسول اللہ صلعم شھادتہ شھادۃ رجلین من المومنین رجال صدقوا ما عاھدوا اللہ علیہ۔

کتاب الجہاد والی روایت

پھر کتاب الجہاد میں بھی یہی حدیث بغیر اسی اسناد سے ایک تحویل کے ساتھ مذکور ہے جو حسب ذیل ہے:

حدثنا ابو الیمان اخبرنا شعیب عن الزہری ح وحدثنا اسمٰعیل ثنی اخی عن سلیمان ارادہ عن محمد بن ابی حرملۃ عن ابن شہاب عن خارجۃ بن زید ان زید بن ثابت قال نسخت الصحف فی المصاحف فقدت آیۃ من الاحزاب کنت اسمع رسول اللہ صلعم یقرأ بھا فلم اجدھا الا مع خزیمۃ الانصاری الذی جعل رسول اللہ صلعم شھادتہ شھادۃ رجلین وھو من المومنین رجال صدقوا ما عاھدوا اللہ علیہ۔

ابن حجر تحویل کی شرح میں لکھتے ہیں کہ اسمٰعیل سے مراد اسمٰعیل بن ابی اویس ہیں اور ان کے بھائی ابوبکر عبدالحمید ہیں۔ اور سلیمان سے مراد ابن بلال ہیں۔ اور اُسْرَاہُ عن محمد بن ابی عتیق یہ قول اسمٰعیل کا ہے۔ یہ اس لئے کہ باوجود لقا کے ان کا بلاواسطہ زہری سے روایت کرنا محدثین کے نزدیک ثابت نہیں ہے۔ ابن حجر تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۱۷۶ میں لکھتے ہیں کہ لقی الزھری ولکنہ یروی کثیر حدیثہ عن قدماء اصحابہ مگر اس کی وجہ ابن حجر نے نہیں لکھی۔ حقیقت یہ ہے کہ سلیمان بن بلال موالی قریش سے تھے مدینہ میں برابر رہے۔ اسی لئے مدنی کہے جاتے ہیں۔ زہری ایلہ کے رہنے والے تھے ایلہ میں برابر رہے۔ تحصیل حدیث کے لئے شہر بشہر ضرور گھومے۔

زہری کے مدنی ہونے کی ایک اور دلیل

اس سلسلے میں مدینہ بھی آئے۔ جمع حدیث کے مشغلہ سے پہلے حضرت علی بن حسین کی خدمت میں کچھ دنوں رہے تھے تو اس وقت روایت حدیث کا چرچا ہی نہ تھا۔ جب یہ خود حدیثیں روایت کرنے لگے تو یہ اپنے کاروبار کی وجہ سے اپنے وطن ایلہ میں رہے لوگ ایلہ ہی پہنچ کر ان سے حدیثیں لیتے تھے۔ جیسا کہ ان کے ترجمے میں مذکور ہوا۔ سلیمان ابن بلال کو ایلہ جانے کا موقع نہ مل سکا کہ ان سے حدیثیں لیتے اور مشغلۂ روایت حدیث سے پہلے جب زہری مدینہ آئے تھے تو ملاقات ہوگئی ہوگی سلیمان کا سال وفات ۱۷۲ھ اور بروایت امام بخاری ۱۷۳ھ ہے مدینہ میں اگر انھوں نے زہری کو دیکھا بھی ہوگا تو بچپن میں۔

باقی رہے اسمٰعیل بن ابی اویس ان کا اصل نام اسمٰعیل بن عبداللہ بن عبداللہ بن اویس ہے جو اس حدیث میں بخاری کے شیخ ہیں ان کا ترجمہ تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۳۱۱ میں مفصل ہے۔ ان کے ضعف پر محدثین کا اجماع ہے اور النسائی وغیرہ نے ان کو غیر ثقہ لکھا ہے اور یحییٰ بن معین وغیرہ ان کو کذاب لکھتے ہیں، امام مالکؒ کے بھانجے تھے۔ ان سے ایسی ایسی عجیب وغریب حدیثیں انہوں نے روایت کی ہیں جن کو کسی نے نہیں سنا۔ اس لئے ان کی تحویل سے اس حدیث کو کوئی تقویت متابعت حاصل نہیں ہوسکتی۔

تو اسمٰعیل بن ابی اویس کی متابعت سے قطع نظر ہی کرنا صحیح ہے۔ اور یہ ماننا پڑیگا کہ یہ حدیث صرف ایک ہی سلسلہ اسناد سے ہر جگہ مروی ہے یعنی ابوالیمان عن شعیب عن الزھری۔ اور ہم لکھ چکے ہیں کہ ابوالیمان، حکم بن نافع البہرانی الحمصی جو موالی میں سے تھے۔ ان کی روایت شعیب سے منقطع ہے۔ ابن حجر نے تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۴۱۱ میں لکھا ہے قال الآجری لم یسمع ابوالیمان من شعیب الا کلمۃ شعیب سے ابوالیمان نے ایک آدھ کلمہ سے زیادہ کبھی کچھ نہیں سنا۔ بہرحال اس حدیث کو ابوالیمان ہی تنہا شعیب سے روایت کر رہے ہیں۔ اور شعیب زہری سے۔ اور اسی سلسلۂ اسناد سے یہ حدیث تین جگہ مروی ہے۔ ایک جگہ ابوالیمان و شعیب کا نام حذف کرکے زہری ہی سے شروع کی گئی۔ یعنی باب جمع القرآن میں۔ مگر یہاں اسمٰعیل بن ابی اویس کا سلسلہ غالباً محذوف نہیں ہے۔

ایک ہی حدیث تین جگہ مگر بیان کا عنوان مختلف

اب ان تینوں جگہوں کی عبارتوں پر نگاہِ غور ڈالئے۔ سب سے پہلے تو جمع قرآن والی حدیث میں ایک واو عطف کا اضافہ آپ کو نظر آئیگا کہ قال ابن شھاب واخبرنی خارجۃ، اور تفسیر سورہ احزاب میں قال اخبرنا خارجۃ اور کتاب الجہاد میں صرف عن خارجۃ ہے۔ نبی اور نا کا فرق تو جانے دیجئے سوال یہ ہے کہ وہاں یہ واو کیسا ہے؟ اور اس کا عطف کس پر ہے؟ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کا عطف اس سے پہلے والی حدیث پر ہے۔ جس میں نقل مصاحف بعہد عثمانؓ والا واقعہ حضرت انس بن مالکؓ سے زہری روایت کر رہے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ ابن شہاب سے انس بن مالکؓ نے تو صرف نقل مصاحف کا حال [illegible] مگر اس موقع پر جو سورۂ احزاب کی ایک آیت نہیں مل رہی تھی اور ڈھونڈھنے کے بعد خزیمہ بن ثابت الانصاری کے پاس ملی اس کا ذکر انسؓ بن مالکؓ نے نہیں کیا، اس کمی کو خارجہ بن زید نے پورا کر دیا۔ اسی لئے یہ واو عطف قصداً لایا گیا۔ یعنی انسؓ بن مالکؓ نے تو اسی قدر بیان کیا جو ان سے رہ گئی تھی اس کو خارجہ نے بیان کر دیا۔ اہل ادب وصل وفصل کے قاعدے سے واقف ہیں؟ کہ یہ واو عطف اپنے ماسبق سے انقطاع ظاہر کرنے کے لئے ہی لایا گیا ہے۔ وہ ماسبق قریب کا ہو یا بعید کا مگر قریب اصولاً اس تعلق کا بعید سے زیادہ مستحق ہے۔ [illegible] کہہ سکتے ہیں کہ نہیں۔ اس کا عطف اس پہلی جمع صدیقی والی حدیث میں جو حتی وجدت آخر سورۃ التوبۃ مع ابی خزیمۃ الانصاری پر ہے۔ مطلب یہ ہے کہ عبید بن السباق زید بن ثابت سے روایت کرتے ہیں کہ جمع صدیقی کے وقت آخر سورۂ توبہ کی دو

آیتیں ابوخزیمہ انصاری کے سوا اور کسی کے ساتھ نہ ملیں اور خارجہ بن زید کہتے ہیں کہ سورہ احزاب کی آیت نہیں مل رہی تھی جس کو ڈھونڈھا گیا تو خزیمہ بن ثابت الانصاری کے ساتھ ملی البتہ انداز بیان میں اتنا فرق ہے کہ عبید کے بیان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ زید نے جمع قرآن کا کام جب شروع کیا تو ایک ایک آیت حافظوں سے زبانی پوچھتے تھے اور تحریر طلب کرتے تھے تو آخر سورہ توبہ پر جب پہونچے تو یہ ابوخزیمہ کے سوا اور کسی کے ساتھ نہیں پائی گئی، غالباً لکھی ہوئی۔ مگر خارجہ کے بیان سے یہ پتا ملتا ہے کہ سورہ احزاب کی ایک آیت کسی کے پاس ملتی ہی نہ تھی۔

ص۹ اور تفسیر ابن کثیر میں مسند امام احمد بن حنبل سے منقول ہے کہ عبداللہ بن الزبیر فرماتے ہیں کہ حضرت بن الخزیمہ آخر سورۂ برأۃ کی ان دونوں آیتوں کو لے کر (جمع قرآن کے وقت) حضرت عمرؓ کے پاس آئے تو حضرت عمرؓ نے ان سے پوچھا کہ تمہارے ساتھ کون ہے؟ تو انھوں نے کہا کہ میں نہیں جانتا۔ مگر میں قسم کھاتا ہوں کہ میں نے ان کو رسول اللہ صلعم سے سنا ہے اور ان کو لکھ رکھا ہے اور یاد کر لیا ہے۔ تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میں (بھی) قسم کھاتا ہوں کہ میں نے ان کو رسول اللہ صلعم سے سنا ہے۔ پھر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگر یہ تین آیتیں ہوتیں تو میں ان کو ایک علحدہ سورہ بنا دیتا، تو پھر قرآن کا کوئی سورہ دیکھو اور ان کو اس میں رکھ دو۔ تو لوگوں نے ان کو سورۂ برأۃ کے آخر میں رکھ دیا۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۵ ص ۹۵) تفسیر ابن کثیر میں اس حدیث کے راویوں میں ایک راوی کا نام علی بن محمد بن سلمہ لکھا ہوا ہے جو اس حدیث کو محمد بن اسحٰق سے اور وہ یحییٰ بن عباد سے وہ اپنے والد عباد بن عبداللہ سے، وہ اپنے والد عبداللہ بن الزبیر سے روایت کرتے ہیں۔ مگر علی بن محمد بن سلمہ کوئی راوی حدیث ہی نہیں ہے۔ مسند احمد میں صحیح نام علی بن مجاہد بن حسلم ہے جس کا ترجمہ ابن حجر نے تہذیب التہذیب ج ۷ ص ۳۲۹ میں لکھا ہے یہ شخص محمد بن اسحٰق سے بھی روایت کرتا ہے۔ ابن حجر لکھتے ہیں کہ یحییٰ بن معین فرماتے تھے کہ یہ شخص حدیثیں گھڑا کرتا تھا۔ ایک کتاب المغازی بھی اس نے تصنیف کی تھی۔ جس کی ہر روایت کے لئے اپنی طرف سے اسناد بنا لیتے تھے۔ اور یحییٰ بن الفریس وغیرہ نے اس کو کذاب کہا ہے۔ اس حدیث کو ابن حجر نے فتح الباری میں ج ۲ ص ۲۲۳ میں بھی نقل کیا ہے۔ مگر اس کا ذکر ہی نہیں کیا کہ محمد بن اسحٰق سے اس کو کون روایت کرتا ہے۔ ایک حدیث اور بھی تفسیر ابن کثیر ج ۵ ص ۹۵ میں ہے اور وہ بھی مسند احمد ہی سے ہے۔ کہ حضرت ابی بن کعبؓ نے فرمایا کہ خلافت ابی بکرؓ میں لوگ قرآن جمع کرنے لگے مصاحف میں تو کچھ لوگ لکھتے تھے مگر لکھواتے تھے ابی بن کعب، تو جب سورہ برأۃ کی (آخری آیتوں میں سے) اس آیت پر پہنچے ثم انصرفوا صرف اللہ قلوبھم الآیہ تو لوگوں نے گمان کیا کہ یہ قرآن کا آخری حصہ ہے جو نازل ہوا۔ تو ابی بن کعبؓ نے فرمایا کہ اس کے بعد مجھ کو رسول اللہ صلعم نے دو آیتیں پڑھائی تھیں لقد جاءکم رسول من انفسکم آخر سورہ تک۔ اور کہا کہ یہ قرآن کا آخری حصہ ہے۔ جو نازل ہوا۔ تو اللہ تعالیٰ نے ختم کیا اسی چیز سے جس سے شروع کیا اللہ الذی لا الہ الا ھو اور وہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے۔ وما ارسلنا من قبلک من رسول الا نوحی الیہ انہ لا الہ الا انا فاعبدون (انبیاء ج ۱۷)

آخر سورہ والی آیت ابی بن کعب کے پاس تھی

اس حدیث کے راوی بھی بعض مجہول بعض مجروح اور شیعے ہیں چنانچہ ربیع بن انس جو اس حدیث کو ابوالعالیہ سے اور وہ ابی بن کعبؓ سے روایت کرتے ہیں شیعے تھے اور شیعیت میں غلو رکھتے تھے۔ اور یہ بھی نہ کھلا کہ سورۂ انبیاء کے دوسرے رکوع کی پندرھویں آیت سے ابتدا کس شے کی اور آخر سورہ توبہ پر ختم کس چیز کا ہوا؟۔ کیا سب سے پہلی آیت وہی تھی؟ یا سورہ توبہ کے شروع میں بھی راوی کے نزدیک ابی بن کعب کے عندیے میں یہ آیت تھی جو حذف ہو گئی؟ غرض اللہ کیا کیا حدیثیں ہیں؟۔ تعریف کیجئے ان حدیثوں کو اپنی کتابوں میں درج کرنے والوں کی امانت و دیانت کی۔

ترمذی میں عبداللہ بن مسعود کی ناگواری

اور ترمذی جلد دوم ص ۱۳۸ میں ہے کہ ابن شہاب زہری نے کہا کہ مجھ کو عبید اللہ بن عبداللہ بن عتبہ نے کہا کہ زید بن ثابتؓ کا کتابت مصاحف کے لئے انتخاب حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو ناگوار گذرا اور انھوں نے مسلمانوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اے جماعت مسلمین! میں تو کتابت مصاحف سے معزول کیا جاؤں! اور اس کا ذمہ دار ایک معمولی آدمی ہو! خدا کی قسم میں نے اس وقت اسلام قبول کیا تھا جب کہ وہ ایک کافر کی پشت میں تھا ان کی مراد زید بن ثابت تھے۔ اور اسی لئے عبداللہ بن مسعودؓ نے اہل عراق سے کہا کہ اپنی پرصفحہ گذشتہ)

ص۔ کنز العمال ج ۱ ص ۲۴۸ میں مسند احمد اور طبرانی سے منقول ہے کہ حضرت ابی بن کعبؓ نے فرمایا کہ آخری آیت جو اتری وہ لقد جاءکم رسول من انفسکم الخ ہے۔

جب اس کی تلاش ہوئی تو خزیمہ بن ثابت کے ساتھ ملی۔ غالباً یہاں بھی یہی مراد لیا جائیگا کہ لکھی ہوئی نہیں ملتی تھی، تلاش کے بعد خزیمہ کے پاس لکھی ہوئی ملی۔ البتہ عبید و خارجہ دونوں کے انداز بیان سے اتنا ضرور ظاہر ہوتا ہے کہ آیت کے نہیں ملنے کا احساس صرف زید بن ثابت کو ہوا۔ اور صرف انھیں نے پایا بھی۔ جمع صدیقی کے وقت تو تنہا زید بن ثابت تھے ہی، کوئی دوسرا تو شریک کار ان کا تھا ہی نہیں۔ نقل مصاحف بعہد عثمانی کے موقع پر ہر چند ان کے تین اور شرکائے کار تھے مگر صرف وہ لکھنے میں شریک تھے اسی لئے نسخہا میں جمع متکلم کا صیغہ لایا گیا۔ مگر آیت احزاب صرف انھیں کو یاد آئی کیونکہ صرف یہی اس کو رسول اللہ صلعم سے سنا کرتے تھے اسی لئے فقدت اور کنت اسمع بصیغۂ واحد متکلم لاتے گئے۔ البتہ تلاش کرنے میں سب شریک تھے۔ اسی وجہ سے فالتمسناھا میں جمع متکلم کی ضمیر پھر لے آئی گئی۔ پھر جب سب نے ڈھونڈھا

(بقیہ حاشیہ از صفحہ گذشتہ) اہل عراق تم لوگ اپنے اپنے مصاحف کو پوشیدہ اور "مغلول" رکھو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے (جو شخص "غلول" کریگا جس چیز کے ساتھ غلول کریگا اس کو لیئے ہوئے قیامت کے دن آئے گا (سورۂ آل عمران ۱۶۱ ح ۳) تاکہ اللہ تعالیٰ سے ان مصاحف کے ساتھ مصافحہ کرو۔" اس روایت کے راوی بھی زہری ہی ہیں۔ تعجب ہے کہ تفسیر ابن کثیر اور مسند امام احمد میں تو ہے کہ ابی بن کعب فرماتے ہیں کہ صدیق اکبرؓ کے زمانے میں جمع قرآن کے وقت میں ہی بتاتا جاتا تھا اور لوگ لکھ رہے تھے۔ اور بخاری و ترمذی و نسائی وغیرہ میں ہے کہ صدیق اکبرؓ نے صرف زید بن ثابتؓ کے ذمے جمع قرآن کا کام سپرد کیا۔ ان صحاح کی کتابوں میں ابی بن کعب کا کہیں نام نہیں اور یہاں ترمذی میں ہے کہ عبداللہ بن مسعود کو شکایت تھی کہ کتابت مصاحف کا کام ایک کم سن چھوکرے کے سپرد کیا گیا اور ہمیں نہیں پوچھا گیا! اگر یہ شکایت نقل مصاحف بعہد عثمانی کے وقت کے متعلق ہے (جیسا کہ ترمذی کی حدیث سے کچھ پتا چلتا ہے) تو غصہ بیجا تھا۔ اس وقت تو ان کے ایک ہم پلہ ابی بن کعب کے ڈکٹیٹ کرائے ہوئے مصحف کی فقط نقل کا کام کرنا تھا۔ اگر اس میں ان کو نہیں رکھا گیا تو کون سی جائے شکایت تھی۔ بہرحال سب سے زیادہ مقام تعجب تو یہ ہے کہ سورۂ آل عمران کی آیت میں نعوذ باللہ تحریف معنوی کی گئی۔ پوری آیت یوں ہے:۔ مَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَغُلَّ ۚ وَمَنْ يَغْلُلْ يَأْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۚ ثُمَّ تُوَفَّىٰ كُلُّ نَفْسٍ مَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ۝ "اور کسی نبی کا یہ کام نہیں ہے کہ چھپا رکھے۔ اور جو کوئی چھپائے گا وہ لائے گا اپنی چھپائی چیز کو دن قیامت کے پھر پورا پائیگا ہر کوئی جو اس نے کمایا اور ان پر ظلم نہ ہوگا۔ (ترجمہ شیخ الہندؒ) اہل لغت کے نزدیک بالاتفاق غَلَّ يَغُلُّ خیانت اور نیت خیانت کسی چیز کے چھپانے کے معنی میں مستعمل ہے۔ آیت میں یہی معنی مراد ہیں کہ کسی نبی کی شان یہ نہیں کہ وہ کوئی بات یا کوئی چیز نیت خیانت کسی سے چھپائے۔" کیونکہ جو ایسا کریگا وہ اس بات یا اس چیز کے ساتھ جس کو اس نے نیت خیانت چھپایا تھا قیامت میں آئے گا۔ تو پھر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا اہل عراق سے کہنا کہ تم اپنے مصاحف کو نیت خیانت چھپائے رکھو تاکہ قیامت کے دن ان مصاحف کے ساتھ جن کو تم نے نیت خیانت چھپایا تھا حاضر ہو سکو۔ کس قدر قابل اعتراض ہے اور یہ کتنا بڑا اتہام و افترا حضرت عبداللہ بن مسعود پر ہے۔ اور کوفے ہی کی گھڑی ہوئی ایک روایت یہ بھی ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ لوگوں سے کہتے تھے کہ مجھے کس کی قرارت پڑھنے کیلئے کہتے ہو؟ زید بن ثابت کی قرارت؟ میں نے رسول اللہ صلعم کی زبان مبارک سے ستر سے کچھ اوپر سورتیں سیکھی ہیں۔ جس وقت زید لڑکوں کے ساتھ کھیلتے تھے، یہ روایت اعمش کوفی سے ہے۔ گویا عبداللہ بن مسعود سمجھتے تھے کہ زید بن ثابت نے بطور خود جو چاہا لکھ دیا۔ جس کو دو دو خلیفۂ راشدین نے لکھوایا۔ پھر حضرت عثمان نے حسب روایت بخاری تین قریشی صحابیوں کی نگرانی میں صاف کرایا اور نقل کرایا۔ اور خود بھی اس پر نظر رکھی تمام صحابہ نے جس پر مہر تصدیق ثبت کی اس سے تنہا ان کا اختلاف کیونکر صحیح ہو سکتا ہے؟۔ دوسرے اکابر صحابہ خلفائے راشدین نے بھی تو خاص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے قرآن سنا اور سیکھا تھا۔ انھوں نے تو صرف ستر سے کچھ اوپر سورتیں سیکھی تھیں۔ کتنوں نے پورا قرآن رسول اللہ صلعم سے سنا اور سیکھا تھا۔ مگر دراصل یہ سب بہتان ہے عبداللہ بن مسعودؓ پر اعمش کی روایتیں نسائی جلد دوم ص ۲۷۶ میں ہیں ۱۲ منہ غفرلہ۔

عبداللہ بن مسعود کو شکایت اور ان کا غصہ

غلول کا حکم

عبداللہ بن مسعود پر ایک اور بہتان

تو سب نے پایا بھی، اسی لئے دَجَدْنَا بھی جمع لایا گیا۔

غرض یہ واو عطف اس حدیث کو اس باب جمع القرآن میں نقل مصاحف بعہد عثمانی کے واقعہ کے ساتھ بھی جوڑ رہا ہے۔ اور پھر جمع صدیقی والے واقعہ کی طرف بھی غمازی کر رہا ہے۔ جس کا جدھر جی چاہے نکالے۔ البتہ امام بخاری نے یہاں اپنے شیخ اور شیخ کے شیخ کا نام اڑا کر اور اس حدیث کو نقل مصاحف بعہد عثمانی والی حدیث کے بعد لکھ کر اور پھر ایک واو اپنی طرف سے بڑھا کر تاکہ اس کا عطف قریب ہی پر کرنا زیادہ قرین قیاس سمجھا جا سکے۔ اس کی پوری کوشش فرمائی ہے کہ اس حدیث کو نقل مصاحف بعہد عثمانی ہی سے متعلق ثابت کیا جائے

امام بخاری کی کوشش

اور پھر اس کی زبردست تائید مزید یوں بھی کی کہ اس حدیث کو جب تفسیر سورۂ احزاب میں لکھنے لگے تو وہاں اس مضمون کو کچھ الفاظ بڑھا کر اور واضح فرما دیا۔ اور اسی طرح کتاب الجہاد میں بھی۔ کیونکہ وہاں تو اس سے پہلے نقل مصاحف بعہد عثمانی والی روایت کے ہونے کی کوئی وجہ نہ تھی کہ وہاں بھی ایک واو عطف بڑھا کر اس حدیث کا تعلق عہد عثمانی سے بذریعۂ عطف قایم کر دے سکیں اس لئے یہاں یہ مقصد کچھ الفاظ بڑھائے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا تھا۔ چنانچہ وہاں تو صرف حین نسخنا المصحف کا لفظ تھا۔ یہاں لما نسخنا الصحف فی المصاحف کا لفظ لائے۔ اس لئے کہ صحف صدیقی کو بھی مصحف کہہ سکتے ہیں، اور بعض روایتوں سے اس کا پتا ملتا بھی ہے کہ ایک مصحف[۵] میں حضرت صدیق اکبرؓ نے قرآن مدوّن کرایا تھا۔ اس لئے صحف کا مصاحف میں لکھا جانا صاف طور سے کہا جائے گا جب تو اس واقعے کو قطعیت کے ساتھ عہد عثمانی ہی کا کہا جائے گا۔ پھر وہاں صرف خزیمہ بن ثابت الانصاری تھا، یہاں یہ تصریح ہے کہ وہ خزیمہ جن کی ایک شہادت کو رسول اللہ صلعم نے دو شہادتوں کے برابر قرار دیا تھا اس لئے کہ سورۂ توبہ کے ملنے کا ذکر وہاں باب جمع قرآن میں ابو خزیمہ کے ساتھ کیا گیا ہے اور اسی کتاب التفسیر میں خزیمہ کے ساتھ ہے۔ تو جب کتاب التفسیر میں آخر سورہ توبہ و آیت احزاب دونوں کے ملنے کا ذکر خزیمہ ہی کے ساتھ ہوگا تو یقیناً یا تو لوگوں کو شبہہ ہوگا یا ایک واقعہ کو غلطی روایت پر محمول کیا جائے گا

ایک شہادت دو شہادت کے برابر

اس لئے کتاب التفسیر اور کتاب الجہاد میں آیت احزاب والی حدیث میں خزیمہ کے ساتھ الذی جعل رسول اللہ صلعم شہادتہ شہادۃ رجلین کہہ کر صاف کر دیا گیا تاکہ آخر سورۂ توبہ (والی حدیث) جو کتاب التفسیر میں ہے اور اس میں بھی خزیمہ ہی کا نام ہے تو یا تو یہ کوئی اور خزیمہ سمجھے جائیں یا غلطی روایت قرار دیجائے اور ابو خزیمہ ہی سمجھا جائے۔ اگرچہ خود امام بخاری نے یہ حدیث خزیمہ بن ثابت کے ذوالشہادتین ہونے کی کہیں اپنی کتاب الصحیح میں درج نہیں فرمائی ہے کہ رسول اللہ صلعم نے خزیمہ بن ثابت الانصاری کی ایک شہادت کو دو مردوں کی شہادت کے برابر قرار دیا تھا۔ یہ حدیث یقیناً امام بخاری کو نہیں ملی تھی، یا ملی تھی تو ان کے شرائط کے مطابق قابل وثوق ذریعے سے نہیں ملی۔ اس لئے ان کو رد کر دینا پڑی۔ مگر اس قابل ردّ روایت کو قبول کرنے پر مجبور ہو گئے۔

ذوالشہادتین ہونے کی روایت بخاری میں نہیں

بہرحال ان کے ذوالشہادتین ہونے کی حدیث پر بحث آگے آتی ہے۔ ابھی اس حدیث کو صرف تین جگہ نقل کر کے جو امام بخاری نے متنِ حدیث میں فرق کیا ہے اور اس کی کوشش کی ہے کہ آیت احزاب والا واقعہ عہد عثمانی ہی سے متعلق کیا جائے اس پر غور فرمائیے۔ یہاں بس اسی قدر سمجھ لیجئے کہ ذوالشہادتین بنانے کی روایت بخاری میں نہیں ہے۔

---

[۵] **ابن شہاب سے جمع قرآن کی ایک اور روایت** ابن شہاب ہی سے مغازی موسیٰ بن عقبہ میں مروی ہے کہ لما اصیب المسلمون بالیمامۃ فزع ابوبکر وخاف ان یھلک من القراء طائفۃ فاقبل الناس بما کان معھم وعندھم حتی اجمع علی عھد ابی بکر مدفی الورق فکان ابوبکر اول من جمع القراٰن فی المصحف (اتقان ص۵۷ مطبوعہ مطبع احمدی) یعنی جب جنگ یمامہ میں مسلمانوں پر مصیبت آئی تو حضرت ابوبکرؓ گھبرائے اور ڈرے کہ کہیں قرآن کا ایک حصہ برباد نہ ہو جائے، تو جس کے پاس یا جس کے ساتھ جو کچھ تھا لے آیا یہاں تک کہ اوراق میں قرآن عہد ابی بکرؓ میں جمع ہو گیا تو ابوبکرؓ پہلے شخص ہیں جنھوں نے قرآن مصحف میں جمع کیا۔ یہ روایت بھی انہیں ابن شہاب سے ہے۔ راقم غفرلہ

امام بخاری نے جمع صدیقی والی حدیث باب جمع القرآن میں اس اسناد سے شروع کی ہے۔ حدثنا موسیٰ بن اسمٰعیل عن ابراھیم بن سعد قال حدثنا ابن شھاب الخ۔ اور کتاب التفسیر میں اس اسناد سے حدثنا ابوالیمان قال اخبرنا شعیب عن الزھری۔ اور یہ آیت سورہ احزاب والی حدیث بھی کتاب التفسیر و کتاب الجہاد میں بعینہٖ اسی دوسرے اسناد سے ہے یعنی حدثنا ابوالیمان قال اخبرنا شعیب عن الزھری کتاب التفسیر میں دونوں حدیثوں کے اسناد بالکل ایک ہی ہیں۔ فرق یہ ہے کہ وہاں امام بخاری ابوالیمان سے وہ شعیب سے وہ زہری سے اور وہ عبید بن السباق سے روایت کرتے ہیں کہ زید بن ثابت نے کہا کہ الخ۔ اور یہاں امام بخاری انھیں ابوالیمان سے وہ انھیں شعیب سے وہ انھیں زہری سے اور وہ خارجہ سے روایت کرتے ہیں کہ زید بن ثابت نے کہا الخ فرق صرف عبید بن السباق اور خارجہ بن زید کے ناموں کا ہے اور بس۔ یہ تو صرف اسناد کا فرق ہوا مضمون کا فرق یہ ہے کہ عبید بن سباق والی روایت میں جمع قرآن کے پورے واقعے کا ذکر ہے۔ اور خارجہ والی روایت میں اوپر کے واقعہ جمع قرآن کا کوئی ذکر نہیں۔ آگے چلئے تو زہری نے عبید سے سن کر بقول ابوالیمان و شعیب کہا کہ جمع صدیقی کے وقت آخر سورہ توبہ کی دو آیتیں خزیمۃ الانصاری کے ساتھ ملیں، ان کے سوا اور کسی کے ساتھ نہ تھیں۔ اور خارجہ سے بقول ابوالیمان و شعیب زہری نے سن کر کہا کہ نسخ مصحف (حسب حدیث باب جمع القرآن) یا نسخ مصحف در مصاحف (حسب حدیث کتاب التفسیر و کتاب الجہاد) کے وقت سورہ احزاب کی ایک آیت نہیں ملتی تھی تلاش کرنے سے خزیمہ بن ثابت الانصاری کے ساتھ ملی جن کی تنہا شہادت کو رسول اللہ صلعم نے دو مردوں کی شہادتوں کے برابر قرار دیا تھا (حسب حدیث کتاب التفسیر و کتاب الجہاد) غرض کتاب التفسیر میں آیت توبہ و آیت احزاب دونوں کے متعلق خزیمہ ہی کا لفظ ہے کسی جگہ بھی ابوخزیمہ نہیں ہے۔ دونوں حدیثوں کے اسناد کی وحدت بتا رہی ہے کہ ایک ہی موقع کا ایک ہی واقعہ ہے مگر عبید اور خارجہ میں صرف اختلاف آیت کا ہے۔ لیکن "نسخ مصحف" اور پھر "نسخ صحف فی المصاحف" کا لفظ دونوں کو دو واقعہ بتانے کی غمازی کر رہا ہے۔ کس خوبصورتی سے ان حدیثوں کے بنانے والوں نے الفاظ نگینے کی طرح جڑے ہیں۔

عبید بن سباق اور خارجہ بن زید دونوں کی روایتوں کا فرق

امام بخاری نے ابوالیمان و شعیب والے اسناد کی حدیث کو باب جمع قرآن میں نہیں لکھا کہ ان دونوں کی وحدت اسناد اور پھر دونوں میں خزیمہ ہی کا نام دو آیتوں کے ملنے اور پھر پائے جانے کو ایک ہی واقعہ جمع صدیقی سے متعلق کر دے گا۔ اور ایک روایت غلط ضرور ثابت ہو کر رہیگی اس لئے ابوالیمان و شعیب والی حدیث متعلق جمع صدیقی کو تو کتاب التفسیر میں رکھا اور یہاں باب جمع القرآن میں موسیٰ بن اسمٰعیل و ابراہیم بن سعد کی روایت سے حدیث جمع صدیقی درج کی، باوجود اس کے کہ ابراہیم سے زہری کی حدیثوں کی روایتیں عامۂ محدثین کے نزدیک ضعیف سمجھی جاتی ہیں تاکہ اختلاف اسناد اور خزیمہ و ابوخزیمہ کے فرق سے دونوں آیتوں کی حدیثوں کو دو واقعوں سے متعلق کر کے دونوں کو صحیح ثابت کر دیا جا سکے، حقیقت یہ ہے کہ یہاں شیخ اور شیخ کے شیخ کا نام حذف کر دینے نے اور قال ابن شھاب کہہ کر یہاں اس حدیث کو شروع کرنے نے، اور پھر اہل متن حدیث میں ایک واو عطف بڑھا دینے نے بڑا کام کیا جس نے اس حدیث کو بخاری میں اس دور اندیشی کے ساتھ داخل کیا ہے بڑا ادیب اور نکتہ سنج تھا۔

باب جمع القرآن اور کتاب التفسیر دونوں جگہ کی عبارتوں میں ایک معمولی سا فرق یہ بھی ہے کہ باب جمع القرآن میں فالتمسناھا فوجدناھا بصیغہ جمع متکلم لایا گیا ہے تاکہ ڈھونڈھنے والوں اور پانے والوں کی جماعت ثابت ہو سکے، اور چونکہ نقل مصاحف کے وقت بقول راویان حدیث زید بن ثابت کے ساتھ تین قریشی کاتب بھی تھے اس لئے یہ خیال کیا جا سکے کہ اسی موقع پر ان کے ساتھ ایک جماعت شریک کار تھی جو آیت احزاب کی تلاش اور پھر پانے میں زید بن ثابت کی شریک رہی۔ مگر کتاب التفسیر کے موقع پر اتنی باریک بینی پیش نظر نہیں رہی اس لئے وہاں فالتمسناھا فوجدناھا کا لفظ حدیث میں بڑھانے کی ضرورت محسوس نہ ہوئی۔ صرف نسخنا الصحف فی المصاحف کہہ کر دلالۃً نقل مصاحف عہد عثمانی کے واقعے کی طرف اشارہ کر دیا گیا۔ اور ایک ہی صیغہ جمع سے کام نکال لیا گیا۔ اسی طرح "فالحقناھا فی سورتھا فی المصحف" بھی باب جمع القرآن میں ایک اضافہ ہے ایک نو الحقنا کی ضمیر جمع متکلم نسخنا، التمسنا، اور وجدنا کی طرح متعدد شرکائے کار کا ثبوت دیتی ہے اور پھر الحاق فی المصحف کا لفظ بھی دلیل ہے یعنی وہ مصاحف جو نقل کئے جا رہے تھے اس میں الحاق کیا گیا، بایں طور کہ ہر شخص نے

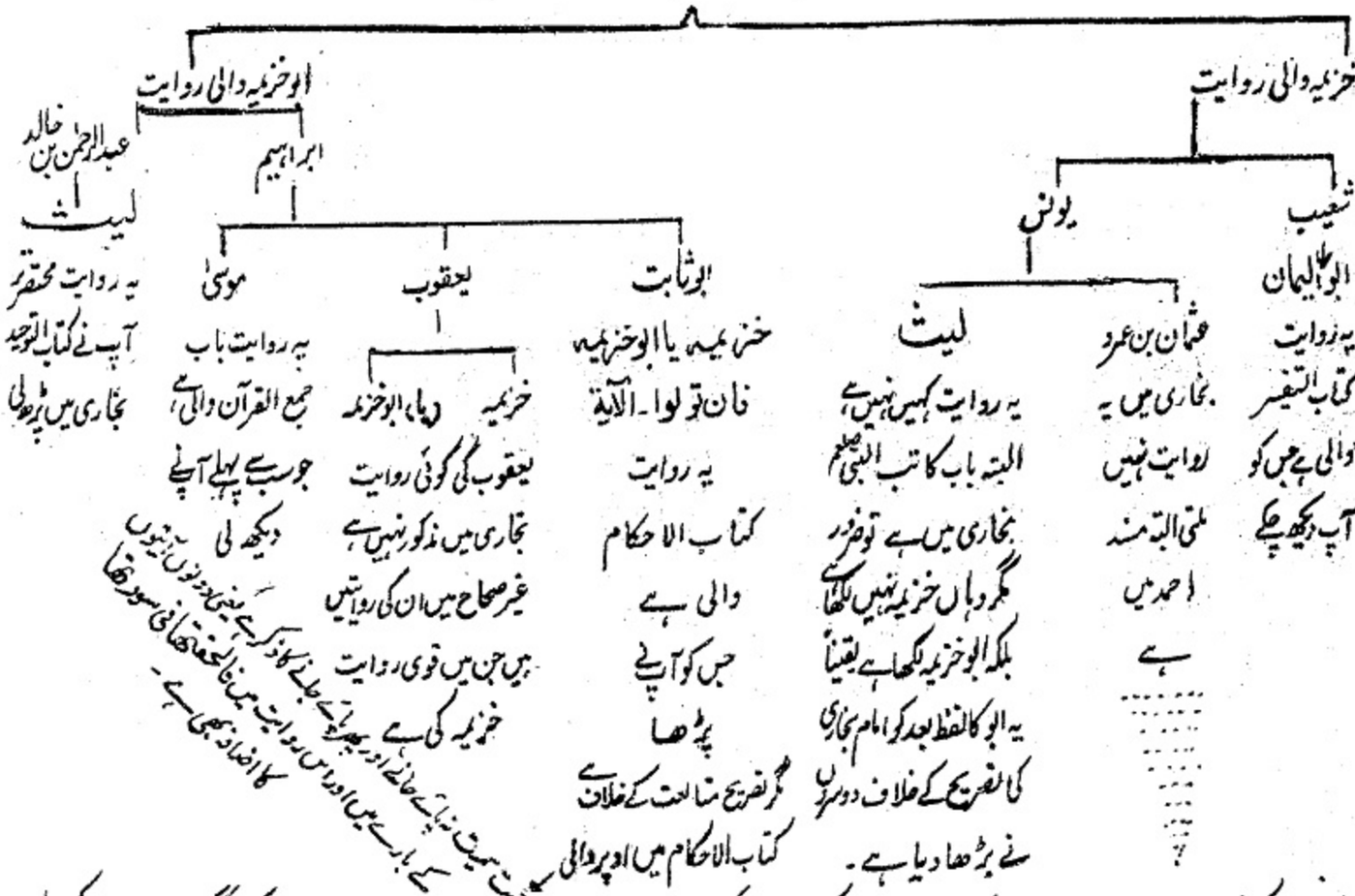
الحاق فی المصحف کا لفظ دو پہلو ہے

اپنے اپنے مصحف میں اس آیت کا اس کی جگہ پر الحاق کر لیا یا یہ مطلب لیجئے کہ پہلے مصحف صدیقی ہی میں الحاق کر لیا گیا۔ پھر یہ کہنے کی ضرورت نہ رہی کہ نقلوں میں بھی الحاق کیا گیا، وہ تو یقیناً ہوا ہی۔ حقیقت یہ ہے کہ حدیثیں گھڑنے والے اپنے فن کے بڑے ماہر تھے اور کافی غور و خوض کے بعد ایک جماعت وضاعین حدیث ایک ایک لفظ پر باہم بحث و تمحیص کر کے موضوع حدیثوں کی عبارتیں مرتب کرتی تھی، جب ہی تو بڑے بڑے محدثین دھوکا کھائے بغیر نہ رہتے تھے۔ البتہ تعجب یہ ہے کہ ان وضاعین وکذابین کے ساتھ رہتے رہتے اکابر محدثین بھی حدیثوں کی تطبیق میں بہت کافی حد تک تدلیس فی المتن والاسناد کے مرتکب ہو جاتے تھے جیسے کہ امام بخاری کی اس ایک حدیث میں کئی طرح کی تدلیس آپ نے دیکھی۔ اور تدلیس بھی ایسی جس کو بدترین تدلیس کہنا چاہیئے۔ مگر کتاب الجہاد میں ہر جگہ ضمیر واحد متکلم ہی کی رہی صرف صحف و مصاحف کے دو لفظوں کو وہاں کافی سمجھا گیا اس لئے کہ یہاں تو یہی ایک حدیث تھی کسی دوسری حدیث سے تشابہ کا کوئی ڈر نہ تھا۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ امام بخاریؒ کا دامن اس تدلیس سے پاک ہے۔ الزام ہے ان حدیثوں کو ان کی کتاب میں داخل کر دینے والوں پر

خزیمہ و ابوخزیمہ

اس کی بحث کسی قدر تفصیل کے ساتھ اوپر گذر چکی ہے۔ یہاں تک کہ اس کا نقشہ بھی بنا کر دکھا دیا گیا۔ میں وہ نقشہ پھر دوبارہ یہاں پیش کر دیتا ہوں تاکہ ناظرین کو ورق اُلٹنے کی زحمت گوارا نہ کرنی پڑے۔

ابن شہاب زہری سے
آخر سورۂ توبہ کے متعلق


خزیمہ والی روایت
ابوخزیمہ والی روایت
شعیب
یونس
ابوالیمان
عثمان بن عمر
لیث
ابراہیم
عبدالرحمن بن خالد
ابوثابت
یعقوب
موسیٰ
لیث
یہ روایت محتصر آپ نے کتاب التوحید بخاری میں پڑھ لی
یہ روایت باب جمع القرآن والی ہے جو سب سے پہلے آپ دیکھ لی
خزیمہ یا ابوخزیمہ
فان تولوا۔ الآیۃ
یہ روایت کتاب الاحکام والی ہے جس کو آپ نے پڑھا
ابوخزیمہ
یعقوب کی کوئی روایت بخاری میں مذکور نہیں ہے
غیر صحاح میں ان کی روایتیں ہیں جن میں قوی روایت خزیمہ کی ہے
یہ روایت کہیں نہیں ہے البتہ باب کاتب النبی صلعم بخاری میں ہے تو ضرور مگر وہاں خزیمہ نہیں لکھا ہے بلکہ ابوخزیمہ لکھا ہے یقیناً یہ ابو کا لفظ بعد کو امام بخاری کی تصریح کے خلاف دوسروں نے بڑھا دیا ہے۔
عثمان بن عمر
بخاری میں یہ روایت نہیں ملتی البتہ مسند احمد میں ہے
؟
؟
؟

بے حد کمزور ہے۔

امام بخاریؒ سے ایک سوال اگر امام بخاریؒ زندہ ہوتے، یا میں ان کے وقت میں موجود ہوتا تو ان سے ضرور یہ پوچھتا کہ آپ نے آیت احزاب کے ملنے کو تو خزیمہؓ بن ثابت کے متعلق کیا اور تنہا ان کی شہادت سے آیت احزاب کا قرآن میں داخل کر دیا جانا ان کے ذوالشہادتین ہونے کی وجہ سے اپنے نزدیک صحیح ثابت کر دیا۔ باوجود اس کے کہ آپ ان کے ذوالشہادتین ہونے کی حدیث خود پیش نہیں فرماتے، مگر آخر سورۂ توبہ کے ملنے کو جو تنہا ابوخزیمہ سے متعلق فرما رہے ہیں اور انھیں کی اکیلی شہادت پر ان دونوں آیتوں کے داخل قرآن کر دئے جانے پر اصرار فرما رہے ہیں، خدا کے لئے ان کے ساتھ ایک اور گواہ کا تو نام یہاں پر بڑھا دیجئے یا کم از کم ان کو بھی ذوالشہادتین لکھ دیجئے آخر آپ کے بعد والوں نے اس نقص کو محسوس کیا، چنانچہ ترمذی نے بروایت عبدالرحمٰن بن مہدی عن ابراہیم بن سعد عن الزہری جمع صدیقی کی حدیث میں آخر سورۂ توبہ کے ملنے کا ذکر بھی خزیمہؓ بن ثابت ہی کے ساتھ کیا ہے۔ بتصریح ولدیت، پھر نقل مصاحف بعہد عثمانی والی حدیث بھی اسی سلسلے سے ہے اور اس کے بعد آپ ہی کا تتبع کرتے ہوئے قال الزہری ہی سے شروع کر کے آیت احزاب والی حدیث نقل کی ہے۔ جس میں زہری کے بعد والے شیوخ کا نام چھوڑ دیا ہے۔ مگر اس آیت کے ملنے کا ذکر خزیمہؓ بن ثابت یا ابوخزیمہؓ کے متعلق لکھ دیا ہے تاکہ گنجائش ہر طرح کی رہے۔ آپ نے متابعت میں آخر سورۂ توبہ میں یہ عطف تردید رکھا تھا، ترمذی نے اس کو آیت احزاب میں رکھ دیا۔ اور بعضوں نے حدیث کے الفاظ میں کچھ رد و بدل کر کے حضرت عمرؓ کی بھی ایک اور شہادت داخل حدیث کر لی، مگر وہ تو صحاح سے باہر کی روایتیں ہیں۔ جناب کی روایت کے رو سے صرف ابوخزیمہؓ کی اکیلی شہادت آخر سورہ توبہ کی دو آیتوں کے متعلق کس طرح قبول کر لی گئی؟ میرے نزدیک راوی سے بھول ہو گئی آخر سورۂ توبہ کو ذوالشہادتین کے پاس بتایا تھا۔ ان کی اکیلی شہادت سے وہاں کام نکل جاتا۔ اور آیت احزاب زید بن ثابت کو یاد ہی تھی۔ صرف ایک ہی گواہ کی تو اور ضرورت تھی وہ ابوخزیمہ ہو جاتے۔ یہاں تو ذوالشہادتین کی کوئی ضرورت تھی ہی نہیں۔ کاش اس وقت بھی آپ کے پرستار لوگ آپ کی کتاب میں اتنا ردّ و بدل کر لیں۔

مجھ کو زیدؓ بن ثابت سے بھی ایک سوال کرنا تھا کہ آپ کو نسخ مصاحف کے وقت یہ یاد آیا کہ سورۂ احزاب کی ایک آیت آپ رسول اللہ صلعم سے سنتے تھے۔ واحد متکلم کے صیغے کے ساتھ آپ کُنْتُ اسمع رسول اللہ صلعم فرماتے ہیں۔ بخاری کے بعض نسخوں میں کثیراً کا لفظ بھی ہے یعنی آنحضرت صلعم کو یہ آیت پڑھتے ہوئے بہت مرتبہ آپ نے سنا اسی لئے یہ آیت آپ کو یاد تھی۔ تو آپ خود سورہ احزاب پڑھتے تھے تو اس آیت کو پڑھتے تھے یا نہیں؟ اگر نہیں پڑھتے تھے تو کیوں؟ جب یہ ایک سورۂ قرآن کی درمیانی آیت تھی اور آپ برابر رسول اللہ کو پڑھتے سنتے بھی تھے۔ تو پھر خود کیوں نہیں پڑھتے تھے؟ اور خود بھی پڑھتے تھے تو آپ کو فقط کُنْتُ اسمع نہیں کہنا تھا۔ بلکہ اس کے بعد وانا اقرؤہ بھی کہنا تھا۔ پھر سوال یہ ہے کہ جب آنحضرت صلعم برابر پڑھا کرتے تھے تو تنہا آپ ہی کیوں سنتے تھے جو واحد متکلم کی ضمیر کے ساتھ کُنْتُ اسمع فرمایا۔ اور یہ تو فرمائیے، سورہ احزاب کی یہ آیت آپ کو جمع صدیقی کے وقت یاد آئی تھی یا نسل مصاحف بعہد عثمانی کے وقت؟ اگر جمع صدیقی کے وقت، تو آپ کو آخر سورۂ توبہ بھی جمع صدیقی ہی کے وقت یاد آئی اور صرف خزیمہ بن ثابت الانصاری ہی کے پاس ملی اور آیت احزاب بھی جمع صدیقی ہی کے وقت ملی، تو وہ بھی انھیں خزیمہ ہی کے پاس ملی یا ابوخزیمہ کے پاس؟ یا تو عبید و خارجہ میں سے ایک کی روایت غلط ہے، آپ کو فقط آخر سورۂ توبہ یاد آئی تھی جو صرف خزیمہ یا ابوخزیمہ کے پاس ملی یا صرف آیت احزاب یاد آئی تھی جو فقط خزیمہؓ کے پاس ملی۔ اصل واقعہ کیا ہے خدا کے لئے بتا کر تشفی فرمائیے۔

اور اگر جمع صدیقی کے وقت آخر سورۂ توبہ صرف خزیمہ یا ابوخزیمہ کے پاس ملی اور نقل مصاحف کے وقت آیت احزاب آپ کو یاد آئی جو صحف صدیقی میں نہ تھی تو آپ نے فوراً خزیمہؓ کو پکارا کہ آج سے اٹھارہ برس پہلے تمہارے ہی پاس آخر سورۂ توبہ بھی ملی تھی۔ اب کے آیت احزاب نہیں مل رہی ہے یہ بھی یقیناً تمہارے ہی پاس ملیگی۔ چنانچہ انھوں نے نکال کر پیش کر دی۔ یا آخر سورۂ توبہ تو ابوخزیمہ کے پاس ملی تھی۔ اب کے آیت احزاب کے لئے آپ نے پکارا تو تھا ابوخزیمہ ہی کو مگر بولے خزیمہ اور آیت احزاب لے کر پہنچ گئے۔ بہرحال یہ تو ہے کہ آپ نے صحف صدیقی کو جو سورۂ

احزاب کی اس آیت سے خالی جمع کیا تھا، تو آپ کے جمع کے مطابق اٹھارہ برس تک تمام صحابہؓ کیا اسی طرح بغیر اس آیت کے ہی سورۂ احزاب پڑھتے رہے؟ اور کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ اگر سہ بارہ بھی آپ کوشش فرماتے تو پھر کوئی آیت ضرور کسی ابن خزیمہ کے پاس مل جاتی۔ اس لئے آپ نے پھر ایک بار قرآن پر نظر ثالث کیوں نہ فرمائی؟ اور ہم کیونکر یقین کر لیں کہ اب یہ قرآن مکمل ہے؟

خلاصۂ بحث ناظرین کو جمع صدیقی کی مذکورۂ بالا حدیثوں اور آخر سورۂ توبہ و آیت سورۂ احزاب و خزیمہ و ابو خزیمہ کے روایاتی اختلافات کے معائنے کے بعد یہ بخوبی معلوم ہو گیا ہو گا کہ درحقیقت یہ ساری حدیثیں منافقین عجم کی من گھڑت ہیں جن کا دو مقصد تھا۔ ایک تو قرآن مجید کی قطعیت و لاریبیت کے آفتاب روشن کو غبار اشتباہ میں چھپا دینے کی ناکام کوشش۔ دوسرے، احادیث موضوعہ روایات مکذبہ پر جو لوگ معترض ہوں ان کو انھیں روایات جمع قرآن و آخر سورۂ توبہ و آیت احزاب وغیرہ کی مثال پیش کر کے خموش کر دینا۔ اور سیدھے سادے مسلمانوں کو مضادر علی المطلوب کا مغالطہ دے کر قرآن و حدیث دونوں ہی کے متعلق صحیح عقیدے پر قایم نہ رہنے دینا۔ ائمہ محدثین جنھوں نے انھیں منافقین عجم سے زیادہ تر حدیثوں کے ذخیرے حاصل کئے اور وہ ان کو تابعی و تبع تابعی سمجھ کر ان سے حسن عقیدت رکھتے تھے، اس لئے ان کی منافقانہ چال بازیوں کو مطلق نہیں سمجھتے تھے اور ان کی من گھڑت جھوٹی حدیثوں کو اپنے دفاتر میں درج کر کر کے ان کی اور اشاعت کرتے رہتے تھے۔ اور ان کی متضاد روایتوں کی تاویلیں کر کر کے سب کو صحیح ثابت کیا کرتے تھے۔ اس جمع قرآن کی خلاف قرآن و مخالف عقل و درایت حدیثوں کو جن کا ایک ایک لفظ خلاف واقعہ اور محض جھوٹ ہے صرف مانعین کتابت و جمع احادیث کی زبان بندی کے خیال سے اپنی کتابوں میں درج کرتے گئے، اور چونکہ ان حدیثوں کے اضطرابات و اختلافات کا مٹانا ممکن نہ تھا اس لئے محض جذبۂ حمایت روایات کے ماتحت خود بھی تدلیس کے مرتکب ہوتے گئے، تدلیس بھی ایسی جو صرف اسناد ہی تک محدود نہ رہی۔ بلکہ متن حدیث میں بھی تدلیس سے باز نہ آئے جیسا کہ آیت سورۂ احزاب و آخر سورۂ توبہ والی دونوں حدیثوں کی تنقید کے سلسلے میں واضح طور سے آپ نے ملاحظہ فرمائی۔

اعجب العجائب و عجب العجائب امام بخاریؒ ج ۲ ص۷۱۵ میں فرماتے ہیں حدثنی محمد بن بشار قال حدثنا محمد بن عبد اللہ الانصاری قال حدثنا ابی عن ثمامۃ عن انس بن مالک قال نری ھذہ الایۃ نزلت فی انس بن النضر من المومنین رجال صدقوا ما عاھدوا اللہ علیہ۔ یہاں تو یہ حدیث مختصر طور سے مروی ہوئی ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ امام بخاری سے محمد بن بشار نے، ان سے محمد بن عبد اللہ الانصاری نے ان سے ان کے والد نے ان سے ثمامہ بن عبد اللہ ابن انس نے اور ان سے ان کے دادا حضرت انسؓ بن مالکؓ نے فرمایا کہ ہم جانتے ہیں کہ یہ آیت انس بن النضر ابن ضمضم بن زید کے متعلق وارد ہوئی ہے۔ من المومنین رجال الآیہ۔ یہی حدیث پوری تفصیل کے ساتھ بخاری ج ۱ ص۔۔۔ میں ممید الطویل کے طریق سے مروی ہے جس کو بخوف طوالت یہاں میں نقل نہیں کرتا ہوں۔ یہ انس بن النضر، حضرت انس بن مالک بن النضر کے حقیقی چچا تھے اور جنگ احد میں شہید ہوئے۔ اس حدیث کے بعد ماننا پڑیگا کہ یہ آیت کم سے کم حضرت انس بن مالک کو تو ضرور یاد ہو گی۔ اور حضرت زید بن ثابت سے زیادہ حضرت انس خدمت نبوی میں حاضر باش رہتے تھے اس لئے کہ یہ خادم نبوی تھے۔ زید بن ثابت سے زیادہ ان کو رسول اللہ صلعم سے قرآن سننے کے مواقع رہتے تھے۔ زید سے یہ صرف ایک ہی برس چھوٹے تھے۔ اس حدیث کا بنانے والا اگر خزیمہ بن ثابت کے عوض انسؓ بن مالکؓ کا نام یہاں لیتا اور اس واقعۂ آیت احزاب کو انس بن مالک والی حدیث نقل مصاحف کا ایک جزء بنا کر اس میں داخل کر دیتا، جس طرح جمع صدیقی والی حدیث میں آخر سورۂ توبہ کا واقعہ داخل ہے تو یہ حدیث بھی بہت زبردست طور سے صحیح مان لی جا سکتی تھی۔ یہ کیا کہ آیت اترے انسؓ بن مالکؓ کے چچا کی شان میں اور ان کو یہ اچھی طرح معلوم بھی تھا مگر جب یہ آیت ڈھونڈھی جاتی ہے تو یہ خموش بیٹھے رہتے ہیں اور اس کو لے کر تنہا خزیمہ بن ثابت تشریف لاتے ہیں۔ اور ان کی اکیلی شہادت سے کام نہ نکل سکے تو پھر ان کے ذوالشہادتین ہونے کی ایک حدیث گھڑنی پڑتی ہے۔ اصل یہ ہے کہ آیت احزاب والے واقعے کے گھڑنے والے کو حضرت انس کی یہ حدیث معلوم ہی نہ تھی، دوسرے یہ کہ خزیمہ بن ثابت کو ذوالشہادتین ثابت کرنا بھی اس ضمن میں مقصود تھا جس سے دوسرا کام نکالنا تھا۔ اسی لئے ذوالشہادتین والی حدیث بھی زہری ہی سے مروی ہے۔ اور انس بن مالکؓ کی اس حدیث سے زہری

واقف نہ تھے۔

ذوالشہادتین

ابو داؤد، نسائی اور زہریات میں محمد بن یحییٰ الذہلی بطریق ابن شہاب زہری عمارہ بن خزیمہ سے اور وہ اپنے چچا سے جو صحابی تھے روایت کرتے ہیں کہ "رسول اللہ صلعم نے ایک اعرابی سے ایک گھوڑا خریدا تو وہ اعرابی آنحضرت صلعم کے پیچھے پیچھے چلا (یعنی یہ معاملہ راہ میں یا کسی جگہ پر ہوا کہ آنحضرت صلعم اپنے گھر سے کچھ دور تھے اور قیمت آپؐ کے پاس موجود نہ تھی مگر معاملہ طے ہو چکا تھا۔ آپ اس اعرابی کو گھوڑے کی قیمت دینے کے لئے اپنے ساتھ لیچلے اور وہ آنحضرت صلعم کے ساتھ ہو لیا) تاکہ آنحضرت صلعم سے گھوڑے کی قیمت لے لے (روایت میں اس کا ذکر نہیں ہے کہ وہ گھوڑا اس وقت کہیں گھاس چر رہا تھا یا نخاس پر، یا اعرابی کے گھر پر تھا۔ یا معاملہ طے ہونے کے وقت سامنے موجود تھا اور وہ اعرابی اس کی باگ تھامے ہوئے تھا۔ جب معاملہ طے ہو چکا تو آنحضرت صلعم نے گھوڑے کی باگ اپنے دست مبارک میں لے لی ہوگی اور گھوڑے پر قبضہ کر لیا ہوگا کیونکہ جب خرید لیا تھا اور معاملہ ہو چکا تھا تو رسول اللہ صلعم کو گھوڑے پر قبضہ کر لینا تھا۔ اور خود گھوڑے کی باگ اپنے ہاتھ میں لے کر گھر کی طرف چلنا تھا۔ مگر فحوائے روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ گھوڑا جس طرح اعرابی کے قبضے میں تھا اسی طرح گھوڑے کی باگ اعرابی ہی کے ہاتھ میں رہی غرض) تو رسول اللہ صلعم نے رفتار تیز کی (تاکہ جلد گھر پہنچکر قیمت ادا کر دیں) مگر اعرابی سست رفتاری کر رہا تھا۔ راہ میں کچھ لوگ اعرابی کو چھیڑنے اور گھوڑے کا دام ساٹھ کرنے لگے یہانتک کہ رسول اللہ صلعم سے جو قیمت طے ہو چکی تھی اس سے بعض لوگ زیادہ دینے لگے اور ان لوگوں کو اس کا علم نہ تھا کہ آنحضرت صلعم سے معاملہ طے ہو چکا ہے، اس کے بعد اس اعرابی نے آنحضرت صلعم کو (چونکہ آپ تیز رفتاری کی وجہ سے آگے بڑھ چکے تھے) پکار کر کہا کہ آپ خریدنا چاہتے ہیں یا ہم اس گھوڑے کو دوسرے کے ہاتھ بیچ دیں۔ اس کی یہ آواز سن کر آپ نے (قریب آکر) فرمایا کہ تم تو گھوڑا میرے ہاتھ بیچ چکے (اب تو تم میرے ساتھ قیمت لینے کو چل رہے ہو) یہ پوچھنا کیسا کہ خریدتے ہو یا نہیں)۔ اس اعرابی نے (معاملہ بیع کی تکمیل سے) انکار کیا اور رسول اللہ صلعم سے گواہ طلب کیا کہ اگر ہم تمہارے ہاتھ اس کو بیچ چکے ہیں تو اس کا گواہ لاؤ۔ (آنحضرت صلعم حیران تھے کہ گفتگو کے وقت تو کوئی اور موجود نہ تھا، ہم گواہ کس کو لائیں) مگر آپؐ بار بار فرما رہے تھے کہ ہم تجھ سے خرید چکے ہیں اور تو بیچ چکا ہے" اور وہ ہر مرتبہ گواہ مانگ رہا تھا۔ مسلم حاضرین اس اعرابی سے کہہ رہے تھے کہ یہ اللہ کے رسول ہیں جھوٹ نہیں بول سکتے جو یہ کہہ رہے ہیں یقیناً یہی سچ ہے تو کیوں غلط اصرار کر رہا ہے۔ لیکن وہ بار بار گواہ مانگے ہی جا رہا تھا مگر کوئی گواہ ہو جب تو آئے اتنے میں خزیمہ بن ثابت الانصاری بھی وہاں پہنچ گئے۔ انہوں نے یہ صورت حال دیکھی تو اعرابی سے مخاطب ہو کر کہا کہ میں اسکی گواہی دیتا ہوں کہ تو نے اس گھوڑے کو ان کے ہاتھ بیچا ہے۔ اس پر رسول اللہ صلعم نے ان سے پوچھا کہ تم تو اس وقت موجود نہ تھے، تم شہادت کس طرح دے رہے ہو؟ تو انہوں نے کہا کہ آپ کی تصدیق کی بنا پر (یعنی چونکہ آپ کو اللہ کا رسول سمجھتا ہوں اور اس پر ایمان ہے کہ جو کچھ آپ فرماتے ہیں حق ہی فرماتے ہیں اس لئے میں نے یہ گواہی دی مگر پھر بھی یہ ایک ہی شہادت ہوئی اور ایک گواہ کی ضرورت باقی تھی اور اس اعرابی کا پھر بھی یہ مطالبہ رہ جاتا تھا کہ ایک گواہ اور لاؤ اس لئے) آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ خزیمہ کی ایک شہادت دو مردوں کی شہادت کے برابر ہے اور اس اعرابی کو (نعوذ باللہ) شکست دے دی، (اور جو قیمت اس سے طے ہوئی تھی ادا کر کے گھوڑا اس سے لے لیا۔ بعض روایتوں میں یہ بھی ہے کہ رسول اللہ صلعم نے خزیمہ سے فرمایا کہ پھر ایسی ہمت نہ کرنا۔ مگر حافظ ابن حجر کے نزدیک یہ اضافہ معتبر نہیں۔ ورنہ پھر آیت احزاب والی شہادت کا کیا حشر ہوگا۔ اور ایک دوسرا مفاد جو ان کے ذوالشہادتین ہونے میں ہے وہ بھی حاصل نہ ہو سکے گا جس کا ذکر آگے آتا ہے۔ طبرانی اور ابن شاہین نے بھی اس حدیث کو بطریق زید بن الحباب عن زرارہ بن خزیمہ عن عمارۃ بن خزیمہ عن ابیہ مختصراً روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلعم نے سوار بن الحرث (اس اعرابی کا نام تھا) سے ایک گھوڑا خریدا پھر اس نے (معاملہ بیع سے) انکار کر دیا خزیمہ بن ثابت نے آنحضرت صلعم کی طرف سے گواہی دی۔ رسول اللہ صلعم نے خزیمہ سے پوچھا کہ تم تو موجود نہ تھے پھر یہ شہادت کیسی؟ تو انہوں نے عرض کیا آپ کی تصدیق کی وجہ سے، آپ جو کچھ بولتے ہیں حق ہی بولتے ہیں، تو رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ خزیمہ جس کے موافق یا مخالف گواہی دیں تو یں (صرف ان کی تنہا گواہی) کافی ہے۔ حافظ ابن حجر نے فتح الباری ج ۹ ص ۲۹۰-۷ میں ان روایات کو نقل کر کے اس کی توجیہ یہ لکھی ہے کہ رسول اللہ صلعم نے اس اعرابی کے خلاف فیصلہ کیا اپنے علم کی بنا پر، اور خزیمہ کی گواہی محض ایک تاکید کی حیثیت میں تھی جس سے آپؐ نے اپنے مخالف پر غلبہ استدلال

حاصل فرمایا، تو آنحضرت صلعم کا ذاتی علم، اور خزیمہ کی شہادت مل کر دو گواہیاں ہوگئیں، اس لئے فیصلہ ایک گواہی پر نہیں بلکہ دو گواہی پر ہوا اس موقع پر ابن حجر نے ایک گواہی کو جو حقیقت میں گواہی بھی نہیں کہی جا سکتی، دو گواہیاں بالکل اسی منطقی طریق سے ثابت کیا ہے جس طرح کسی منطقی نے ایک انڈے کو دو انڈے ثابت کر دئے تھے۔ مگر قرینہ تو آیت احزاب والی شہادت اور ایک اور موقع جس کا ذکر آگے آتا ہے ان سب مواقع کے وقت تو ان کے ذوالشہادتین ہونے کو ختم کر دیتا ہے

ذوالشہادتین والی حدیث کے راوی

سب سے پہلے یہ جان لینا چاہئے کہ خزیمہ بن ثابت حضرت علیؓ کے حمایتیوں میں تھے۔ حضرت علیؓ کے ساتھ کوفہ چلے آئے تھے اور کوفہ ہی میں رہے۔ جنگ صفین ۳۷ھ میں حضرت علیؓ کی طرف سے لڑے اور مارے گئے۔ باہمی خانہ جنگیوں میں حضرت علیؓ کے برسرِ حق ہونے کے لئے جہاں حضرت عمار بن یاسرؓ کے لئے تقتلک الفئۃ الباغیۃ والی حدیث اور

الفئۃ الباغیۃ والی حدیث

وہ حدیث کہ رسول اللہ صلعم نے حضرت عائشہؓ سے کہا تھا کہ ایک وقت ایسا آئے گا کہ تم علیؓ کے خلاف برسرِ پیکار ہوگی اور اس وقت علیؓ حق پر ہونگے جس کی بعض علامتیں حضرت عائشہ کی درخواست پر آپ نے بتا دی تھیں اور جنگ جمل میں وہ سب علامتیں نمایاں نظر آئیں، وغیرہ گھڑی گئیں وہاں خزیمہ کے ذوالشہادتین ہونے کی بھی یہ حدیث گھڑی گئی کہ یہ ایسے شخص ہیں کہ جس کے موافق یا مخالف تنہا گواہی بھی دے دیں تو ان کی اکیلی گواہی دو مردوں کی گواہی کے برابر ہے، پھر حضرت علیؓ کی موافقت میں اور ان کے مخالفین کے خلاف ان کی شہادت اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگی کہ یہ حضرت علیؓ کے حمایتی رہے اور اسی حمایت میں جان تک دے دی۔

ذوالشہادتین والی حدیث کے راوی بھی زہری ہی ہیں

بہرحال اس حدیث کے راویوں کا حال ملاحظہ فرمائیے۔ ابن شہاب زہری سے بعد والوں کو تو میں چھوڑتا ہوں۔ زہری اس حدیث کو روایت کرتے ہیں عمارہ بن خزیمہ سے اور وہ اپنے چچا سے جن کے بارے میں زہری کا بیان ہے کہ وہ صحابی تھے مگر زہری کو ان کا نام معلوم نہ تھا اور وہ عمارہ بن خزیمہ کے چچا بذات خود اس حدیث کو چشم دید واقعہ کی نوعیت میں بیان کرتے ہیں۔ تو آپ زہری سے پوری طرح واقف ہو چکے ہیں، زہری کے بعد یہاں خزیمہ بن ثابت الانصاری جن کے ذوالشہادتین ہونے کو، کہ ان کی ایک گواہی دو مردوں کی گواہی کے برابر ہے، صرف ان کے بیٹے ہی کی اکیلی گواہی سے ثابت کیا جا رہا ہے غالباً ذوالشہادتین کے بیٹے ہونے کی وجہ سے یہ خود بھی ذوالشہادتین ہوگئے۔ اور یہ ذوالشہادتین کے صاحبزادے بھی اس کو صرف اپنے ایک چچا سے سنتے ہیں، اور کسی سے نہیں اور وہ چچا بھی ایسے جن کا نام کسی دوسرے کو یہاں تک کہ خود ان کو بھی شاید معلوم نہ تھا ورنہ نام ضرور بتا دیتے۔ ذوالشہادتین کے گمنام بھائی بھی اس راز کو صرف ذوالشہادتین کے بیٹے ہی سے کہتے ہیں اور کسی سے نہیں۔ ان ذوالشہادتین کے گمنام بھائی کا نام بجز ابن مندہ کے اور کسی کو معلوم نہ ہو سکا۔ ابن مندہ محمد بن اسحٰق بن محمد بن یحییٰ بن مندہ کی ولادت ۳۱۶ھ کی ہے اور وفات ۳۹۵ھ میں تقریباً تین سو برس تک کسی کو بھی عمارہ بن خزیمہ کے چچا کا نام معلوم نہ ہو سکا۔ معلوم ہوا تو تین سو برس کے بعد ابن مندہ کو کہ ان کا نام عمارہ بن ثابت تھا۔ اور زہری کہتے ہیں کہ عمارہ بن خزیمہ کے چچا صحابی تھے۔ مگر استیعاب وغیرہ میں کہیں ان کا ذکر نہیں ملتا۔ یعنی زہری کے سوا کسی نے صحابی نہیں جانا بلکہ ان کی شخصیت ہی نامعلوم تھی۔

عمارہ بن خزیمہ

ابن حجر تو عمارہ بن خزیمہ کے ترجمہ (تہذیب التہذیب ج ۷ ص ۲۱۶) میں لکھتے ہیں کہ یہ اپنے والد خزیمہ بن ثابت سے بھی روایت کرتے تھے تو پھر یہ روایت خزیمہ ہی کی طرف کیوں نہ منسوب کر دی گئی۔ ایک گمنام برادر خزیمہ کے سر کیوں تھوپی گئی؟۔ اگر اس کا خیال تھا کہ خزیمہ بن ثابت کے ذوالشہادتین ہونے کو خود انھیں کی روایت سے ثابت کرنا اچھا نہیں معلوم ہوتا تھا تو پھر ان کے بھائی اور وہ بھی گمنام بھائی کی وساطت سے خود انھیں کے صاحبزادے سے روایت کرنا کب اچھا معلوم ہوتا ہے؟۔

قرینہ یہ ہے کہ یہ روایت پہلے تو یونہی مرتب کی گئی کہ عمارہ بن خزیمہ نے اس کو بلا واسطہ اپنے والد خزیمہ بن ثابت ہی سے سنا۔ مگر جب بعض واقف کاروں نے اعتراض کیا کہ عمارہ نے ۱۰۵ھ میں پچھتر سال کی عمر پاکر وفات پائی تھی، اور ان کے والد خزیمہ بن ثابت ۳۷ھ میں بسلسلۂ جنگ صفین مارے گئے تھے۔ اس حساب سے اپنے والد کی وفات کے وقت عمارہ سات برس سے زیادہ کے نہ تھے۔ اس عمر میں اپنے والد سے ان کا کوئی حدیث سننا اور اس کا اسی طرح یاد رکھنا اور جوانی میں روایت کرنا وہ بھی صرف زہری ہی سے بالکل مستبعد ہے۔ اس اعتراض کے بعد

عن ابیہ کو عن عمہ بنا کر اس حدیث کو عمارہ کے باپ سے نہیں بلکہ چچا سے مروی قرار دے دیا گیا۔ سننے والے تو یہ گمان کرکے کہ شاید ان کے کوئی چچا ہوں گے چپ ہو رہے، مگر یہ روایت کرنے والے تو جانتے تھے کہ ہم نے محض رجماً بالغیب عن عمہ بنا دیا ہے ان کو بھی معلوم نہ تھا کہ ان کے کوئی چچا تھے یا نہیں اور اگر تھے تو ان کا کیا نام تھا، اس لئے نام نہ بتانا ہی قرین مصلحت سمجھے۔ تین سو برس کے بعد ابن مندہ پر وحی آئی کہ عمارہ بن خزیمہ کے چچا کا نام بھی عمارہ ہی تھا۔ یہ عمارۃ بن خزیمہ تھے، وہ عمارہ بن ثابت۔ مگر اس کا کیا علاج ہے کہ زہری عن عمہ کے بعد یہ بھی فرما چکے تھے کہ وکان من اصحاب النبی صلعم۔ وہ کیا جانتے تھے کہ ایک ہی صدی کے بعد تقریباً تمام صحابہؓ کی فہرست مرتب ہو جائیگی اور اس فہرست صحابہؓ میں ثابت بن الفاکہ بن ثعلبہ کے صرف ایک ہی بیٹے خزیمہ کا نام آئمہ تاریخ و رجال لکھیں گے۔ عمارۃ بن ثابت یا کسی اور ابن ثابت ابن فاکہ بن ثعلبہ کا کہیں نام نہیں ہوگا۔ اگر وکان من اصحاب النبی صلعم کی جگہ عن عمہ کے بعد صرف خزیمہ کا لفظ بڑھا دیا جاتا تو اتنی دشواری نہ پیدا ہوتی اور اس حدیث کا راز اس حد تک نہ کھلتا۔

ابن مندہ دور کی کوڑی لائے

ان عمارۃ بن خزیمہ شیخ الزہری کی روایت اپنے باپ اور چچا سے جس قسم کی ہے اس کا تو پتا آپ کو مل گیا۔ بعض اور لوگوں سے بھی ان کی روایتیں کچھ اسی قسم کی ہیں۔ مگر وہ روایتیں ذوالشہادتین والی حدیث کی نہیں ہیں، وہ دوسری حدیث ہیں شلاً سبرۃ بن الفاکہ یا ابن الفاکہ یا ابن ابی الفاکہ یا ابن الفاکہ کہا جاتا ہے کہ ان کو شرف صحبت حاصل تھا۔ صرف عمارۃ بن خزیمہ اور سالم بن ابی الجعد ان سے روایت کرتے ہیں۔ غرض یہ سبرہ کچھ مجہول الحال سے معلوم ہوتے ہیں عبدالرحمٰن بن ابی القراد الانصاری ان کو بھی عبدالرحمٰن بن الفاکہ ہی کہا گیا ہے یعنی ابو قراد کنیت تھی اور فاکہ ان کے والد کا نام تھا۔ یہ بلاواسطہ رسول اللہ صلعم سے روایت کرتے ہیں۔ ان سے بھی صرف عمارہ بن خزیمہ اور حارث بن فضیل روایت کرتے ہیں مگر ابوالفتح الازدی کہتے ہیں کہ ان سے صرف عمارۃ ہی روایت کرتے ہیں یہ بھی غیر معروف ہی صحابی ہیں (تہذیب التہذیب)

کثیر بن السائب الحجازی ان سے بھی عمارۃ ہی تنہا روایت کرتے ہیں۔ کثیر بن السائب نام کے اور بھی تین آدمی ہیں۔ اور سب کے ایک ہونے کا بھی گمان کیا گیا ہے۔ اگر تعدد ہی مانا جائے جب بھی اس نام کے غیر معروف ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے تفصیل تہذیب التہذیب جلد ۸ صفحہ ۴۱۵ میں دیکھئے

غرض اگر واقعی عمارہ ہی کی روایتیں ان لوگوں سے اور ان کے باپ اور چچا سے ہیں تو یہ مرسل اور مجاہیل سے روایتیں، کرنے کے خوگر رہے مگر قرینہ غالب یہی ہے کہ عمارہ کا قصور نہیں ہے، قصور ان لوگوں کا ہے جن لوگوں نے ان سے روایت کی ہے یا اور بعد والوں کا، واللہ اعلم

ذوالشہادتین والی روایت اور اس کی روشنی میں

یہ عالم تو ذوالشہادتین والی حدیث کا از روئے روایت ہے۔ اب ذرا درایت کی عینک بھی لگا کر دیکھئے مگر خود دیکھئے، میں آپ کو دکھلانے کی کوشش نہیں کرونگا، اور خدا کے لئے مرد وہ شخص جو رسول اللہ صلعم کے خلق عظیم سے کچھ بھی واقف ہے ذرا ایمان سے کہے کہ یہ ممکن ہے کہ رسول اللہ صلعم نے اس اعرابی سے ایک گھوڑے کی خریداری پر اس طرح کا مناقشہ فرمایا ہوگا؟ اور پھر اپنے ہی ایک ماننے والے کی اندیکھی گواہی پر جس کو فریق نے ہرگز قبول نہ کیا ہوگا، اور نہ کوئی منصف غیر جانبدار شخص اس ان دیکھی گواہی کو قبول کر سکتا ہے، محض اپنے ذاتی علم کی بنا پر اپنے حق میں خود ڈگری لے کر اس اعرابی کو شکست دیدی ہوگی؟ اور خزیمہ کو اس طرح کی ان دیکھی گواہی پر چشم نمائی کرنے کے عوض ان کو ذوالشہادتین کا درجہ مرحمت فرما کر اور ان کی ہمت افزائی کی ہوگی؟ کلا واللہ! ما قدروا اللہ حق قدرہ۔

غالباً یہی روایتی کمزوریاں ایسی نمایاں تھیں کہ امام بخاری و مسلم نے اس حدیث کو اپنی کتابوں میں داخل نہیں فرمایا حتیٰ کہ ترمذی نے بھی اس کو قبول نہیں کیا۔ البتہ یہ مقام تعجب ضرور ہے کہ جب ذوالشہادتین والی حدیث امام بخاری اور ابوعیسیٰ الترمذی کے نزدیک قابل قبول نہ تھی تو پھر آیت احزاب کے ملنے پر ابوخزیمہ کو ذوالشہادتین کس بنیاد پر تسلیم کر لیا؟ یہ ایک دلیل ہے اس بات کی، کہ جمع قرآن کی حدیثیں بخاری و ترمذی میں داخل کر دی گئی ہیں امام بخاری و امام ترمذی نے اپنی کتاب میں ان حدیثوں کو ہرگز درج نہیں کیا واللہ اعلم

تو اب دیکھئے کہ صرف زہری ہی سے تنہا عمارۃ بن خزیمہ نے اپنے باپ کے ذوالشہادتین بنائے جانے کی حدیث فقط اپنے ایک گمنام مجہول الحال

اسکی ایک دلیل کہ جمع قرآن سے متعلق تمام حدیثیں بخاری و ترمذی وغیرہ میں داخل کر دی گئی ہیں۔ ان جامعین نے خود نہیں درج کیں

چچا سے سن کر بیان کی۔ اور بس صرف اسی ایک ضعیف ترین آحاد حدیث کی بنیاد پر۔ زہری اور پھر امام بخاری اور تمام محدثین و مؤرخین آیت اخراب والی حدیث کو اور بعض روایتوں کی بنا پر آخر سورۂ توبہ والی حدیث کو بھی خزیمہ بن ثابت کی اکیلی شہادت سے قطعی یقینی ثابت کر کے سمجھتے ہیں کہ دین کی بہت بڑی خدمت انجام دے دی۔

ہر پھر کر زہری

جمع قرآن صدیقی کی روایت زہری سے۔ نقل مصاحف بعہد عثمانی کی روایت زہری سے آیت احزاب و آخر سورۂ توبہ کی یتیم شہادت زہری سے۔ خزیمہ بن ثابت کے ذوالشہادتین ہونے کی حدیث زہری سے۔ اور صحاح کے احاطہ سے باہر نکل کر دیکھئے تو اسی جمع قرآن سے متعلق کیا کچھ نہیں آپ کو زہری سے ملے گا۔ جن میں سے اکثر روایتیں تو ایسی ہی ہونگی جن میں زہری متفرد ہیں، خصوصاً متقدمین کی کتابوں میں متاخرین نے زہری کی تائید کے لئے بعد کو بعض حدیثوں کی متابعتیں ان کے دوسرے ہمعصروں سے بھی نکالیں، مگر ان متابعتوں کے راویوں کی ہیأت گمنامی ہی ان کی موضوعیت کی گواہ بن جاتی ہے۔ اور سب سے بڑی شہادت تو یہی ہے کہ اگر واقعی یہ حدیثیں بعد کو نہ بنائی گئیں ہوتیں اور حقیقتہً اگلوں سے ان کی روایت صحیح ہوتی تو پھر اگلے جامعین احادیث ان روایتوں کو نظر انداز نہ فرماتے۔ اور صحاح میں یہ حدیثیں بھی ضرور ہوتیں۔

حضرت حفصہؓ کے پاس سے وہ صحیفے پھر کیا ہو گئے

یہ ایک ایسا اہم سوال ہے جو ہر صاحب عقل کے دماغ میں ضرور پیدا ہو کر رہتا ہے مگر افسوس کہ حسب روایت بخاری و ترمذی و نسائی، ابن شہاب بس یہاں تک کہ کر چپ ہو جاتے ہیں کہ وہ صحیفے جن کو حضرت صدیق اکبرؓ نے زید بن ثابتؓ سے جمع کرایا تھا۔ حضرت صدیق اکبرؓ کے بعد حضرت عمرؓ کو ملے اور حضرت عمرؓ کے بعد حضرت ام المومنین حفصہؓ بنت عمرؓ کے پاس چلے آئے اور انھیں کے پاس برابر رہے۔ یہاں تک کہ حضرت عثمان کو جب نقل مصاحف کی ضرورت محسوس ہوئی تو ان صحیفوں کو حضرت حفصہؓ کے پاس سے انھوں نے مستعار منگوا کر اور ان کی متعدد نقلیں کرا لینے کے بعد پھر ان صحیفوں کو حضرت حفصہؓ ہی کے پاس واپس کر دیا۔ یہ بھی نہیں کہا کہ ان کو بیت المال میں یا ہمارے پاس بحیثیت خلیفہ کے رہنا چاہئے، آپ کے پاس ان کے رہنے کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی۔ بہر حال تو پھر وہ صحیفے حضرت حفصہؓ کے بعد کیا ہو گئے؟ آسمان پر اٹھا لیے گئے یا زمین ان کو نگل گئی؟ نہ زید بن ثابتؓ نے اس کو عبید بن السباق سے کہا نہ عبید نے زید سے پوچھا، نہ عبید نے ابن شہاب سے کہا نہ ابن شہاب نے اپنے چاروں شاگردوں سے کہا نہ ان میں سے کسی نے ابن شہاب سے پوچھا، یہاں تک کہ امام بخاری کو اپنے شیوخ سے اس کے پوچھنے کی ضرورت مطلق محسوس نہ ہوئی۔

شیعہ مجتہد علی النقی لکھنوی

اپنی کتاب "تحریف قرآن کی حقیقت" کے صفحہ ۱۳۲ میں لکھتے ہیں کہ "کتاب التعریف بالنبی والقرآن الشریف مطبوعہ مصر ص ۸۰ میں حسب ذیل الفاظ موجود ہیں فکتبوا المصحف واستعرضوہ عرضۃ بعد اخری فلما لم یجدوا شیئا ارسل عثمان الی ام المومنین حفصۃ یسألھا ان ترسل الیہ المصحف لعرض المصحف علیھا وحلف لھا لیردنھا الیھا بعد مقابلۃ المصحف بھا فاعطتہ ایاھا، فعرض علیھا المصحف فلم یختلفا فی شئ فردھا الیھا وطابت نفسہ بما فعل وامر الناس ان یکتبوا مصاحف۔ فلما ماتت حفصۃ ارسل عثمان الی عبد اللہ بن عمر یطلب الصحف منہ وشدد فی طلبھا فاعطاہ عبد اللہ ایاھا فغسلھا غسلا۔ مجتہد صاحب ترجمہ یوں لکھتے ہیں" ان صحابہ نے مصحف کو لکھا اور چند

ؓ حضرت فاروق اعظمؓ کی وفات ماہ ذی الحجہ ۲۳ھ میں ہوئی اور حضرت ام المومنین حفصہؓ کی وفات ۴۵ھ میں ہوئی کے معنی یہ ہوئے کہ تقریباً پندرہ برس تک یہ صحیفے بقول زہری حضرت حفصہؓ کے پاس بلا وجہ اور بلا استحقاق رہے۔ اس درمیان میں صرف اتنے ہی دنوں تک جب روایت زہری یہ مصاحف ناقلین مصاحف بعہد عثمانی کے پاس رہے جبتک ضرورت نقل داعی رہی، نقل کے بعد پھر حضرت حفصہؓ کے پاس واپس چلے گئے۔ تعجب یہ ہے کہ جمع صدیقی والی حدیث میں یہ مذکور ہے کہ کتنے دنوں میں کام پورا ہوا نہ نقل مصاحف بعہد عثمانی والی روایت میں مدت کا اندازہ قایم کرنا بھی ایک مشکل کام تھا۔ اس میں چوری پکڑی جا سکتی تھی اور جھوٹ کھل جا سکتا تھا۔ ۱۲ منہ

مرتبہ اس پر نظر کی گئی، جب کوئی غلطی نہ ملی تو عثمان نے ام المومنین حفصہ کے کہلوا بھیجا کہ وہ اجزائے قرآن بھیج دیجئے (صحف کا ترجمہ اجزا سے قرآن معلوم نہیں کیوں کیا گیا؟) "ان صحیفوں کو بھیج دیجئے" بالکل صحیح ترجمہ ہی تاکہ مصحف کا مقابلہ ان کے ساتھ ہو جائے۔ اور قسم کھائی کہ میں مقابلہ کے بعد واپس کر دونگا۔ چنانچہ حفصہؓ نے ان کو بھیج دیا اور مصحف کا ان سے تقابل کیا گیا ذرا سا بھی اختلاف دونوں میں نہ نکلا۔ اس وقت حضرت عثمانؓ کو اطمینان حاصل ہوا اور لوگوں کو حکم دیا کہ وہ اس صحیفہ کے نقول تحریر کریں۔ جب حفصہؓ کا انتقال ہوا تو حضرت عثمانؓ نے عبداللہ بن عمرؓ کے پاس آدمی بھیجا کہ وہ ان اجزاء (پھر صحف کا ترجمہ اجزاء کیا گیا) کو بھیج دیں۔ اور بڑی سختی کے ساتھ ان سے مطالبہ کیا۔ اس وقت انھوں نے مجبور ہو کر وہ اجزاء یا صحیفے بھیج دیئے اور حضرت عثمانؓ نے ان کو پانی سے بالکل دھو ڈالا۔" اس کے بعد مجتہد العصر والزماں صاحب نے خوب خوب جلے دل کے پھپھولے پھوڑے کہ دنیا سے علم و تمدن و تہذیب تو اصل نسخوں کی حفاظت کرتی ہے۔ اور حضرت عثمانؓ کے یہ ظلم کیا کہ قرآن کا اصل نسخہ جس کو خلیفہ اول نے بمشکل زید بن ثابتؓ سے جمع کرایا تھا اس کو ضائع کر دیا مگر مصنف کتاب التحریف جسطرح رافضی دروغ باف تھا اسی طرح یہ مجتہد صاحب بھی دروغ کو فروغ دینے والے ہی نکلے، آخر یہ بھی تو مجتہد ہی ہیں۔ سفید جھوٹ کوئی بولے تو ایسا بولے۔ سبحان تاریخ کے مبتدی بچے بھی جانتے ہیں کہ حضرت ام المومنین حفصہؓ سے تقریباً پندرہ برس پہلے عثمانؓ کی شہادت ہو چکی تھی۔ حضرت عثمان کی شہادت وسط ایام تشریق ۳۵ھ ہجری میں ہوئی اور حضرت حفصہؓ کی وفات ۴۵ھ ہجری میں ہے۔ پھر حضرت حفصہؓ کی وفات کے بعد عبداللہ عمرؓ سے صحیفوں کو حضرت عثمانؓ کا بزور منگوا کر دھلوا دینا کہاں تک صحیح ہو سکتا ہے؟ مگر افسوس کہ سفید جھوٹ لکھ کر چھاپ دینے میں بھی کچھ شرم نہیں محسوس ہوئی۔ عنایت ہے کہ مجتہد صاحب کی نظر تفسیر ابن جریر پر نہ پڑی ورنہ وہ تفسیر ابن جریر کا بھی حوالہ اس روایت کے نقل کرنے کے وقت ضرور دیتے اس میں بھی یہ روایت موجود ہے مگر ابن جریر بھی آخر شیعہ ہی تھے۔ حضرت عثمان اور حضرت حفصہؓ کے سنین وفات ان کو بھی یاد نہ رہے اور لکھ مارا۔ درحقیقت اس روایت کو ابن جریر ہی نے گھڑا ہے پھر ان سے دوسرے شیعوں نے لیا۔

البتہ کنز العمال میں ہے | قال الزهری اخبرنی سالم بن عبد الله ان مروان کان یرسل الی حفصة یسألها الصحف التی کتب فیها القرآن فتابی حفصة ان تعطیها ایاه۔ فلما توفیت حفصة ورجعنا من دفنها ارسل مروان بالشرطة الی عبد الله بن عمر لیرسل الیه بتلك الصحف فارسل بها الیه عبد الله بن عمر فامرها مروان فشققت وقال مروان انما فعلت هذا لان فیها قد کتب وحفظ بالمصحف فخشیت ان طال بالناس زمان ان یرتاب فی شان هذا المصحف مرتاب او یقول قد کان فیها شیئ لم یکتب (رواه ابن ابی داؤد) یعنی زہری کہتے ہیں کہ مجھے سالم بن عبداللہ نے خبر دی کہ مروان[1] حضرت حفصہؓ کے پاس آدمی بھیجا کرتے تھے ان صحیفوں کو مانگنے کے لئے جس میں قرآن لکھا گیا تھا۔ تو حضرت حفصہؓ ان کو اس کے دینے سے انکار کرتی تھیں۔ تو جب حضرت حفصہؓ وفات پا گئیں اور ہم لوگ ان کے دفن سے واپس آئے تو مروان نے پورے ارادے کے ساتھ عبداللہ بن عمرؓ کے پاس آدمی بھیجا کہ وہ ان صحیفوں کو اُن کے پاس بھیج دیں۔ تو انھوں نے ان کے پاس وہ صحیفے بھیج دیئے۔ تو مروان نے اس کو پرزے پرزے کر دینے کا حکم کیا

---

[1] مجتہد صاحب کے قلم میں قرآن کی عظمت اس قدر راسخ ہو گئی ہے کہ ایک دوسرے شیعہ ہی مجتہد کی عربی کتاب کا بھی بعض جگہ صحف کا صحیح ترجمہ نہیں کرتے جس طرح "صحف" کا ترجمہ ہر جگہ اجزاء کیا ہے، تاکہ یہ سمجھا جائے کہ حضرت حفصہؓ کے پاس بھی پورا قرآن نہ تھا بلکہ قرآن کے کچھ اجزاء اسی طرح یہاں بھی واسطہ حضرة عرضته بعض اخوتی کا ترجمہ اتنا لکھدیا کہ اور صحف کا ان سے مقابلہ کیا گیا۔ حالانکہ صحیح ترجمہ یوں کرنا تھا کہ "اور صحابہ نے بار بار صحف کا ان صحیفوں سے تقابل کیا" بار بار مقابلہ کا اقرار اپنے قلم سے ہندی مجتہد صاحب نہ کر سکے اسلئے ترجمہ میں تحریف سے کام لینے پر مجبور ہوئے مگر اس روایت کا مانند دیگر مصری مجتہد صاحب کے نہ بتایا نہ ہندی مجتہد نے اس کا پتا لگایا۔ کتاب التحریف والے تو ہندی کے عیسیٰ ہیں یا تھوڑا متقدم یہ تیرہ سو برس کے بعد یہ نئی بات ایک مجتہد شیعہ ہی کہہ سکتا ہے۔ اس میں صحیفوں کے نقل کرنے کا ذکر ہی نہیں بلکہ پہلے صحابہ نے قرآن جمع کر لیا اسکے بعد مقابلہ کرنے کیلئے حضرت حفصہؓ کے یہاں سے صحیفے منگوائے گئے۔ ع ہونے میں کیسے کیسے انہیں بہانے آگئے

[2] مروان بن الحکم بن ابی العاص ۴۳ھ میں حضرت معاویہؓ کے حکم سے والی مدینہ تھے اور معاویہ بن یزید بن معاویہ کی وفات کے بعد ۶۴ھ میں شام کے لوگوں نے انہیں کو خلیفہ تسلیم کر لیا تھا۔ مگر حرمین شریفین اور پورے حجاز میں حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی خلافت یزید کے بعد تسلیم کر لی گئی تھی۔

اور کہا کہ میں نے ایسا اس لئے کیا کہ جو کچھ اس میں ہے وہ لکھا جا چکا اور مصحف میں محفوظ ہو چکا۔ تو میں ڈرا کہ لوگوں پر زمانہ جب دراز ہو جائے تو کوئی شکی مزاج اس مصحف کی شان میں (جو لوگوں کے پاس ہے) شک نہ کرنے لگے یا کہے کہ ان صحیفوں میں کوئی چیز تھی جو نہیں لکھی گئی۔ (کنز العمال جلد ۱ صفحہ ۲۸۰)

حضرت حفصہؓ کے صحیفوں کا حال زہری جانتے تھے

دیکھئے ان صحیفوں کا حال زہری کو معلوم تھا۔ ان کے چار شاگردوں میں جو جمع صدیقی والی حدیث ان سے روایت کر رہے ہیں یا وہ جو نقل مصاحف والی حدیث نقل کر رہے ہیں اگر پوچھتے کہ آخر حضرت حفصہؓ کے بعد وہ صحیفے کیا ہو گئے تو وہ ضرور بتا دیتے مگر ان لوگوں کو خدا جانے کیا ہو گیا تھا ان میں سے کسی نے بھی یہ ضروری بات زہری سے نہیں پوچھی۔ شعیب جو کاتب زہری تھے ان کو بھی افسوس کہ یہ توفیق نہ ہوئی کہ اتنا پوچھ لیں۔ بہرحال مگر اس روایت کا آخری ٹکڑا "کہ میں ڈرا کہ زمانہ دراز گذرنے پر کوئی شکی مزاج یہ شک نہ پیدا کرے کہ موجودہ مصاحف میں کوئی چیز ایسی نہیں لکھی گئی جو ان صحیفوں میں تھی، اس لئے ہم نے ان صحیفوں ہی کو ضایع کر دیا" کس قدر غلط توجیہہ قصداً اس قول کی گئی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر لوگ شک نہیں کر رہے ہیں تو اس روایت کو پڑھ کر شک کریں۔ حالانکہ وہ "مصحف امام" جو حضرت حفصہؓ کے پاس عہد نبوی سے چلا آ رہا تھا اور عہد خلفائے راشدینؓ تک برابر رہا۔

مروان کی دور اندیشی

مروان غریب نے اپنے زمانے میں منافقین عجم کی دیرینہ دوانیوں کو دیکھ کر یہ محسوس کیا اور صحیح محسوس کیا کہ آگے چل کر یہ مصحف نبویؐ معلوم نہیں کس کے ہاتھ لگے اور کب ان منافقین کو اس میں کچھ کمی بیشی کا موقع مل جائے۔ اور پھر یہ اصل مصحف نبویؐ میں تحریف کر کے عامۂ مسلمین کے پاس جو مصاحف ہیں ان صحیفوں کی محرّف آیات و سور کو دکھا کر سب کو برباد کر دیں اس لئے ان کا ضایع کر دینا ہی میں مصلحت ہے، ان کے بعد پھر تمام مصاحفِ عالم کی حیثیت یکساں رہ جاتی ہے۔ ایک کو دوسرے پر کوئی فضیلت نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ مروان بن حکم کی یہ نہایت پر حکمت دور اندیشی تھی فلله دره ثم لله دره وجزاه الله عنا وعن جميع المسلمين خير الجزاء۔ مگر افسوس کہ ؎

چشم بد اندیش کہ برکندہ باد　　عیب نماید ہنرش در نظر

ذکر متابعات، فریضۂ محدث احادیث جمع صدیقی، اور صحیح بخاری

ایک حدیث جو کسی خاص سلسلۂ اسناد سے روایت کی گئی ہے، اگر وہ کسی دوسرے اسناد سے بھی مروی ہے تو دوسری روایت کو پہلی روایت کی متابعت یعنی تائید میں پیش کرتے ہیں۔ اگر کسی حدیث کے ایک سلسلۂ اسناد کی تائید متعدد سلاسل اسناد سے ہو جب تو وہ حدیث بہت کافی حد تک قوی الروایت عموماً سمجھی جاتی ہے اگرچہ یہ کوئی قاعدہ کلیہ نہیں ہے کیونکہ وضاعین وکذابین ایسا بھی کرتے تھے کہ ایک حدیث گھڑ کر اس کی چند متابعتیں بھی بنا لیں اور پھر ان سلاسل اسناد کو الگ الگ تقسیم کر کے مختلف مقامات میں جا جا کر پھیلانے لگے۔

بہرحال محدث کا یہ فرض ضرور ہے کہ جس حدیث کی متابعتوں کا وہ ذکر کرے ان متابعتوں کو یا تو تفصیل اسناد وہیں پر نقل کر دے یا اپنی اسی کتاب میں کسی دوسری مناسب جگہ پر درج کر دے، اور اگر اس سے متقدم کسی محدث نے اپنی کسی کتاب میں ان متابعتوں کو درج کیا ہے تو اس متقدم محدث کا اس کی اس تصنیف کے نام کے ساتھ جس میں وہ متابعتیں مذکور ہیں پورا پتا بتا دے۔ کسی محدث کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ کسی حدیث کی کسی متابعت کا تو ذکر کرے، مگر اس متابعت والی حدیث کو اپنے بعد والوں کے لئے چھوڑ دے کہ جو لوگ آئندہ پیدا ہونگے اور حدیث کی کوئی کتاب لکھیں گے تو اس متابعت کو اپنی کتاب میں درج کر لیں گے۔

امام بخاریؒ نے کتاب التفسیر میں جمع صدیقی والی حدیث لکھ کر جن متابعتوں کی تصریح فرمائی ہے ان میں کی متعدد متابعتیں صحیح بخاری میں نہیں ہیں۔ مثلاً یعقوب بن ابراہیم اور عثمان بن عمرو کی کوئی متابعت بھی بخاری میں مذکور نہیں بلکہ صحاح کی کسی کتاب میں ان کی متابعتیں درج نہیں۔ جس کے معنی یہ ہوئے کہ ان کی متابعتیں امام بخاری اور دوسرے مؤلفین صحاح کے نزدیک قابلِ اعتبار نہ تھیں، جب تو ان کی متابعتوں کا حال جانتے ہوئے بھی کسی نے ان کو اپنی کتاب میں درج نہ کیا تو پھر ایسی ناقابل اعتبار متابعتوں کا

ذکر ہی کیا ہے۔؟

اور بعض جگہ امام بخاری ذکر متابعت میں تو کچھ لکھتے ہیں اور متابعت والی اصل حدیث میں کچھ اور مثلاً لیث کی متابعت جو یونس سے مروی ہے ذکر متابعت میں خزیمہ والی حدیث کا اس کو متابع ظاہر فرماتے ہیں مگر باب کاتب النبی میں جب یہ لیث والی حدیث لکھتے ہیں تو اس میں ابوخزیمہ لکھ دیتے ہیں۔ اسی طرح ابوثابت کی متابعت میں خزیمہ یا ابوخزیمہ سے آخر سورۂ براۃ کی ایک ہی آیت کا ملنا نقل کرتے ہیں۔ مگر کتاب الاحکام میں جب ابوثابت والی حدیث لکھتے ہیں تو آخر سورۂ براۃ کی دونوں آیتوں کے خزیمہ یا ابوخزیمہ کے ساتھ ملنے کی تصریح فرماتے ہیں۔ معلوم نہیں ان متابعتوں میں یہ مخالفتیں خود امام بخاری کی طرف سے ہیں، یا راویاں صحیح بخاری کی یہ تحریف و تصحیف ہے۔ مجھ کو تو یقین ہے کہ باب جمع القرآن اور جمع قرآن کے متعلق تمام حدیثیں بعض راویان صحیح بخاری نے اصل کتاب میں داخل کر دی ہیں۔ جیسا کہ حدیث کی اکثر کتابوں کے ساتھ بعض تلامذہ محدث یا کاتبین و وراقین (یعنی جلد بندوں) نے کیا ہے۔ اگر یہ تسلیم نہ کیا گیا تو پھر یہ ماننا پڑیگا کہ امام بخاری خود منافقین عجم کے دام تزویر میں پڑے اور ان کی من گھڑت جھوٹی حدیثوں کو صحیح ثابت کرنے کے لئے تدلیس اور ید ترین تدلیس تک کے مرتکب ہوئے، مگر میں امام بخاریؒ کے متعلق ایسا گمان نہیں کر سکتا۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال آخر میں اتنا ضرور میں کہونگا کہ قرآن پاک کو مشتبہ کرنے کے لئے صحابہ پر اتہام، اور ایسا اتہام جس کے لپیٹ میں رسول اللہ صلعم بلکہ اللہ تعالےٰ کی ذات پاک بھی آجائے۔ کوئی معمولی گناہ نہیں ہے، جس نے جان بوجھکر اس پہاڑ جیسے گناہ کا ارتکاب کیا ہے۔ ہم آپ تو سہی اللہ تعالےٰ ان لوگوں سے خوب واقف ہے۔ لکل امرئ منھم ما اکتسب من الاثم والذی تولی کبرہ منھم لہ عذاب الیم۔

حدیث نقل مصاحف بعہد ذی النورین

باب جمع القرآن صحیح بخاری میں بالکل ایک سلسلہ اسناد سے دو حدیثیں ابن شہاب زہری سے مروی ہیں۔ ایک تو حدیث جمع صدیقی جس کی مفصل بحث آپ ملاحظہ فرما چکے، دوسری حدیث نقل مصاحف بعہد عثمانی والی۔ جو اس وقت آپ کے زیر غور و بحث آرہی ہے۔ اگرچہ اس پر بھی مجملاً کچھ بحث حدیث جمع صدیقی کے ضمن میں اوپر گذر چکی ہے مگر یہ مجلس چونکہ خاص اسی پر بحث و تمحیص کی ہے اس لئے اس موقع پر کسی قدر تفصیل کے ساتھ اس حدیث پر بحث کر دینا ضروری ہے۔ تاکہ مجلس سوئی نہ رہے پہلے پوری حدیث مع ترجمہ ملاحظہ ہو۔

اصل حدیث

حدثنا موسیٰ، قال حدثنا ابراھیم قال حدثنا ابن شھاب ان انس بن مالک حدثہ ان حذیفۃ بن الیمان قدم علی عثمان وکان یغازی اھل الشام فی فتح ارمینیۃ واذربیجان مع اھل العراق فافزع حذیفۃ اختلافھم فی القراءۃ۔ فقال حذیفۃ لعثمان یا امیر المومنین ادرک ھذہ الامۃ قبل ان یختلفوا فی الکتاب اختلاف الیھود والنصاریٰ۔ فارسل عثمان الی حفصۃ ان ارسلی الینا بالصحف ننسخھا فی المصاحف ثم نردھا الیک۔

جمع صدیقی و نقل مصاحف دونوں حدیثیں امام بخاری جو روایت کرتے ہیں تو زہری تک تو دونوں کے اسناد ایک ہی ہیں۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ جمع صدیقی والی حدیث زہری عبید بن السباق سے سنتے ہیں اور وہ زید بن ثابت سے، اور نقل مصاحف والی حدیث زہری بلا واسطہ انس بن مالک سے سنتے ہیں جمع صدیقی والی حدیث کو امام بخاری پانچ جگہ اپنی کتاب میں مطولاً و مختصراً نقل کرتے ہیں اور ایک جگہ اس کی متابعتوں کا بھی ذکر کرتے ہیں۔ ان متابعتوں میں سے بعض تو ان کی کتاب میں پائی جاتی ہیں۔ اور بعض صحاح کی کسی کتاب میں نہیں ملتیں۔ صحاح سے باہر مسند احمد وغیرہ میں ملتی ہیں وہ بھی ناقص طور سے اور بعض متابعتوں کے خلاف حدیث خود انہیں کی کتاب میں موجود ہے مگر یہ ساری متابعتیں زہری کے بعد کی ہیں۔ اس لئے بالکل غیر مفید۔ غرض زہری تک حدیث جمع صدیقی بالکل آحاد در آحاد رہتی ہے۔ اور یہ نقل مصاحف والی حدیث تو زہری کے شاگرد ابراہیم بن سعد جن کی روایت زہری سے خود محدثین کے نزدیک ضعیف ہے۔ اور تحقیق کے بعد تو پتا چلتا ہے کہ ابراہیم کا زہری سے سماع حدیث ہی ممکن نہیں۔ بس انہیں ابراہیم تک یہ نقل مصاحف والی حدیث آحاد در آحاد رہتی ہے۔ بس کی کوئی متابعت امام بخاری کو نہ مل سکی۔ ابراہیم کے بعد والی متابعت بھی امام بخاری کو نہ مل سکی ورنہ ضرور لکھتے۔ غالباً اس وقت تک تیار نہیں ہوئی تھی۔ بڑی عجلت میں یہ نقل مصاحف والی حدیث بخاری میں داخل کی گئی اتنا وقت نہ ملا کہ دو ایک متابعتیں بھی بنا کر لگا دی جاتیں۔ واللہ اعلم ۱۲

فارسلت بها الی عثمان۔ فامر زید بن ثابت وعبد اللہ ابن الزبیر وسعید بن العاص وعبد الرحمن بن الحارث بن ہشام فنسخوها فی المصاحف۔ وقال عثمان للرهط القرشیین الثلثة اذا اختلفتم انتم وزید بن ثابت فی شیء من القرآن فاکتبوہ بلسان قریش۔ فانما نزل بلسانهم ففعلوا۔ حتی اذا نسخوا الصحف فی المصاحف رد عثمان الصحف الی حفصة۔ وارسل الی کل افق بمصحف مما نسخوا۔ وامر بما سواہ من القرآن فی کل صحیفة او مصحف ان یحرق۔ **قال ابن شهاب** واخبرنی خارجة بن زید ان زید بن ثابت، قال فقدت ایة من الاحزاب حین نسخنا المصحف قد کنت اسمع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقرؤها۔ فالتمسناها فوجدناها مع خزیمة بن ثابت الانصاری "من المومنین رجال صدقوا ما عاهدوا اللہ علیه" فالحقناها فی سورتها فی المصحف

(باب جمع القرآن بخاری) (ترجمہ) امام بخاری سے موسیٰ (بن اسمٰعیل) نے اور ان سے ابراہیم (بن سعد) نے، ان سے ابن شہاب زہری نے حدیث بیان کی کہ ان سے انس بن مالک نے حدیث بیان فرمائی کہ حذیفہ بن الیمان (صحابی) حضرت عثمان کے پاس آئے۔ اور وہ اہل عراق کے ساتھ فتح ارمینیہ و آذربائیجان میں اہل شام سے جہاد کر رہے تھے۔ تو حذیفہ کو اہل عراق کے اختلافات قرارت نے گھبرا دیا۔ حذیفہ نے حضرت عثمانؓ سے کہا کہ اے امیر المومنین اس امت کی اس سے پہلے خبر لیجئے کہ یہود و نصاریٰ کی طرح کتاب اللہ میں اختلاف پیدا کر دیں۔ تو حضرت عثمانؓ نے حضرت (ام المومنین) حفصہؓ کے پاس (خدا جانے کس شخص کو) بھیجا کہ صحیفے ہم لوگوں کے پاس بھیج دیجئے تاکہ ہم لوگ مصحفوں میں نقل کر لیں۔ پھر ہم لوگ اسکو آپ کے پاس واپس کر دیں گے۔ تو حضرت عثمان کے پاس حضرت حفصہؓ نے وہ صحیفے بھیج دیئے۔ پھر حضرت عثمانؓ نے زید بن ثابت، عبد اللہ بن الزبیر، سعید بن العاص اور عبد الرحمٰن بن الحارث بن ہشام کو حکم دیا۔ تو ان چاروں نے ان صحیفوں کو مصحفوں میں لکھ لیا۔ اور حضرت عثمان نے تینوں قریشیوں سے کہا کہ جب تم لوگ زید بن ثابت سے قرآن کے متعلق کسی چیز میں اختلاف کرو تو، اس کو لکھو قریش کی زبان میں۔ کیونکہ قرآن قریش کی زبان میں اترا ہے۔ تو ان لوگوں نے ایسا ہی کیا۔ یہاں تک کہ صحیفوں کو مصاحف میں لکھ چکے تو حضرت عثمان نے ان صحیفوں کو حضرت حفصہؓ کے پاس واپس بھیج دیا۔ اور ہر افق میں ایک مصحف بھیج دیا جو لکھا گیا تھا، اور اسکے ماسوا جو قرآن بھی صحیفوں یا مصحفوں میں ہو۔ اسکے بارے میں حکم کیا کہ جلا دیا جائے۔ ابن شہاب نے کہا کہ اور خارجہ بن زید بن ثابت نے مجھے خبر دی کہ انھوں نے زید بن ثابت سے سنا کہ انھوں نے کہا کہ جس وقت ہم لوگ مصحف لکھ رہے تھے سورہ احزاب کی ایک آیت میں نے نہیں پائی جس کو میں رسول اللہ صلعم کو پڑھتے ہوئے سنا کرتا تھا۔ تو ہم لوگوں نے اس کو ڈھونڈھا، تو اس کو پایا خزیمہ بن ثابت الانصاری کے ساتھ (وہ آیت یہ ہے) من المومنین رجال صدقوا ما عاهدوا اللہ علیہ (الخ) تو ہم لوگوں نے اسکو اس سورہ میں مصحف کے اندر داخل کر دیا (بخاری باب جمع القرآن)

یہی حدیث ابو عیسیٰ الترمذی اپنی سنن میں محمد بن بشار (معروف بندار) سے اور وہ عبد الرحمٰن ابن مہدی سے اور وہ ابراہیم بن سعد سے اور وہ زہری سے روایت کرتے ہیں، بالکل اسی طرح دونوں حدیثوں کو یعنی جمع صدیقی والی حدیث کو بھی اور نقل مصاحف بعہد عثمانی والی حدیث کو بھی۔ جمع صدیقی والی حدیث کی متابعات کے سلسلے میں اس ترمذی والی روایت کا جو عبد الرحمٰن بن مہدی سے ہے ذکر تو آچکا ہے مگر نقشہ متابعات میں اسکا ذکر نہیں کیا گیا۔ کیونکہ نقشے میں انہیں متابعتوں کا ذکر کیا گیا ہے جن کو امام بخاری نے اپنی کتاب میں درج فرمایا ہے۔ نقشہ نکال کر دیکھ لیجئے۔ اور نقل مصاحف والی حدیث کا بھی ذکر آخر سورہ توبہ و آیت سورہ احزاب و خزیمہ و ابو خزیمہ کی بحث میں آچکا ہے، نفس حدیث تو وہاں مذکور نہیں ہے مگر مجملاً ترجمہ ضرور پیش کر دیا گیا ہے۔ دیکھئے صفحہ (۱۰۲) مگر ترمذی نے آخر حدیث میں ایک نئی بات لکھی ہے جس کی خبر امام بخاری یا ان کے شیخ موسیٰ بن اسمٰعیل کو زہری سے یا کسی دوسرے سے نہیں ملی عبد الرحمٰن بن مہدی سے بندار

ے یہ روایت ابو الیمان عن شعیب عن الزہری عن انس "فامر عثمان سے فنسخوا" تک (باب نزل القرآن بلسان قریش والعرب الخ) میں بخاری میں ہے مگر امام بخاری نے اسکو خود متابعت میں شمار نہیں کیا۔ اس لئے کہ اول و آخر کے واقعے بالکل غائب ہیں۔ درمیان کا صرف ایک ٹکڑا مروی ہے تو جب خود امام بخاری نے اسکو متابعت نہیں قرار دیا تو ہم بھی اسکو متابعت نہیں قرار دیتے ہیں۔ اور جب متابعت نہیں تو پھر بحث ہی کیا ہے؟ ابو الیمان اور شعیب کے متعلق آپ کو جمع صدیقی والی روایت پر جرح میں معلوم ہو چکا ہے کہ ابو الیمان نے شعیب سے ایک آدھ کلمے کے سوا کچھ نہیں سنا۔ اسلئے یہ روایت بھی منقطع ہی ہے۔ درمیانی راوی کا حال معلوم نہیں ۱۲ منہ غفرلہ

یعنی محمد بن بشار نے اگر یہ بات سنی تھی تو صرف ترمذی ہی نے محمد بن بشار سے کیوں سنی؟ خود امام بخاری بھی تو محمد بن بشار سے بہتیری حدیثیں روایت کرتے ہیں۔ صحیح بخاری میں محمد بن بشار سے دو سو پانچ حدیثیں مروی ہیں، اور صحیح مسلم میں چار سو ساٹھ حدیثیں، امام مسلم کو تو نہ جمع صدیقی کی کوئی حدیث ملی، نہ نقل مصاحف بعہد عثمانی کی، یہ ترمذی والی نئی بات انہیں کہاں سے مل سکتی۔ اصل یہ ہے کہ یارانِ طریقت کو بخاری و ترمذی میں اپنی طرف سے جمع و نقل کی حدیثیں بنا کر داخل کر دینے کا موقع مل گیا۔ مگر صحیح مسلم میں اس کا موقع نہ مل سکا اس لئے صحیح مسلم جمع قرآن و نقل مصاحف کی حدیثوں سے خالی رہی۔ اور جس نے بخاری میں یہ حدیثیں بنا کر داخل کی تھیں اس کو یہ نئی بات نہیں سوجھی تھی، یا اس وقت نہیں سوجھی تھی۔ ترمذی امام بخاری سے متاخر ان کے شاگرد ہیں۔ بخاری کی تالیف کے برسوں بعد ترمذی مرتب و مدوّن ہوئی ہے۔ اس لئے ترمذی میں یہ حدیثیں داخل کرنے کے وقت اس اضافے کا بھی خیال آ گیا۔ اور یہ مضمون بخاری میں داخل ہونے سے رہ گیا۔ بہرحال وہ ترمذی کا نیا اضافہ بھی سن لیجئے

اضافہ ترمذی پوری روایت لکھنے کے بعد ابو عیسیٰ ترمذی تحریر فرماتے ہیں۔ بغیر اسناد قبل و بعد کے: قال الزھری۔ فاختلفوا یومئذ فی التابوت والتابوہ۔ فقال القرشیون التابوت وقال زید التابوہ فرفع اختلافھم الی عثمان فقال اکتبوہ التابوت فانہ نزل بلسان قریش۔ یعنی زہری نے کہا، کہ تو اس دن ان کاتبوں نے اختلاف کیا "تابوت" اور "تابوہ" میں۔ قریشیوں نے کہا کہ "تابوت" اور زید نے کہا کہ "تابوہ"، تو ان لوگوں کا اختلاف حضرت عثمان کے سامنے پیش ہوا۔ حضرت عثمان نے فرمایا "تابوت" لکھو کیونکہ وہ قریش کی زبان میں اترا ہے۔

واضح رہے کہ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ تلفظ "تابوت" اور "تابوہ" کا ایک ہی تھا فرق صرف رسم خط کا تھا۔ زید بھی تلفظ "ت" ہی کا کرتے تھے۔ مگر لکھنا چاہتے تھے "ہ" سے بشکل ہائے ہوز۔ اسلئے کہ "لسان" کا تعلق تلفظ سے ہے، نہ کہ کتابت سے۔ اور کسی متقدم نے یہ لکھا بھی نہیں ہے کہ اختلاف صرف رسم خط کا تھا۔ بہرحال مجھکو اس پر خواہ مخواہ اصرار بھی نہیں، اگر کوئی صرف رسم خط پر اصرار کرے تو میں تسلیم کر لونگا۔ کہ اچھا صرف رسم خط ہی کا اختلاف سہی۔

مگر اس کا پتا نہیں ملا۔ کہ زہری نے یہ کہا تو کہاں سے کہا؟ کس سے سن کر کہا؟۔ ترمذی کو یہ خبر کس سے ملی کہ زہری نے ایسا کہا؟ ہر موقع پر تو یہ لوگ سلسلۂ اسناد لکھدیا کرتے ہیں، یہاں پر اسکو خلاف معمول و خلاف دستور نظر انداز یا قلم انداز کیوں کر دیا؟۔ اصل یہ ہے کہ اگر سلسلۂ اسناد وہی پہلا اس قول کے متعلق بھی لکھدیا جاتا تو سلسلۂ اسناد کی ضرورت ہی نہ تھی یہ اضافہ بغیر "قال الزھری" کے اسی حدیث نقل مصاحف کے سلسلۂ اسناد میں مذکور ہوتا۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ چونکہ یہ اضافہ ترمذی تک پہونچا تو تھا اسی اسناد سے، مگر بیک جلسہ و بیک مجلس نہیں۔ اس لئے محض تفریق مجلس کو ظاہر کر دینے کے لئے الگ کر دینا مناسب سمجھا گیا۔ اگر ایسا ہی تھا جب پہلے اسناد لکھ دینا ضروری تھا، تاکہ یہ اشتباہ نہ رہے کہ زہری کی یہ بات کسی اور غیر معلوم ذریعے سے ان تک پہونچی، جیسا کہ اس وقت یہ اشتباہ ہو رہا ہے۔ اور اگر کسی دوسرے سلسلۂ اسناد سے پہونچی ہے۔ جب تو اس کو واضح کر دینا بدرجۂ فرض تھا۔ کہ کسی حدیث کا بغیر اسناد کے اپنی کتاب میں درج کر دینا ایک مؤلفِ سنن کے لئے کبھی جائز نہیں ہو سکتا۔ کچھ پتا نہیں ملتا کہ ترمذی نے کس سے سنا کہ زہری نے ایسا کہا۔ اور کچھ خبر نہیں کہ زہری نے حضرت انس ہی سے سنا یا عبید بن السباق سے یا خارجہ سے یا وحی اڑتی ہوئی خبر تھی زبانی طیور کی۔

اصل یہ ہے کہ اگر وہی "عن محمد بن بشار عن عبد الرحمٰن بن المہدی" یہاں بھی لکھدیا جاتا، تو ہم لکھ چکے ہیں کہ محمد بن بشار سے امام بخاری دو سو پانچ حدیثیں اپنی کتاب صحیح بخاری میں روایت کر رہے ہیں۔ امام بخاری بیک واسطہ اس حدیث کو ابراہیم بن سعد سے بذریعہ موسیٰ بن اسمٰعیل روایت کر رہے تھے خواہ مخواہ بدو واسطہ کیوں روایت کرتے اس لئے شاید انھوں نے اس روایت نسخ مصاحف کو محمد بن بشار سے نہیں لیا کہ اس سلسلے سے وہ دو واسطے سے ابراہیم بن سعد تک پہونچتے۔ اس لئے نقل مصاحف والی حدیث اس سلسلہ سے نہیں نقل کی۔ اور نہ جمع صدیقی والی حدیث اس سلسلے سے لی۔ مگر اتنا اضافہ اگر ان کو اسی سلسلۂ اسناد سے مل جاتا تو اس اضافہ کی وجہ سے امام بخاری ضرور اس سلسلے سے بھی نقل مصاحف والی حدیث کو لکھ لیتے۔ اور موسیٰ بن اسمٰعیل کی متابعت اسکو قرار دیدیتے۔ ورنہ کتاب التفسیر میں اس کا ذکر

ذکر کرتے۔ قرآن مبین میں تالوت کا لفظ دو ہی جگہ ہے۔ ایک تو سورۂ بقرہ کے تیسوں رکوع میں، دوسرے سورہ طٰہٰ کے دوسرے رکوع میں مگر امام بخاری نے کہیں بھی "تالوت" "وتابوہ" کے اختلاف کا ذکر نہیں فرمایا۔ جس سے صاف ظاہر ہے کہ امام بخاری کو اس اختلاف کی مطلق خبر نہ تھی، اور نہ درحقیقت محمد بن بشار غریب کو اسکی خبر تھی ورنہ وہ جہاں دو سو پانچ حدیثیں امام بخاری کو دے چکے تھے، اس سے کبھی اغماض نہ کرتے۔ اس لئے اسکو مطلقاً لکھا ہی نہیں کہ ترمذی کو یہ کس طرح معلوم ہوا اسی طرح زہری کر سے سنا، اس کا بھی ذکر نکیا۔ کہ اگر یہ کہدیا جائے کہ زہری نے انس بن مالک ہی سے یہ بھی سنا، تو پھر زہری سے جس نے سنا اس کو بھی واضح کر دینا ضروری ہو جاتا، اور زیادہ کھولنے ہی میں جھوٹ پکڑا جاتا ہے، چونکہ یہ اضافہ بخاری میں درج نہیں ہو سکا ہے۔ اس لئے اسناد کو کھا بنا اور گول مول چھوڑ دینا ہی بہتر نظر آیا۔ کہ بظاہر وہی اسناد جو اوپر والی حدیث کے ہیں، اس قول کے بھی سمجھ لئے جائیں گے۔ اگر کوئی کرید کریگا تو کہدیا جائے گا کہ ممکن ہے کہ دوسرے اسناد ہوں۔ اور امام بخاری نے اس اضافہ کے اسناد نہیں ملنے ہی کی وجہ سے محمد بن بشار سے جمع صدیقی و نقل عثمانی کی روایت ہی نہ لی چونکہ آخر میں یہ اضافہ بغیر تصریح اسناد کے تھا۔ مگر یہ تصریح اسناد تو ترمذی نے یہاں چھوڑ دی ہے، محمد بن بشار نے تو چھوڑی نہیں، اگر محمد بن بشار اپنے اوپر کے اسناد اور زہری کے بعد کا نام چھوڑ دیتے تو ترمذی اپنی سماعت تو محمد بن بشار سے ضرور لکھدیتے۔ اس لئے امام بخاری کا اس وجہ سے اس سلسلہ اسناد کو چھوڑ دینا صحیح نہیں ہو سکتا۔ غرض یہ کہ یہ قال الزہری کو تو دیکھکر میرا یہی جی چاہتا ہے کہ اپنے صوبہ کے مشہور استاد حضرت سنا دکے شعر کو تھوڑی ترمیم کے ساتھ یوں پڑھوں!

؎ سنی روایت زہری تو درمیاں سے سنی نہ ابتدا کی خبر ہے نہ انتہا معلوم

اس اضافے کے متعلق باقی بحث نفس حدیث کی تنقید میں آتی ہے، متن حدیث کی تنقید کے بعد

نفس روایت کی تنقید یہ تو ہیں جمع صدیقی کے سلسلے میں بیان کر چکا ابراہیم بن سعد زہری کی وفات کے وقت کمسن تھے اور زہری سے ان کی نقاد سماع بالکل غیر متوقع ہے۔ اس لئے ان کی روایت جو زہری سے آتی ہے وہ محدثین کے یہاں ضعیف سمجھی جاتی ہے اس لئے کہ زہری سے ان کا سماع حدیث ہی مشتبہ اور نا متوقع الصحۃ ہے۔ ان کا سن سماع حدیث کا زہری کی وفات تک نہیں سمجھا جاتا ہے، خصوصاً اس وجہ سے کہ ابراہیم بن سعد کمسنی کی وجہ سے اس وقت اپنے وطن مدینہ طیبہ ہی میں رہتے تھے۔ اور ابن شہاب زہری اپنے وطن اور اپنے کاروبار کی جگہ مقام آئلہ میں اپنے انتقال سے بہت پہلے سے یہ آئلہ میں مقیم ہو کر ہی حدیثیں روایت کیا کرتے تھے، اور یہیں آ آ کر لوگ ان سے حدیثیں لیا کرتے تھے۔ ہم زہری کے تذکرے میں لکھ چکے ہیں عبدالعزیز الماجشون وغیرہ ایلہ ہی جا جا کر زہری سے حدیثیں سنا کرتے تھے۔ . . . . غرض چونکہ زہری کی وفات کے زمانے میں ابراہیم بن سعد پندرہ سولہ برس کے تھے اور دونوں کی جائے اقامت میں بہت کافی دوری تھی۔ آمد و رفت اسوقت بہت دشوار تھی۔ اتنی کمسنی میں آئلہ جا کر ابراہیم کا زہری سے حدیثیں لینا بالکل خلاف عقل ہے اس لئے یقیناً ان سے زہری کی ساری روایتیں ضعیف ہی نہیں بلکہ منقطع اور صحت کے اعتبار سے سخت مشتبہ ہیں۔ یہ نہیں کہ انھوں نے جھوٹی حدیث بنائی، بلکہ یہ کہ ان پر اس حدیث کا وضاعین حدیث نے افترا کیا اور اپنی من گھڑت حدیثوں کو ان کی طرف منسوب کر کے زہری تک ان کی وساطت سے پہنچایا۔ غرض ابراہیم بن سعد سے مروی ہونے کی وجہ سے بخاری و ترمذی کی جمع صدیقی و نقل عثمانی والی دونوں حدیثیں روایۃً مشتبہ غیر متوقع الصحۃ اور بقول محدثین ضعیف ہیں۔ یہ حال تو روایت کی عینک لگا کر اس حدیث کو دیکھنے

متن حدیث پر ایک نظر فارسل عثمان الی حفصۃ ان ارسلی الینا بالصحف یعنی تو عثمان نے حفصہ کے پاس بھیجا کہ ہمارے پاس صحیفے بھیج دیجئے" کس کو بھیجا؟ اور حضرت حفصہ نے کس کے ہاتھ صحیفے بھیجے، اس کا کوئی ذکر حدیث میں نہیں، اور نہ قرینے سے سمجھا جا سکتا ہے۔

حضرت حفصہ نے حضرت عثمان سے واپس کر دینے پر قسم لیکر صحیفے مستعار دیئے ان صحیفوں کی اہمیت معلوم ہے کیونکہ بعض روایتوں میں تو ہے کہ حضرت عثمانؓ سے حضرت حفصہؓ نے واپس کرنے پر قسم لی جب حضرت عثمانؓ نے

قسم کھا کر واپس کرنے کا وعدہ فرمایا تب حضرت حفصہ نے وہ صحیفے جو ان کے پاس تھے حضرت عثمان کے پاس بھیجے۔ تو یقیناً کوئی معتبر شخص کئی بار حضرت عثمان کی طرف سے حضرت حفصہ کے پاس آیا اور گیا۔ اور حضرت حفصہ نے کسی معتمد علیہ ہی شخص کے ہاتھ وہ صحیفے حضرت عثمان کے پاس بھیجے ہونگے۔ اس لئے جس کو حضرت عثمان نے حضرت حفصہ کے پاس بھیجا تھا، اور جس کے ہاتھ حضرت حفصہ نے صحیفے حضرت عثمان کے پاس بھیجے تھے اس کا نام بتانا ضروری تھا۔ یہ کیا؟ کہ جمع صدیقی والی حدیث میں بھی زید بن ثابت سے روایت کی جاتی ہے کہ ارسل الیّ ابوبکر یعنی میرے پاس ابوبکر نے بھیجا، کسکو بھیجا یہ نہیں بتایا جاتا ہے۔ ابن حجر فتح الباری ج ۲۰ ص ۲۱۲ میں اس کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ لم اقف علی اسم الرسول الیہ۔ یعنی جسکو زید بن ثابت کے پاس حضرت ابوبکر نے بھیجا تھا اس کے نام سے میں واقف نہ ہوا۔ ہاں تو خیر کسی اہم شخصیت کی ضرورت نہ تھی، صرف زید بن ثابت کو بلانا تھا۔ کسی کو بھیجکر بلوایا ہوگا۔ مگر یہاں تو صحیفوں کا لانا تھا پھر بار بار آنا جانا ایک اہم معاہدہ اور قسم کے ساتھ۔ مگر یہاں بھی وہی خالی اَرسَلَ؟ جس سے صاف ظاہر ہے کہ دونوں روایتوں کا بنانے والا ایک ہی شخص تھا، جس نے مبہم چھوڑ دینے ہی کو دونوں جگہ قرین مصلحت سمجھا، اور شخصیت کی تعیین میں گھبرایا کہ کس کا نام لکھیں، کہیں جھوٹ کھل نہ جائے۔ یہ روایتیں ۱۰۱ھ کے بعد بنیں، اگلوں یعنی عہد صدیقی و فاروقی و عثمانی کے لوگوں کے سنین وفات اس وقت تک قلمبند تو ہوئے نہ تھے اور نہ عام طور سے لوگوں کو معلوم تھے اگر ایسے شخص کا نام لکھدیا گیا جو اس وقت سے پہلے ہی وفات پا چکے تھے، تو پھر بڑی مشکل ہو جائیگی۔ جھوٹی حدیثوں کی یہی کمزوری کو ذہن میں تھی اور یہ سارے واقعات مدینے کے تھے، اہل کوفہ مدینہ کے اکابر ہی کے سنین وفات سے اس وقت مطلع تھے۔ اصاغر متوسطین کے سنین وفات سے پوری اطلاع کی ان کو کوئی وجہ نہ تھی۔ جبھی تو دھوکا کھا کر کتاب التعریف کی حدیث کے راوی نے اور ابن جریر نے بھی لکھ مارا کہ حضرت عثمان نے حضرت حفصہ کی وفات کے بعد ان صحیفوں کو دھلوا دیا۔ حالانکہ حضرت عثمان کی وفات حضرت حفصہ کی وفات سے پندرہ برس پہلے ہے۔ اسکی مفصل بحث ص ۱۱۴ سے ۱۱۶ کے درمیان پہلے گذر چکی ہے۔ غرض اسی ڈر سے فقط اَرسَلَ دونوں روایتوں میں لکھا، اور جسکو بھیجا، اس کا نام نہیں بتایا۔ حدیث گھڑنے والے بڑے ہوشیار تھے۔

جمع صدیقی والی حدیث میں زید بن ثابت نے یہ نہیں بتایا کہ حضرت ابوبکر نے انکو بلانے کیلئے کس کو بھیجا تھا۔ اور نقل مصاحف والی حدیث میں بھی حضرت انس نے نہیں بتایا کہ حضرت عثمان نے کس کو حضرت حفصہ کے پاس صحیفے لانے کیلئے بھیجا تھا۔

ارسلی الینا بالصحف ننسخ بالمصاحف۔ حضرت حفصہ سے درخواست کی گئی ہے کہ ہم لوگوں کے پاس صحیفے بھیجدیجئے کہ ان کو ہم لوگ مصاحف میں نقل کرلیں۔ وہ صحیفے آخر کسی ایک ہی رسم خط میں لکھے ہوئے ہونگے۔ اور کسی ایک ہی لغت کے مطابق اعراب اور نقطے ان صحیفوں میں اگر نہ تھے تو ان مصاحف میں کب دئے جارہے تھے۔ اس لئے اس نقل میں تو لسان قریش و غیر قریش کا سوال ہی نہ تھا پھر زید بن ثابت ہی کے ہاتھ کے بقول زہری وہ صحیفے لکھے ہوئے تھے، جن کو حضرات صدیق و فاروق دو دو راشد بلکہ ارشد خلیفے قبول اور پسند کر چکے تھے اگرچہ یہ صحیفے لکھے جانے کے بعد سے نقل مصاحف کے لئے باہر نکالے جانے کے قبل تک تقریباً ۱۵ برس تک کبھی کسی مصرف میں نہ آئے، بلکہ فی کتاب مکنون لا یمسہ الا المطہرون کے مصداق بنے ہوئے تمام صحابہ تک کی نگاہوں سے پوشیدہ رہے، حضرت حفصہ اور شاید دوسری ازواج مطہرات ہی ان سے مستفیض ہوتی رہتی ہوں جن کی شان میں آیہ تطہیر اتری ہے۔ اور اس طرح لا یمسہ الا المطہرون صادق آرہا ہو۔

زید ہی کے ہاتھ کے لکھے ہوئے صحیفوں کی نقل میں زید سے اختلاف کا خطرہ کیوں؟

تو آخر ان صحیفوں میں زید بن ثابت نے جس رسم خط سے قرآن لکھا تھا۔ جس کو حضرت عثمان سے پیشتر کے دو جلیل القدر خلیفے قبول اور پسند کر چکے تھے اس کی نقل کرنے میں کاتبوں کے درمیان قریشی و غیر قریشی ہونے کی وجہ سے اختلاف کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟ اُسی زید سے جس کے لکھے ہوئے یہ صحیفے ہیں یہ نئے کاتبین کیوں اختلاف کرنے لگے؟

ہ یہ روایت اتقان میں موجود ہے۔ ۱۲ منہ

لسانِ قریش یا مُضَر

اہل ادب و لغت عربی جانتے ہیں کہ سارے بنی مُضَر کی ایک زبان، ایک لغت اور ایک محاورہ تھا بنی مضر میں بنی قریش بھی تھے، قریشی بنی مضر اور غیر قریشی بنی مضر کے محاورہ و لغت میں کوئی فرق نہ تھا۔ اور قرآن مضر ہی کی زبان میں اترا ہے۔ چنانچہ مختصر کنز العمال ج ۲ ص ۴۶ (برحاشیہ مسند احمد) میں یہ روایت بھی ہے کہ عن عبد اللہ بن فضالہ۔ قال لما اراد عمر ان یکتب الامام اقعدله نفرا من اصحابه وقال اذا اختلفتم فی اللغة فاکتبوها بلغة مُضَر۔ فان القران نزل علی رجل من مُضَر۔ یعنی عبد اللہ بن فضالہ سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا کہ جب حضرت عمرؓ نے کتاب الامام کے لکھنے (یعنی لکھوانے کا ارادہ کیا تو اس کے لئے اپنے اصحاب میں کچھ اشخاص کو انہوں نے بٹھایا، اور کہا کہ اگر تم باہم مختلف ہو لغت کے متعلق تو اسکو لکھو مُضَر کی لغت میں، کیونکہ قرآن اترا ہے مضر کے ایک آدمی پر۔" اس روایت میں حضرت عثمانؓ کے عوض حضرت عمرؓ کا نام ہے معلوم نہیں طباعت کی غلطی ہے یا راوی کی۔ یا شاید حضرت عمرؓ کے بارے میں بھی بعضوں نے روایت بنائی ہو۔ بہرحال روایتیں تو جمع قرآن کے متعلق سب کی سب موضوع ہی ہیں، اس لئے اس سے بحث نہیں، یہ حدیث صرف اس ثبوت میں پیش کی گئی ہے کہ لغت قریش و لغت مُضَر دو لغت نہ تھے۔ ورنہ جھوٹی روایت بنانے والے ایسی فاحش غلطی نہ کرتے۔ وہ جانتے تھے قریش بھی بنی مضر ہی ہیں اور عبد اللہ بن مسعود بھی بنی مضر ہی تھے۔ ان کی نانی حارث بن زہرہ کی بیٹی تھیں اس لئے زہریہ تھیں ان کے والد حلیف بنی زہرہ تھے۔ اس لئے یہ قریشی بھی ننہال کی طرف سے تھے۔ ان کی زبان۔ ان کا محاورہ و لغت رسول اللہ صلعم اور دوسرے قریشیوں سے ہرگز مختلف نہ تھا۔ اس لئے ان کی قرارت دوسرے قریشیوں کی قرارت سے مختلف کیوں ہوگی؟ جو ان کے تلامذہ کوفے میں قرآن کا سب سے الگ اسکول کھول کر قرارت میں تمام مسلمانوں سے ان کا نام لیکر اختلاف کرنے لگے اور اپنے من گھڑت اختلافات قرارت کو ان کے سر تھوپنے لگے؟ یہ ایک نہایت اہم نکتہ اور قابل غور بات سوچنے اور سمجھنے کی ہے کہ۔ اس نکتے سے اہل کوفہ کا الحاد فی آیات اللہ صاف کھل جاتا ہے،

چار معلمینِ قرآن

رسول اللہ صلعم نے جو انصاریوں اور عجمیوں اور غیر مُضَری دوسرے قبائل والے چار شخصوں سے قرآن کی تعلیم حاصل کرنے کیلئے فرمایا تھا عبد اللہ بن مسعود ہذلی تھی اور بنی ہذیل مضر کی ایک شاخ تھی۔ ہذیل بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر سے چلی تھی۔ اس طرح معاذ بن جبل خزاعی تھے اور بنی خزاعہ بھی بنی مضر ہی تھے۔ "خزاعہ" نام نہیں ہے بلکہ لقب ہے عمرو بن لحی بن قمعہ بن الیاس بن مضر کا۔ بنی خزاعہ پہلے سب کے سب مکہ ہی میں تھے اور خانہ کعبہ کے متولی یہی لوگ تھے ابو غسان الخزاعی جو متولی تھے اسکی تولیت تھی بن کلاب کے ہاتھ بیچ ڈالی صرف ایک مشک شراب پر یہ بنو خزاعہ بھی مُضَری ہی تھے۔ البتہ ابی کعب کو نسبی کوئی تعلق تو بنی مضر یا قریش سے مذکور نہیں ہے مگر یہ قریش کے حلیف تھے مکہ سے ان کے تعلقات بہت زیادہ رہے اس لئے قریش کی زبان سے پوری طرح واقف تھے۔ اسی لئے مدینہ آنے کے بعد رسول اللہ صلعم نے کاتب وحی انہیں کو قرار دیا۔ اور پہلے کاتب وحی مدینہ میں یہی ہیں۔ جب یہ موجود نہیں ہوتے تو زید بن ثابت کو بلایا جاتا تھا۔ وہ بھی جب زید نے کتابت سیکھ لی اور پوری مشق بہم پہونچالی۔ اور سالم مولیٰ ابن حذیفہ تو برابر مکہ ہی میں رہے ابو حذیفہ قریشی تھے ان کے آزاد کردہ غلام تھے اور پھر متبنیٰ ہوئے۔ غرض تعلیم قرآن کے لئے انہیں لوگوں کو رسول اللہ صلعم نے منتخب کیا جو لوگ اپنے اپنے قبیلے میں یا عجمیوں میں تعلیم قرآن کریں مگر لغت و محاورات قریش و مضر کی نگہداشت کرتے ہوئے اسی کے مطابق جتنی باتیں میں عرض کر چکا ہوں، حدیث نقل مصاحف بعہد حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے موضوع اور سرے سے جھوٹی ہونے کو ثابت کرنے کے لئے ایک منصف صاحب عقل سلیم اور ایماندار آدمی کے لئے بہت کافی ہیں۔ مگر ان کے علاوہ بھی چند اہم باتیں اور بھی ہیں جو میرے دعوے کے ثبوت میں بہت اہمیت رکھتی ہیں اس لئے میں ان باتوں کو حسب ذیل نمبروں میں پیش کر دینا مناسب سمجھتا ہوں۔ بنگاہ غور و بنظر انصاف ملاحظہ ہوں۔

حضرت عثمانؓ جانتے تھے کہ حضرت حفصہؓ کے پاس صحیفے ہیں

۱۔ یہ حدیث اس بات کو صاف ظاہر کر رہی ہے کہ حضرت عثمانؓ یہ خوب جانتے تھے کہ حضرت حفصہؓ کے پاس جو صحیفے ہیں وہی ہیں جو عہد نبوی سے ان کے پاس بطور امانت محفوظ چلے آرہے ہیں اس لئے کہ جمع صدیقی کا واقعہ فی الواقع ہوا ہوتا اور یہ صحیح ہوتا کہ حضرت صدیق اکبرؓ نے اپنے عہد خلافت میں

حضرت عمرؓ کے مشورے سے زید بن ثابتؓ سے ان صحیفوں کو جمع کرایا تھا اور یہ صحیفے حیات صدیقی تک حضرت صدیق اکبرؓ کے پاس اور پھر حضرت عمرؓ کے پاس رہے تھے۔ تو پھر حضرت عمرؓ کے بعد ان صحیفوں کے حضرت حفصہ کے پاس رہنے کو حضرت عثمانؓ کبھی گوارا نہ کرتے اور جب منگوایا تھا تو واپس بھیجنے کا وعدہ نہ کرتے اور ہرگز واپس نہ کرتے۔

حضرت حفصہ کے پاس لکھے ہوئے صحیفے زید بن ثابت کے لکھے ہوئے نہ تھے

اگر حضرت عثمانؓ کو یہ علم ہوتا کہ یہ صحیفے جن کی نقلیں حاصل کرنے کے لئے ہم نے انہیں حضرت حفصہؓ کے پاس سے منگوایا ہے اس کو عہد صدیقی میں تنہا زید بن ثابت ہی نے مرتب و مدوّن کر کے لکھا ہے تو وہ ان کی صرف نقل حاصل کرنے کے وقت زید بن ثابت کے ساتھ تین تین قریشی کاتبوں کو نہ لگا دیتے اور یہ نہ کہتے کہ جہاں تم لوگوں سے اور زید بن ثابتؓ سے اختلاف ہو وہاں قریش کی زبان و رسم خط کا اتباع کرنا، یعنی زید بن ثابتؓ کی بات نہ ماننا۔ اس لئے کہ منقول عنہ تو زید بن ثابتؓ ہی کا بقولِ راوی لکھا ہوا تھا جس کو پہلے دونوں خلیفے نہ پسند و قبول کر چکے تھے۔

ترمذی کی روایت میں یہ بھی ہے کہ قال الزھری فاختلفوا یومئذ فی "التابوت والتابوہ" فقال القریشیون "التابوت" وقال زید "التابوہ" فرفع اختلافھم الی عثمان فقال اکتبوہ "التابوت" فانہ نزل بلسان قریش۔ یعنی زہری نے کہا کہ اس نقل مصاحف کے دن تابوت اور تابوہ میں (ان چاروں کاتبوں کے درمیان) اختلاف پیدا ہوا (تینوں) قریشی کہتے تھے "تابوت"، اور زید بن ثابتؓ کہتے تھے "تابوہ"، تو یہ اختلاف حضرت عثمانؓ کے سامنے پیش ہوا۔ انہوں نے فرمایا کہ "تابوت" لکھو کیونکہ قرآن قریش کی زبان میں اترا ہے۔ اگر ان صحیفوں کو جن کی صرف نقلیں کرنے کے لئے یہ چاروں کاتب بیٹھے تھے۔ زید بن ثابت نہ ہی نے لکھا تھا تو پھر زید نے ان صحیفوں میں "تابوہ" لکھا تھا یا "تابوت"؟ اگر "تابوت" لکھا تھا تو پھر اس وقت زید نے "تابوہ" پر اصرار کیوں کیا؟ کہ یہ مقدمہ حضرت عثمانؓ کے سامنے پیش کرنا پڑا؟ اور اگر "تابوہ" لکھا تھا تو جب حضرت عثمانؓ کے پیش رو دو دو خلیفوں نے اس پر مہر تصدیق ثبت کر دی تھی تو حضرت عثمانؓ کبھی اپنے پیش روؤں کی مخالفت نہیں کر سکتے تھے۔ اور اگر کرتے تو پھر دوسرے اکابر مہاجرینؓ و انصارؓ سے اس میں استصواب کر لینے کے بعد کوئی فیصلہ کرتے۔ فوراً قلم برداشتہ ایسا فیصلہ کبھی نہ کرتے جو صرف زید بن ثابتؓ کے بلکہ ان کے پیش رو دو خلفائے راشدینؓ کے بھی خلاف پڑ رہا تھا۔

حضرت زید بن ثابت نے کتابت کا فن اسارائے جنگ بدر یعنی کمیوں اور قریشیوں سے سیکھا تھا۔ اور وہ قریشی ہی رسم خط جانتے تھے۔ اس لئے دوسرے قریشیوں سے یہ رسم خط میں کسی طرح کا اختلاف نہیں کر سکتے تھے اگر تابوت اور تابوہ میں صرف رسم خط کا اختلاف روایت میں مراد ہے اور "ت" اور "ہ" کے تلفظ کا بھی فرق روایت میں مقصود ہے تو آخر رسول اللہ صلعم سے انہوں نے کس تلفظ کے ساتھ سنا تھا اور کس تلفظ کے ساتھ سیکھا تھا؟ یہ ناممکن ہے کہ جس لغت کا جو تلفظ وہ خود رسول اللہ صلعم سے سن چکے تھے اس کے خلاف تلفظ ادا کرے کے اور اس پر اصرار کرتے اور اسقدر اصرار کہ اس جھگڑے کو امیر المومنین کے پاس پیش کر کے وہاں سے فیصلہ حاصل کرنے کی ضرورت پڑ جائے۔ اور وہ فیصلہ ان کے خلاف ہی صادر ہو۔

حضرت عثمان نے تمام مسلمانوں کو حرف واحد پر مجتمع کر دیا اس کا پروپیگنڈا

کہا جاتا ہے کہ حضرت عثمانؓ نے تمام مسلمانوں کو حرف واحد یعنی قرءۃ واحدہ پر مجتمع کر دیا چنانچہ سیوطی الاتقان ج ۱ ص ۸۵ میں لکھتے ہیں۔ قال ابو البقر وغیرہ ان الفرق بین جمع ابی بکر و جمع عثمان ان جمع ابی بکر لخشیۃ ان یذھب من القرآن شئ بذھاب حملتہ لانہ لم یکن مجموعا فی موضع واحد فجمعہ فی مصحف من الآیات سورہ علی ما وقفھم علیہ النبی صلعم وجمع عثمان کان لما کثر الاختلاف فی وجوہ القراءات حین قرأوا ولغاتھم علی اسالیب اللغات فادی ذلک بعضھم الی تخطئۃ بعض فخشی عن تفاقم الامر فی ذلک الی جمعھم تلک الصحف فی مصحف واحد مرتبا سورہ من سائر اللغات الی لغۃ قریش معتمدا انہ نزل بلغۃ قریش واجازۃ ان استنسخ بلغۃ غیرھم رفعا للحرج والمشقۃ فی ابتداء الامر وای ان الحاجۃ الی ذلک انما تمس بجمع الامۃ علی حرف واحد ان

(وفی الصفحہ ۸۸۶) وقال المحاسبی المشہور عند الناس ان جامع القرآن عثمانؓ ولیس کذلک۔ انما حمل عثمان الناس علی القراءۃ بوجہ واحد علی اختیار وقع بینہ وبین من شہدہ من المہاجرین والانصار لما خشی الفتنۃ عند اختلاف اہل العراق و الشام فی حروف القراءات فاما قبل ذلک فقد کان المصاحف بوجوہ من القراءات المطلقات علی الحروف السبعۃ التی انزل بہا القرآن۔ فاما السابق الی جمع الجملۃ فہو الصدیقؓ وقد قال علیؓ لو ولیت لعملت بالمصاحف التی عمل عثمانؓ۔

(وفی ص۸۸۹) قال علیؓ لا تقولوا فی عثمانؓ الا خیرا فواللہ ما فعل الذی فعل فی المصاحف الا عن ملأ منا۔ قال فما تقولون فی ہذہ القراءات فقد بلغنی ان بعضہم یقول ان قراءتی خیر من قراءتک وہذا یکاد یکون کفرا۔ قلنا ما نری فی ذلک قال اری ان نجمع الناس علی مصحف واحد فلا یکون فرقۃ ولا اختلافا قلنا فنعم ما رأیت۔ یعنی ابن التین وغیرہ (محدثین و مورخین[۱]) نے کہا کہ جمع ابوبکرؓ و جمع عثمانؓ میں فرق یہ ہے کہ عہد صدیقیؓ میں جمع قرآن کا کام اس خطرے کے ماتحت ہوا کہ حاملین قرآن کے دنیا سے اٹھ جانے کی وجہ سے قرآن کا کچھ حصہ کہیں غائب نہ ہو جائے۔ کیونکہ قرآن کسی ایک جگہ مجموعی صورت میں نہ تھا۔ تو قرآن رسول اللہ صلعم کی تعلیم کے مطابق آیات و سُوَر کی ترتیب کے ساتھ ایک مصحف میں ابوبکر صدیقؓ نے جمع کیا۔ (یعنی ان کے حکم سے زید بن ثابتؓ نے جمع کیا)

اور جمع عثمانیؓ کا کام اس غرض کے ماتحت تھا کہ لوگوں میں قراتوں کے اختلافات بہت پیدا ہو گئے تھے کیونکہ جہاں تک ان کے لغتوں میں دسعت تھی لوگ اپنے اپنے لغتوں کے مطابق پڑھنے لگے تھے۔ اور یہ اختلافات اس حد تک پہنچ گئے تھے کہ ایک دوسرے کو برسرخطا قرار دینے لگے یہ دیکھ کر حضرت عثمانؓ موقع کی نزاکت سے ڈرے اور ان صحیفوں کو (جن کو حضرت صدیق اکبرؓ نے زید بن ثابت سے مرتب و مدوّن کرایا تھا) ایک مصحف میں لکھوایا، سورتوں کی ترتیب قایم کی، اور تمام دوسرے لغتوں کو چھوڑ کر صرف لغت قریش کی مطابقت کا التزام کیا اس دلیل سے کہ قرآن قریش ہی کے لغت میں اترا ہے اگرچہ اس میں وسعت غیروں کے لغت میں پڑھنے کی بھی حرج و مشقت دور کرنے کے لئے شروع میں رکھی گئی تھی۔ حضرت عثمانؓ نے دیکھا کہ اب اس کی حاجت باقی نہ رہی اس لئے ایک ہی لغت پر اکتفا کی۔

اور محاصبی نے کہا کہ لوگوں میں مشہور یہ ہے کہ جامع قرآن حضرت عثمانؓ ہیں حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ حضرت عثمان نے لوگوں کو صرف ایک طریقے سے قرارت کرنے پر مجبور کیا۔ جس طریقے کو تمام مہاجرینؓ و انصارؓ جو اس وقت موجود تھے سب کے مشورے سے اختیار کیا گیا کیونکہ وہ اہل عراق و اہل شام کے اختلافات دیکھ کر فتنے سے ڈرے اور اس سے پہلے قرآن مختلف طرح کی قراتوں میں تھا۔ ان حروف سبعہ کے مطابق جن پر قرآن اترا۔ تو تمام قراتوں کو یکجا کر لینے کی طرف جس نے سبقت کی وہ صدیق اکبرؓ تھے۔

اور حضرت علی مرتضیٰؓ نے فرمایا اگر میں والی یعنی خلیفہ ہوتا تو میں بھی ان مصاحف کے ساتھ وہی کرتا جو عثمانؓ نے کیا۔ اور حضرت علیؓ نے یہ بھی فرمایا کہ عثمانؓ کے بارے میں بجز کلمۂ خیر کے کچھ نہ بولو۔ اللہ کی قسم جو کچھ انھوں نے مصاحف کے ساتھ کیا وہ ہم لوگوں کی ایک بڑی جماعت کے مشورے سے کیا۔ حضرت علیؓ نے (معترضین سے) پوچھا کہ ان قراتوں کے متعلق تم کیا کہتے ہو؟ کیونکہ مجھ کو یہ خبر پہنچی ہے کہ بعض لوگ (آپس میں) کہتے ہیں کہ میری قرارت تمہاری قرارت سے اچھی ہے اور یہ کفر کے قریب ہو جاتا ہے تو ان لوگوں نے حضرت علیؓ سے پوچھا کہ تو پھر آپ اس بارے میں کیا مناسب سمجھتے ہیں (یعنی ان معترضین نے بھی اختلافات قرارت کی خرابیوں کو محسوس کیا حضرت علیؓ نے فرمایا کہ ہم تو یہ مناسب سمجھتے ہیں کہ لوگوں کو ایک مصحف پر مجتمع کر دیں تاکہ پھر نہ فرقہ پیدا ہو نہ اختلاف واقع ہو۔ تو سب مسلمانوں نے کہا کہ بہت بہتر رائے قایم فرمائی۔"

اتقان کی یہ عبارت صاف بتا رہی ہے کہ ابن التین وغیرہ محدثین و مورخین اور خود جلال الدین سیوطی وغیرہ کے نزدیک پورا قرآن نہ کتابی

---

[۱] کسی مورخ نے کہا کہ؟ ابو جعفر طبری اور ابن اثیر تو نہ جمع صدیقی کا ذکر کرتے ہیں نہ نقل مصاحف بعہد عثمانی کا ابن خلدون میں عہد صدیقی کے ذکر میں جمع قرآن کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ البتہ عہد عثمانی کے ذکر میں ایک اتفاقی بیان ہے جس میں نقل مصاحف کا ذکر کرکے ضمناً جمع صدیقی کا بھی ذکر کر دیا گیا ہے جو یقیناً اس کتاب میں ایک نمایاں الحاق ہے۔ اب بعد والے متاخرین لکھدیں تو اور بات ہے۔ ۱۲ منہ غفرلہ

پورا قرآن محدثین کے نزدیک کبھی بھی کسی کے پاس بھی مجتمع نہ تھا

صورت میں کہیں مجتمع تھا نہ زبانی کسی کو یاد تھا اور نہ ہڈی لکڑی چھال یا کھال وغیرہ پر آیات منتشرہ ہی کی صورت میں پورا قرآن کسی جگہ بھی یکجا تھا۔ کوئی سورہ کسی کو یاد تھا کوئی کسی کچھ آیتیں کسی کو حفظ تھیں کچھ کسی کو۔ لکھی ہوئی بھی بعض آیتیں یا سورتیں الگ الگ تھیں جو صرف ایک ہی شخص کے پاس تھیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے زید بن ثابتؓ سے لکھوا کر اکٹھا کرا کے منتشر آیات سے سورتیں مرتب کرالیں اور متعدد صحیفوں میں ان سب سورتوں کو لکھوالیا اور لکھوا کر تبرکات کی طرح اس کو اپنی پوری زندگی تک مقفل بند رکھا۔ نہ اس کی متعدد نقلیں کرا کے مختلف اطراف و جوانب میں بھیجیں۔ نہ عام مسلمانوں، نہ خاص مہاجرینؓ و انصارؓ ہی کو اس کا حکم دیا کہ اب ان صحیفوں سے ہر کتابت جانے والا نقلیں کر کے اپنی تلاوت کے لئے اپنے پاس رکھ لے۔ غرض جمع صدیقیؓ سے حضرت عمرؓ کے بعد تک یعنی نقل مصاحف بعہد عثمانیؓ سے قبل تک کسی شخص نے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا۔ یہاں تک کہ خود حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ بلکہ زید بن ثابتؓ کا بھی ان صحیفوں میں تلاوت کرنا یا اس سے کچھ فائدہ اٹھانا ثابت نہیں ہوتا۔ تقریباً اٹھارہ سال تک یہ صحیفے بے کار مقفل رکھے رہے۔ اٹھارہ برس کے بعد پہلے پہل جو ان صحیفوں سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے تو یہی کہ حضرت عثمانؓ نے اس کی چند نقلیں کرا کے مختلف اطراف و جوانب میں بھیجیں۔ تو نقل مصاحف عثمانیؓ سے پہلے تک تو جس طرح آیات قرآنی منتشر اور سورتیں بالکل غیر مرتب تھیں اور پورا قرآن کسی ایک کے بھی سینے یا سفینے میں مرتب و مدون محفوظ نہ تھا بالکل اسی حال میں نقل مصاحف بعہد عثمانیؓ سے قبل تک قرآن پاک رہا۔ اور لوگ نمازوں میں، تلاوتوں میں اور بعہد حضرت عمرؓ تراویح میں غیر مرتب اور ناقص ہی قرآن پڑھتے رہے۔ اس لئے کہ جمع صدیقیؓ والے صحیفوں کے سوا پورا قرآن تو کسی ایک شخص کے پاس بھی موجود نہ تھا۔ نہ کسی کے سینے میں نہ کسی کے سفینے میں۔ اور وہ جمع صدیقی والے صحیفے بھی حضرت صدیق اکبرؓ ان کے بعد حضرت فاروق اعظمؓ اور ان کے بعد ام المومنین

جمع صدیقی والے صحیفے بھی مقفل ہی رہے کسی نے ان سے کبھی کوئی فائدہ نہ اٹھایا نقل مصاحف کے قبل تک

حضرت حفصہؓ کے پاس مقفل "کتاب مکنون" کے مصداق بنے ہر شخص کی نظر سے پوشیدہ رکھے رہے۔ تو کیا کسی صاحب عقل و ہوش کی عقل و دیانت یہ تسلیم کر سکتی ہے کہ عہد نبوی و عہد صدیقی و عہد فاروقیؓ اور آغاز عہد عثمانیؓ یعنی نقل مصاحف سے قبل تک کسی فرد مسلم نے پورا قرآن ایک مصحف کی صورت میں اول سے آخر تک نہ کبھی دیکھا تھا، نہ کبھی پڑھا تھا! اور نہ کوئی شخص پورے قرآن کا حافظ تھا!

حضرت صدیق اکبرؓ نے ساتوں قراءتوں کو جمع کر دیا تھا، یہ کس طرح ممکن ہے

یہ کہنا کہ قرآن سات مختلف قراءتوں میں اترا تھا اور حضرت صدیق اکبرؓ نے ان ساتوں قراءتوں کو جمع کرایا تھا ایک ایسا دعویٰ ہے جس کو کوئی عقل قبول نہیں کر سکتی۔ میں بطور نمونہ چند مثالیں اختلافات قراءت کی یہاں پیش کرتا ہوں، اور ارباب عقل و دیانت سے پوچھتا ہوں کہ کیا کتابت کا کوئی طریقہ ایسا ہو سکتا ہے جو ان تمام صورتوں کا جامع ہو؟ ملاحظہ ہو۔

نقشہ اختلاف قراءت در تلفظ و رسم خط ہر دو مندرجہ کتاب التیسیر للدانی

نام سورہ	رکوع	پارہ	قراءت صحیحہ متواترہ	قراءت اہل خلاف
بقرہ	۳۲	۲	وَاللّٰہ یقبض ویبصط	واللہ یقبض ویبسط
〃	〃	〃	بسطۃ	بصطۃ
〃	۱۶	۱	ووصی بہا إبرٰہم	واوصٰی بہا ابرٰہم
آل عمران	۱۹	۴	بالبینٰت والزبر والکتٰب المنیر	بالبینٰت وبالزبر وبالکتٰب المنیر
اعراف	۱۰	۸	قال الملاء الذین استکبروا	وقال .... الخ
〃	۹	۹	بصطۃ	بسطۃ

بنی اسرائیل	۱	۱۵	لِيَسُوْٓءٗا وجوهكم	لِيَسُوْٓءَ وجوهكم
انبیاء	۳	۱۷	اَوَلَمْ يَرَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا	اَلَمْ يَرَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا
نمل	۲	۱۹	وَادِ النَّمْلِ	وَادِى النَّمْلِ
قصص	۴	۲۰	وَقَالَ مُوْسٰى	قَالَ مُوسٰى
زخرف	۷	۲۵	مَا تَشْتَهِيْهِ الْاَنْفُسُ	مَا تَشْتَهِى الْاَنْفُسُ
حدید	۳	۲۷	فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ	فَاِنَّ اللّٰهَ الْغَنِىُّ الْحَمِيْدُ
"	۱	"	وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى	وَكُلٌّ وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى
مرسلات	۱	۲۹	اُقِّتَتْ	وُقِّتَتْ
تکویر	۱	۳۰	بِضَنِيْنٍ	بِظَنِيْنٍ

اس نمونہ اختلاف قرارت کو دیکھ کر کوئی صاحب عقل و دیانت، کتابت کا کوئی ایسا طریقہ تصور بھی کر سکتا ہے کہ لکھنے والا یَبْصُطُ اور بَسْطَةً لکھے اور پڑھنے والا ان دونوں لفظوں میں سے ہر لفظ کو "صاد" کے لفظ سے بھی ادا کر سکے اور "سین" کے تلفظ سے بھی؟ وصّٰی لکھے اور اَوْصٰی بھی پڑھا جا سکے؟ وَالزَّبُرِ وَالْكُتُبِ کو اس طرح سے لکھ دے کہ اس کو وَبِالزُّبُرِ وَبِالْكُتُبِ بھی پڑھنے والے پڑھ سکیں قَالَ کو وَقَلَ اور تَشْتَهِيْهِ کو تَشْتَهِي اور اللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ کو اَللّٰهُ الْغَنِيُّ اور كُلًّا کو كُلٌّ اور اُقِّتَتْ کو وُقِّتَتْ جس کا جی چاہے پڑھ لے اور ضَنِيْنٍ بِلَفْظِ ظَنِيْنٍ بھی ادا ہو سکے؟ جو لوگ ناواقفیت سے یا باوجود واقفیت کے ناواقفوں کو دھوکا دینے کے لئے یہ کہتے ہیں کہ ساتوں قراءتوں میں رسم خط کا فرق نہیں ہے، رسم خط ایک ہی ہے صرف حرکتوں اور نقطوں یا مد و قصر وغیرہ کا اختلاف ہے وہ اس کا جواب دیانت کو مدنظر رکھتے ہوئے دیں۔

یہ نمونہ اختلافات تو صرف ابو عمرو الدانی کی کتاب التیسیر سے پیش کیا گیا ہے جو سات قراءتوں کی سب سے قدیم تر اور صحیح ترکتاب مانی جاتی ہے اور تمام قاریوں اور مقریوں کی مستند و معتمد علیہ ہے۔ اگر حدیث کی کتابوں میں سے صرف صحاح سے اختلاف قرارت کے نمونے پیش کئے جائیں تو عقل ایمانی انگشت بدنداں رہ جائے۔

قرارت کی مبسوط کتابوں اور حدیث کی روایتوں میں ایسے سیکڑوں اختلافات مذکور ہیں جن کو ایک رسم خط کسی طرح بھی ادا نہیں کر سکتی۔ اس لئے یہ کہنا کہ جمع صدیقی ان تمام اختلافات کی جامع تھی عقل و دیانت کی آنکھوں میں ایلہ فریبی کی خاک جھونکنا ہے۔

اتنا لکھ لینے کے بعد میرے نزدیک اب اس موضوع پر مزید خامہ فرسائی کی کوئی ضرورت نہیں نظر آتی۔ البتہ یہ مناسب مقام نظر آتا ہے کہ اتقان کی مذکورہ بالا عبارت جو ترجمہ کے ساتھ اوپر مذکور ہوئی ہے اس کی تھوڑی تشریح کر دوں تاکہ عامۂ ناظرین کی بصیرت میں اضافہ اور اہل علم کے لئے باعث تذکیر ہو۔

عبارت اتقان کی تشریح ابن التین، اور ان کی اتباع میں جلال الدین سیوطی صاحب اتقان کا یہ اعتراف ہے کہ "ان کان قد وسع قراءته بلغة غيرهم رفعا للحرج والمشقة في ابتداء الامر یعنی" اگرچہ قرآن کی قرارت میں بخیال رفع حرج و رفع مشقت ابتدائے امر میں غیر قریشی لغات کی بھی وسعت رکھی گئی تھی۔ مگر حضرت عثمان نے رای ان الحاجة الى ذلك انتهت فانتصر الى لغة واحدة تو یہ محسوس فرمایا کہ اب اس وسعت کی حاجت ختم ہو گئی تو پھر ایک لغت پر قرآن کو مرتب کر ڈالا۔

سہ اختلاف قرارت کی مکمل بحث میری کتاب اعجاز القرآن میں تفصیل کے ساتھ آئیگی انشاء اللہ تعالیٰ۔ اس میں اور بہت سے نمونے قرارت کی کتابوں اور حدیثوں سے مع تشفی احادیث آئینگے۔ ناظرین اس کی تکمیل کے منتظر رہیں واللہ المستعان ۱۲ منہ

یہ کس قدر خلاف عقل بات ہے۔ شروع ہی میں اگر تمام قبائل کو ایک طریقے سے پڑھنے کیلئے کہا جاتا تو ہر شخص تھوڑا خیال رکھکر یاد کرتا، اور پھر ہر شخص کی زبان عادی ہو جاتی اور مشق ہو جانے کی وجہ سے کسی کو بھی کسی طرح کی دشواری محسوس نہ ہوتی۔ مگر جب تمام قبائل کے بوڑھے، بچے، جوان مرد اور عورت، سب کے سب جس قدر یاد کر سکے اپنے محاورہ لغت کے مطابق زبانی یاد کر چکے، اور ناظرہ بھی ان کو مشق ہے تو اپنے ہی لغت کے مطابق، جس نے مصحف کی صورت میں لکھ رکھا ہے تو اپنے ہی محاورے کے مطابق: اب کہا جاتا ہے کہ تم سب کے سب جتنے غیر قریشی ہو اپنی یاد کو بھلا دو، اپنی مشق کو ترک کر دو، اور اپنی کتابوں کو جلا دو۔ اور سب کے سب اب نئے سرے سے دوسرا مصحف لغت قریش کے مطابق ہر شخص اپنے لئے لکھوائے۔ انصاف سے کہئے، حرج و مشقت کا سامنا اب ہوا یا آغاز امر میں تھا؟ اور جو کتاب، سات قراءتوں پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسکے رسول کی التجا و اصرار کے مطابق (جیسا کہ صحیح بخاری و صحیح مسلم و ترمذی و ابوداؤد وغیرہ تمام صحاح و غیر صحاح ساری کتب حدیث میں مذکور ہے۔ نازل ہوئی تھی، اس کی چھ قراءتوں کو منسوخ و ممنوع کر دینے کا حق حضرت عثمان کو کہاں سے حاصل ہو گیا تھا؟ اوّل الامر یعنی آغاز کار کا زمانہ کب تک رہا؟ پورا عہد نبوی، بلکہ حضرت صدیق اکبر اور فاروق اعظم کا زمانہ بھی آغاز کار ہی کا زمانہ قرار دیا جائے گا؟ کیسی پوچ اور لچر تاویل ہے جو علامہ ابن التین کی طرف منسوب کی گئی ہے۔ اس کو جلال الدین سیوطی نے کس طرح اتقان میں لکھ دیا تعجب ہی تعجب ہے۔

غور کرنے کی بات ہے کہ پورا ایران فتح ہو چکا ہے، کہاں کہاں اسلام پھیل چکا ہے، اور کہاں کہاں حفاظ قرآن پھیلے ہوئے ہیں، خدا جانے کتنے لاکھ قرآن کے نسخے مصحف کی صورت میں تمام ممالک اسلامیہ میں موجود ہیں کسی مسلمان کا گھر مصحف سے خالی نہ ہوگا، بلکہ ہر گھر میں متعدد مصحف ہونگے تاکہ گھر کا ہر فرد تلاوت کر سکے۔ اگر واقعی عہد نبوی سے سات قراءتیں مروج تھیں تو یقیناً قراءۃً، تلاوۃً، کتابۃً اور حفظاً ساتوں قراءتوں کا ساری دنیائے اسلام میں پھیلنا ضروری تھا، کہیں کوئی قراءت پہونچی ہوگی کہیں کوئی قراءت، اس وقت یہ حکم دینا کہ پوری دنیائے اسلام کے تمام مسلمان چھ قراءتوں کو بالکل ترک کر دیں اور صرف ایک قراءت پر سب کے سب متحد ہو جائیں کتنی بڑی تکلیف مالا یطاق ہے اور کس قدر دشوار ہے بلکہ عقلاً محال ہے کہ سارے عالم اسلامی کے مسلمان جو مختلف قراءتوں کے بچپن یا اپنے آغاز اسلام سے خوگر ہو چکے ہیں اب ایک نئی قراءت کو اختیار کریں اور اپنی پہلی مشق شدہ قراءت کو چھوڑ دیں، یہ جانتے ہوئے کہ یہ سب قراءتیں بھی صحیح ہیں اور رسول اللہ صلعم نے ان ساتوں قراءتوں کو بڑی التجاؤں کے ساتھ امت کی سہولت و عافیت کے لئے بارگاہ الٰہی سے حاصل کیا ہے۔ (بقول روایاں احادیث کے)

پوری دنیائے اسلام میں سات قراءتیں مروج ہوں اس کے بعد سبکو ایک قراءت کا پابند بنا دینا محال ہے

صرف ایک مصحف بھیج دینا کافی نہ تھا

صرف ایک مصحف لکھوا کر بھیج دینا تو کافی نہ تھا کیونکہ حضرت عثمان نے ان مصاحف پر نہ اعراب دلوائے نہ نقطے، تابوت اور تابوہ ہی جیسا اختلاف تو تھا نہیں یحسب اور یحسب اور یجمعون و تجمعون جیسے اختلافات بھی تو بہت ہیں۔ جن میں صرف صیغوں کا فرق ہے حاضر و غائب یا معروف و مجہول کا اختلاف ہے جن میں کسی خاص لغت و محاورہ کی تخصیص نہیں ہے۔ تو جب ایک ہی قراءت رکھی گئی اور باقی چھ قراءتوں کے ترک کا حکم ہوا تو ایسے غیر منقوط بے اعراب دئے ہوئے مصحف سے اس قسم کے زبر و زیر اور نقطوں کے اختلافات کو کس طرح مٹایا جا سکتا تھا، جب تک کہ ہر ملک بلکہ ہر قریہ اور ہر محلے میں ایک قریشی قاری بھی نہ بھیجا جائے تاکہ وہ کم سے کم ہر قریہ میں ایک شخص کو لغت قریش کے مطابق قرآن پڑھا دے اور اس ایک شخص سے اس قریہ کے باقی لوگ تعلیم حاصل کر لیں ایک قریشی قاری کے بغیر غیر منقوط و بے اعراب والے قرآن سے تو کبھی کوئی غیر قریشی عربی لغت قریش کے مطابق قرآن کی طرح بھی پڑھ نہیں سکتا تھا، جو یحسب کی سین کو زبر دیکر پڑھ رہا تھا وہ اس مصحف معرّا میں بھی زبر ہی دیکر پڑھیگا، اور جو سین کو زیر دیکر پڑھ رہا تھا وہ اس میں بھی زیر ہی دیکر پڑھیگا، اسی طرح جو یجمعون کو یائے تحتانیہ کے ساتھ پڑھ رہا تھا وہ یائے تحتانیہ ہی سے پڑھتا رہے گا۔ اور جو تائے فوقانیہ سے پڑھ رہا تھا وہ تائے فوقانیہ ہی سے اس میں بھی

مصحف معمّی

پڑھا رہے گا۔ ایسے مصحف معمّے سے پوری امت کبھی ایک قرارت پر مجتمع نہیں ہو سکتی ہے۔ صرف حروف و کلمات کے اختلاف تو مٹینگے، مگر حرکات و نقاط[1] کے اختلاف کبھی نہیں مٹ سکتے۔

صفائی کی گواہی

کوئی راویوں نے جہاں حضرت عثمان پر یہ تہمت لگائی کہ انھوں نے ان کوفیوں کی مزعومہ سات قراءتوں میں سے چھ قراءتوں کو اڑا پھینکا اور صرف ایک قرارت پر جو قریش کے لغت کے مطابق تھی اسی پر تمام امت کو مجتمع کر دیا۔ اور دوسری قراءتوں کے تمام مصاحف کو جلوا ڈالا، تو بطاہر حضرت عثمان کی حمایت بھی کرنا ضروری تھی تاکہ اس کو کوئی شیعیانہ حملہ نہ تصور کرے۔ چنانچہ ایک روایت گھڑکر سوید بن غفلہ الکوفی کے سر تھوپ دی کہ انھوں نے کہا کہ حضرت علی مرتضیٰ رض فرماتے تھے کہ عثمان کے متعلق بجز کلمہ خیر کے کچھ نہ کہو، کیونکہ انھوں نے مصاحف کے بارے میں جو کچھ کیا وہ محض اپنی رائے سے نہیں کیا، بلکہ ہماری ایک بڑی جماعت کے مشورے سے کیا۔" (اتقان ص۸۵) (بحوالہ ابن ابی داود سند صحیح) درحقیقت یہ حضرت عثمان کے لئے صفائی کی گواہی نہیں ہے بلکہ ساری دنیائے اسلام سے چھ قراءتوں کے اٹھ جانے اور صرف ایک قرارت کے عام شیوع اور فقط کوفہ میں دوسری قراءتوں کے وجود کا جو سبب یہ بیان کرنا، اور ثابت کرنا چاہتے ہیں، اس بیان و دعویٰ کا وہ مزید ثبوت اس روایت سے بہم پہنچا رہے ہیں۔ اس لئے کہ حضرت عثمان پر حملے اہل سنت کے تو ہیں نہیں، ان پر شیعے حملے کرتے ہیں، اور شیعوں کی تشفی ایسی روایتوں سے کب ہو سکتی ہے اول تو وہ اس روایت ہی کو صحیح نہیں تسلیم کریں گے کہ حضرت علی مرتضیٰ نے ایسا فرمایا تھا۔ اور اگر اسناد کی صحت دیکھکر مان بھی لیں تو کہہ دیں گے کہ حضرت علی نے تقیۃً ایسا کہدیا تھا۔ غرض یہ ہے کہ حضرت عثمان پر جو حملے کر رہے ہیں وہ حملے کرتے ہی رہیں گے، مگر ان کا مقصد اس روایت سے پورا ہو گیا۔ یعنی دنیائے اسلام میں آغاز خلافت عثمانی تک سات قراءتوں کے رواج کا ثبوت اس روایت کے ذریعے پیش کر دیا گیا۔

اتقان میں یہیں پر یہ بھی ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ نے معترضین سے پوچھا کہ سب قراءتیں جو مروج ہیں، تم ان سب کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ ایک قراءت والا دوسرے کی قراءت کے متعلق کہتا ہے کہ ہماری قراءت تمہاری قراءت سے بہتر ہے۔ اور یہ کفر کے قریب ہو جاتا ہے۔ تو معترضین نے کہا کہ تو آپ کی کیا رائے ہے؟ حضرت علیؓ نے فرمایا، کہ ہماری رائے تو یہی ہے کہ ہم تمام لوگوں کو ایک قرارت پر مجتمع کر دیں، تاکہ نہ فرقے پیدا ہوں، نہ اختلاف باقی رہے۔ تو معترضین نے کہا کہ آپ کی رائے نہایت خوب ہے۔" اس سلسلے میں بھی اسی کا ثبوت بہم پہنچایا گیا ہے، کہ پہلے متعدد قراءتیں مروج تھیں تو حضرت علی نے پوچھا کہ "تم ان سب قراءتوں کے بارے میں کیا کہتے ہو۔ جو مروج ہیں" اسکے بعد عقلی دلائل سے یہ ثابت کیا گیا کہ ایک قرارت کو رکھکر باقی کو ختم کر دینا ہی مقتضائے مصلحت تھا اس لئے ایسا کیا گیا۔ اگرچہ بقول راویاں حدیث رسول کی بڑی محنت سے حاصل کی ہوئی امت کیلئے سہولت و عافیت ضائع کر دی گئی۔

رسول، جبرئیل اور اللہ تعالےٰ سب کی غیر مآل اندیشی نعوذ باللہ من ذلک

صحیح مسلم ج ۱ ص۲۷۳ میں حضرت ابی بن کعب رض کی یہ حدیث مروی ہے کہ ابی بن کعب نے فرمایا کہ میں مسجد میں تھا کہ ایک شخص آکر نماز پڑھنے لگا۔ اور ایسی قرارت سے اس نے قرآن پڑھا جو مجھکو ممنوع نظر آئی۔ پھر دوسرا شخص آیا تو اس نے اس پہلے آنے والے سے مختلف قرارت سے قرآن پڑھا۔ تو جب ہم سب لوگ نماز ادا کر چکے تو سب کے سب رسول اللہ صلعم کے حضور میں حاضر ہوئے، اور عرض کیا کہ اس نے ایک ایسی قراءت

---

[1] مصحف پر نقطے تو سب سے پہلے یحییٰ بن یعمر البصری نے لگائے جبکہ تہذیب التہذیب ج ۱۱ ص۳۳۹ ترجمہ یحییٰ بن یعمر میں لکھا ہے۔ ان کے سال وفات میں اختلاف ہے کہ کوئی ۱۲۹ھ کہتا ہے کوئی ۱۰۰ھ اور ابن جوزی ۸۹ھ فرماتے یہ علم نحو میں ابوالاسود الدیلی البصری متوفی ۸۵ھ کے شاگرد تھے۔ تو انہوں نے بھی جو نقطے لگائے تھے تو اپنے مصحف پر یا اپنے تلامذہ و احباب اعزہ یا قرب جوار کے مصاحف پر لگائے ہونگے، اور جس قراءت کے یہ خوگر تھے اسی کے مطابق لگائے ہونگے، اعراب کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ حجاج بن یوسف کے حکم سے ابوالاسود الدیلی نے قرآن پر اعراب لگائے۔ مگر یہ سب غلط ہے اعراب کا حکم تو خود رسول اللہ صلعم نے دیدیا تھا۔ اعراب اور نقطوں کی بحث میری کتاب اعجاز القرآن میں ہے۔ یہاں اسکے تفصیل کا موقع نہیں۔ منہ غفرلہٗ

سے قرآن پڑھا جو مجھکو ممنوع نظر آئی پھر یہ دوسرا آیا تو اس نے اس پہلے سے بھی مختلف قرارت پڑھی۔ تو رسول اللہ صلعم نے دونوں کو پڑھنے کا حکم دیا۔ اور دونوں کی قرارت کو سراہا۔ تو میرے دل میں تکذیب کا ایسا جذبہ پیدا ہوا جو جاہلیت (یعنی حالت کفر) میں بھی نہ تھا تو جب رسول اللہ صلعم نے میری کیفیت کو محسوس فرمایا تو میرے سینے میں ایک ٹھوکا لگایا، تو میں پسینے پسینے ہو گیا، اور ایسا معلوم ہوا کہ میں گویا اللہ تعالیٰ کو سامنے دیکھ رہا ہوں۔ پھر رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ اے اُبَیّ! میرے پاس پیغام بھیجا گیا کہ میں قرآن کو ایک حرف (یعنی ایک قرارت) پر پڑھا کروں۔ تو میں نے واپس کیا اور درخواست کی کہ میری امت کیلئے سہولت عطا فرمائی جائے تو دوبارہ حکم آیا کہ میں قرآن کو دو قراتوں میں پڑھوں پھر میں نے واپس کیا اور عرض کیا کہ میری امت کیلئے آسانی کی جائے تو سہ بارہ میرے پاس حکم آیا میں سات قراتوں میں پڑھوں، اور ہر واپسی پر جو میں نے تمہارے پاس اس کو واپس کیا[1] کوئی ایک چیز مانگنے کا تمہیں حق ہو۔ تو میں نے دوبارہ کہا کہ اے اللہ میری امت کو بخشدے اور تیسرے سوال کو اس دن کے لئے اٹھا رکھا ہے کہ ساری مخلوق حتےٰ کہ ابراہیم علیہ السلام بھی میری طرف راغب ہونگے۔"

یہ حدیث فی الجملہ اختلاف کے ساتھ دوسرے طریق سے بھی مروی ہے اور حضرت فاروق اعظم کے ساتھ بھی تقریباً اسی قسم کا واقعہ مروی ہے اور صرف اس قدر کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ قرآن سات حرفوں پر اتارا گیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس وغیرہ سے بھی صحاح میں مروی ہے۔ یہاں تک کہ ایک حدیث اس مضمون کی موطا میں بھی ہے غرض حدیث کی کوئی کتاب اس مضمون سے خالی نہیں ہے۔

اگرچہ ان تمام حدیثوں کو اور ان کے تمام طرق کو یکجا کیا جائے تو سیکڑے تانوے طرق ایسے ہی ملیں گے جن کے اسناد میں کوئی نہ کوئی وضاع یا کذاب یا شیعہ ضرور ہوگا۔ یا وہ روایت مرسل ہوگی جیسے موطا کی روایت یعنی درمیان سے ایک راوی کا نام روایت میں غائب کر دیا گیا اس حدیث[2] پر بہت مفصل بحث میرے رسالہ قرارت اور کتاب اعجاز القرآن میں آرہی ہے اس لئے یہاں اس پر زیادہ لکھنے کی کوئی ضرورت نہیں معلوم ہوتی۔ البتہ حدیث مذکورہ کی چند رکاکتوں کو واضح کر دینا مناسب سمجھتا ہوں جس سے ناظرین یہ سمجھیں کہ محدثین درایت کو کس طرح پس پشت ڈال کر مخدوش حدیثوں کو بھی قبول کر لیتے ہیں۔ اللہ برا کرے جذبۂ روایت پرستی کا۔

[1] وہ زمانہ آجکل جیسا نہ تھا کہ جو مسجد میں آیا تنہا نماز پڑھکر چلا گیا۔ بلکہ آج بھی عموماً جماعت کا انتظار کیا جاتا ہے۔ اس زمانے میں الگ الگ مسجدوں میں آ آکر نمازیں پڑھنے کا دستور ہی نہ تھا۔ اور یہ نہیں کہا جا سکتا ہے کہ وہ فرض نماز نہ تھی، کوئی نفل ہوگی۔ کیونکہ اول تو نفلیں گھروں میں پڑھتے تھے۔ مسجدوں میں نفلیں نہیں پڑھتے تھے۔ اس کے علاوہ قرارت جہری نفلوں میں نہیں ہوا کرتی ہے۔ یہ تین تین آدمی الگ الگ فرض پڑھ گئے، بالکل خلاف عقل ہے

[2] یہ عجب طرح کا اتفاق ہے کہ جو سورہ پہلے شخص نے پڑھا، وہی سورہ دوسرے شخص نے بھی۔ ورنہ ان دونوں کی قراتوں کا باہمی اختلاف کس طرح حضرت ابی بن کعب کو معلوم ہو سکا؟ یا یہ کہا جائے کہ دونوں نے سورہ فاتحہ ہی مختلف طریقے سے پڑھا؟ تو یہ کسی روایت میں مذکور نہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو ضرور مذکور ہوتا۔

[3] رسول اللہ صلعم کو جو ایک قرارت سے پڑھنے کا حکم ہوا تو آپ نے قرآن کا ایک قرارت سے پڑھنا امت کیلئے دشوار کیوں محسوس فرمایا؟ اگر امت میں مختلف قبائل کے لوگ تھے۔ اور سب کے لغات الگ الگ اور باہم مختلف تھے تو آپ اسکی اجازت مانگتے کہ ہر قبیلے کو اپنے محاورے اور لغت کے مطابق پڑھنے کی اجازت ہو نہ کہ سات حرفوں پر قناعت کر لینے، قبائل تو سیکڑوں تھے۔ بلکہ امت تو عرب و عجم سب تھے۔ اس سہولت سے آپ نے عجمی امت کو کیوں محروم رکھا، جو نا واقفیت زبان کی وجہ سے عرب سے زیادہ مستحق رحم تھی۔ ان کو تو ادائے مخارج حروف

---

[1] یا تم نے ہمارے پاس ہمارا پیام واپس کیا۔ جیسا کہ بعض نسخوں میں ہے۔ مگر واپس کیا رسول اللہ صلعم نے نہ کہ اللہ تعالیٰ نے۔ اللہ نے تو ہر بار یہی حکم بھیجا۔ ۱۲ منہ

[2] واضح رہے کہ سات قراتوں پر قرآن کے نازل ہونے کی حدیث بھی ابن شہاب زہری ہی سے مروی ہے۔ اس کے اصل راوی یہی ہیں۔ البتہ ان کے شاگردوں نے ان کی تائید کے لئے دو ایک روایت ان کے بعض ہمعصروں سے بھی بنا ڈالی ہیں۔ ۱۲ منہ۔

اور تجوید کی مشقت سے نجات دلائی جاتی؟

اول الامر و آخر الامر میں دو بین تفاوت از کجاست تا بکجا

اوّلُ الامر (آغاز کار) میں آنحضرت صلعم کو نعوذ باللہ غیر مآل اندیشی کی وجہ سے واجب الحصول نظر آئی تھی کہ بار بار حکم ربانی کو واپس کر کے حاصل کی گئی۔ آخر الامر یعنی زمانہ عثمانی میں امت کے لئے ایک مصیبت عظمیٰ، یعنی باعث تفریق و اختلاف ثابت ہوگئی اس کو اگر جامۂ بشریت میں رہنے کی وجہ سے رسول اللہ صلعم نہ سمجھ سکتے تھے تو حضرت جبریل تو رسول اللہ صلعم کو منع فرماتے، کہ آپ یہ کیا کر رہے ہیں، یہ متعدد قراءتیں باعث سہولت نہ ہونگی۔ بلکہ باعث مصیبت ہو جائیں گی اگر جبریل کو بھی آنے والے زمانے کی خبر نہ تھی تو اسی مآل اندیشی کی عقل نہ تھی تو خود اللہ تعالےٰ تو اپنے رسول کو اس کے نتیجے سے مطلع فرما دیتے۔ یدعو الانسان للشر دعاءہ بالخیر کے مصداق نہ ہو۔ حکم جو ایک قراءت کے مطابق ساری امت کا پڑھنا و شوار سمجھتے ہو غلط ہے یہی سہل ہے۔ اگر متعدد قراءتوں کی اجازت دے دی جائے گی تو امت میں سخت اختلاف پیدا ہو جائے گا، اور ہر غلط قرآن پڑھنے والا اپنی غلط قراءت کو صحیح ثابت کرنے کے لئے اسکو عثمان بن[1] ابی شیبہ کی طرح سے سات قراءتوں میں سے ایک کہدیگا۔ آج حذیفہ بن یمان عثمان بن عفان و علی بن ابی طالب اور دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم کو اس اختلاف قراءت کی وجہ سے قرآن کی بربادی اور امت کی تباہی نظر آرہی ہے اسکو اگر غلط اندیشی کی وجہ سے معاذ اللہ ذلک رسول نہ سمجھ سکے علم غیب نہ رکھنے کی وجہ سے جبریل نہ بھانپ سکے تو اللہ تعالےٰ تو عالم الغیب والشہادہ ہے اس نے کیوں رسول کی ایسی خطرناک درخواست قبول کرلی۔ قبول ہی نہیں، بلکہ اس درخواست پر خوش ہو کر انعام دیا۔ اور ہر وہ ایسی حکم پر ایک سوال کرنے کا حق عطا فرمایا؟

تین سوالوں کا حشر

تین سوالوں کا حق جو رسول اللہ صلعم کو ملا تھا تو اگر ایک سوال قیامت کے لئے آپ نے اٹھا رکھا تھا تو دو سوال پر دو چیز تو مانگتے۔ دو سوال کے موقع کو ایک سوال کی تکرار کر کے ایک موقع سوال کو آپ نے ضائع کیوں فرما دیا؟ اگر مغفرت امت ہی کا سوال دونوں مرتبہ کرنا تھا تو ایک سوال دنیا میں مغفرت کے لئے ہوتا وہ سرا آخرت کی مغفرت کے لئے۔ دوسرا موقع سوال تو تکرار لاطائل کر کے قصداً ضائع کر دیا گیا، جسکو ہر صاحب عقل سمجھ سکتا ہے۔

ان پانچ باتوں کے علاوہ ہر صاحب فراست ایمانیہ اس حدیث بلکہ اس مضمون کی ہر حدیث کی کمزوریوں اور ناکتوں کو پہلی نظر میں جو محسوس کر سکتا ہے، بشرطیکہ روایت پرستی اور ایمان بالروات کی پٹی ایمان باللہ و ایمان برسول اللہ و ایمان بکتاب اللہ کی آنکھوں پر بندھی نہ ہو۔

نقل حفاظ مصاحف کی تاریخ

ابن خلدون لکھتے ہیں حذیفہ یمان غزوۂ رے سے فارغ ہو کر ۳۰ھ میں عبدالرحمٰن بن ربیعہ کی مدد کیلئے غزوہ الباب میں پہنچے اور آذربائیجان میں اپنی جگہ پر سعید بن ربیعہ کو رکھ دیا تھا۔ مگر عبدالرحمٰن کی شہادت کے بعد وہ واپس آگئے۔ سعید بن ربیعہ نے ان کی غیبت میں جو شہر والوں سے اختلافات قراءت سنے تھے اس سے انھوں نے حذیفہ کو مطلع کیا۔ حذیفہ کو یہ بات بہت اہم معلوم ہوئی۔ انھوں نے لوگوں کو قرآن میں اختلاف پیدا کرنے سے ڈرایا۔ جتنے صحابہ و تابعین وہاں موجود تھے سب نے ان کی رائے سے اتفاق کیا۔ بجز عبداللہ بن مسعود کے کوفی شاگردوں کے، ان لوگوں نے اختلافات پر قایم رہنے کے لئے اصرار کیا، تو سعید بن ربیعہ کو غصہ آگیا اور انھوں نے ان کوفیوں کو ڈانٹا، اس کے جواب میں عبداللہ بن مسعود[2] سعید پر خفا ہوئے اور اپنے شاگردوں کی پالایش کرنے لگے تو سعید غضبناک ہو کر اس مجلس سے اٹھ آئے اور مجلس منتشر ہو گئی۔ حذیفہ خود

---

[1] عثمان بن ابی شیبہ بڑے بھاری محدث ہیں بخاری میں ان سے ۵۳ حدیثیں اور مسلم میں ۱۳۵ حدیثیں مروی مگر قرآن میں بہت تحریفیں کیا کرتے تھے۔ کوئی ٹوکتا تو کہتے تھے کہ میں عاصم کی قراءت سے۔ قرآن نہیں پڑھتا۔ حالانکہ جو یہ پڑھتے تھے وہ کسی کی بھی قراءت نہیں ہوتی تھی۔
(تہذیب التہذیب جلد ۷ ص ۱۵۱) —

[2] حاشیہ ہذا صفحہ آئندہ کے حاشیہ میں شریک ہے۔

حضرت عثمان کے پاس چلے آئے اور اختلاف قرارت کے فتنے سے ان کو آگاہ کیا۔ حضرت عثمان نے صحابہ کو مجتمع کر کے مشورہ کیا۔ تمام صحابہ نے بالاتفاق خذیفہ بن الیمان کی تائید کی۔ تو حضرت عثمان نے ام المومنین حضرت حفصہ کے پاس سے صحیفے منگوا کر ان کی متعدد نقلیں لوگوں سے مصاحف کی شکل میں کرا کے ایک مصحف ہر علاقے میں بھیجدیا، کہ اسی نسخے پر اعتماد کیا جائے اور اس سے اختلاف رکھنے والے جتنے نسخے، صحیفوں کی شکل میں ہوں سب کو جلا دیا جائے۔ حضرت عثمان کے حکم کو سب نے مان لیا بجز عبداللہ بن مسعود کے انہوں نے اپنے شاگردوں (اہل کوفہ) کو مصحف عثمانی کی اتباع سے منع کر دیا (اور اپنے مصاحف پر قائم رہنے کی تاکید کر دی) مگر یہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ پر بہتان عظیم ہے) وکفی باللہ شہیدا۔

ابن حجر کی غلطی

حافظ ابن حجر عسقلانی فتح الباری ج ۲۰ ص ۲۴ میں تحریر فرماتے ہیں کہ قصہ ۳۰ھ کا نہیں ہے بلکہ ۲۵ھ کا ہے۔ خلافت عثمانیہ کے دوسرے یا تیسرے سال کا۔ ثبوت میں لکھتے ہیں کہ ابن ابی داؤد نے مصعب بن سعد بن ابی وقاص سے روایت کی ہے کہ حضرت عثمان نے (مجمع صحابہ و تابعین میں) خطبہ دیا، اور فرمایا کہ اے لوگو! تمہارے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم)

حضرت عثمان کا ایک خطبہ

وفات پا گئے جس کو پندرہ سال ہوئے۔ اور تم لوگوں نے قرآن کی قراءتوں میں اختلافات پیدا کرنا شروع کر دئے..... الخ اور یقیناً حضرت عثمان کی خلافت حضرت عمر کی شہادت کے بعد ہوئی، اور حضرت عمر کی شہادت ماہ ذی الحجہ ۲۳ھ میں ہوئی، یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے تیرہ برس بعد۔ تو خطبہ میں حضرت عثمان کا پندرہ برس کہنا۔ اگر پورے پندرہ برس کا حساب کر کے تھا تو یہ واقعہ نقل مصاحف یا خطبہ خلافت عثمانیہ سے دو برس تین ماہ بعد کا ہے۔ لیکن ایک دوسری روایت میں ہے جو ابن ابی داؤد کی ہے جس میں پندرہ کی جگہ تیرہ برس مذکور ہے۔ تو اگر کسر کو درمیان سے حذف کر دیا جائے تو دونوں روایتوں میں تطابق کیا جا سکتا ہے کہ ایک روایت میں مہینوں کا اعتبار کر لیا جائے اور دوسری میں مہینوں کا حساب نکیا جائے۔ تو اس طرح یہ واقعہ ان کی خلافت کے ایک سال بعد کا ہوگا، یعنی اواخر ۲۴ھ کا یا اوائل ۲۵ھ کا اور یہی وہ وقت ہے کہ اہل تاریخ نے لکھا ہے کہ اسی زمانے میں ارمینیہ فتح ہوا، اور یہ ولید بن عقبہ بن ابی معیط کے حضرت عثمان کی طرف سے والی کوفہ مقرر کئے جانے کا ابتدائی زمانہ ہے۔ اور ہمارے بعض ہمعصروں نے جو ۳۰ھ کا واقعہ اس کو لکھدیا ہے۔ یہ ان کی غفلت ہے"

تطابق کی سعی ناکام

حافظ ابن حجر نے جو پندرہ اور تیرہ برسوں کی دونوں روایتوں میں تطابق پیدا کرنے کی کوشش کی ہے وہ بالکل خلاف عقل ہے اس لئے تیرہ چودہ پندرہ کا تفرقہ ہوتا تو مہینوں کی کسر کو ادھر ادھر کرنے سے تطابق ممکن تھا۔ تیرہ اور پندرہ کے درمیان تو مہینوں کی کسر ادھر ادھر کرنے پر بھی بیچ میں ایک برس ضرور پھڑکنے لگے گا۔ اس کے علاوہ حضرت عمرؓ کی شہادت باختلاف روایت ۲۶ یا ۲۷ ذیحجہ کو بدھ کے دن ہوئی ۲۳ھ میں۔ اختلاف دن اور سنہ میں نہیں ہے، صرف تاریخ میں ہے۔ اور بالکل آغاز ۲۴ھ میں حضرت عثمان کی خلافت قایم ہوئی۔ اور اسکو تو ہر کس و ناکس جانتا ہے کہ رسول اللہ صلعم کی وفات ۱۱ھ ماہ ربیع الاول میں ہوئی اس لئے آنحضرت صلعم کی وفات سے تیرہ برس نو مہینے بعد حضرت عثمانؓ کی خلافت ٹھہرتی ہے۔ اگر ٹھیک خلافت ہی کے سال کا واقعہ فتح ارمینیہ کہا جائے تو نصب خلافت کے ساتھ کا واقعہ تو کہا نہیں جا سکتا۔ تین چار مہینہ بعد بھی کہئے تو آنحضرت صلعم کی وفات سے پورے چودہ برس بعد ہوگا۔ اس لئے تیرہ برس والی دوسری روایت تو کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتی باقی رہی پندرہ برس والی روایت تو یہ قرین عقل ہے، اور صحیح ہو سکتی ہے اگر یہ خطبہ خذیفہ والے واقعے سے پیشتر کا کہا جائے۔ اور یہ بھی تسلیم کر لیا جائے کہ مدینہ و حوالی مدینہ میں اختلاف قرارت کے اثرات تھے اور ان کو دیکھکر یا لوگوں سے سن کر حضرت عثمان نے صحابہ و تابعین میں یہ خطبہ دیا تھا۔ اور اس صورت میں تیرہ برس والی روایت بھی صحیح ہو سکتی ہے، مگر دو میں سے ایک قول کو ضرور غلط ماننا پڑیگا۔ دونوں کا جمع و تطابق ناممکن ہے۔

سنین پر بحث

مگر حافظ ابن حجر نے اس خطبے کو حذیفہ بن الیمانی کی شکایت کا نتیجہ قرار دیکر ابن ابی داود کی روایتوں کے دو متبان سنین پر فتح ارمینیہ اور واقعہ حذیفہ و نقل مصاحف کی بنیاد رکھدی، اور جن لوگوں نے اس واقعہ کا سال ۳۰ھ لکھا تھا اسکو غلط قرار دے کر ابن حجر ۲۵ھ کو صحیح لکھنے لگے۔ اور اسی بنیاد پر لکھ گئے کہ یہ واقعہ ولید بن عقبہ کے ولایت کوفہ کے آغاز کا ہے۔ حالانکہ یہ بالکل غلط ہے۔ ولید بن عقبہ کا تقرر ضرور آغاز خلافت عثمانی میں ہوا۔ مگر پانچ برس کے بعد یہ معزول کر دئے گئے (ابن خلدون جلد ۲ حصہ ۲ ص ۱۳۴) اور ان کے بعد سعید بن العاص والی کوفہ ہوئے اور یہ واقعہ سعید بن العاص کی ولایت کوفہ کا ہے۔ چنانچہ سعید اور اصحاب ابن مسعود کا اختلاف قرارت پر مناقشہ اور عبداللہ بن مسعود کا اپنے شاگردوں کی پالاش کرنا اور سعید پر خفا ہونا اور سعید کا غضبناک ہو کر مجلس سے اٹھکر چلا آنا اور اسی موقع پر حذیفہ کا حضرت عثمان کے پاس اختلاف قرارت کی شکایت لیکر آنا اوپر ابن خلدون کے حوالے ہی سے مذکور ہو چکا ہے۔ ولید بن عقبہ آغاز خلافت عثمانی یعنی ۲۴ھ میں والی کوفہ مقرر ہوئے اور پانچ برس کے بعد یعنی ۲۹ھ میں معزول ہوئے اور اسی ۲۹ھ میں سعید بن العاص والی کوفہ ہوئے اور اس کے کچھ ماہ بعد ۳۰ھ میں حذیفہ بن الیمان حضرت عثمان کے پاس اختلاف قراءات کی شکایت لیکر آئے۔ اگر یہ سب واقعات واقعی سچے ہیں تو اس طرح بتائے جا سکتے ہیں۔ مگر اصل حقیقت تو یہ ہے کہ یہ سارے واقعات محض ترتیبی ہیں، جس کی تفصیل آگے آتی ہے۔

حضرت عثمانؓ کا ایک اور خطبہ

ابو یعلی الموصلی اپنی مسند کبیر میں اپنے اسناد کے ساتھ لکھتے ہیں۔ کہ ان عثمان بن عفان قام خطیبا علی المنبر فقال انشد اللہ امرءً سمع النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول ان ھذا القرآن انزل علیٰ سبعۃ احرف۔ فقام الصحابۃ من کل جانب حتی ما احصی عددھم وکل واحد یقول انا سمعتہ یقول ذلک۔ فقال عثمان وانا سمعتہ یقول ذلک۔ اس روایت کو نقل کر کے قاری محمد نظر صاحب امروہی اپنی کتاب تسہیل البیان فی رسم نظم القرآن کے صفحہ ۳۵ میں لکھتے ہیں ومن ثم قال ابو عبید وغیرہ من حفاظ الحدیث انہ من الاحادیث المتواترۃ الخ قاری صاحب ممدوح نے اپنی کتاب کے ساتھ دوسرے کالم میں اردو ترجمہ بھی شائع فرما دیا ہے۔ اس لئے مناسب یہی ہے کہ انہیں کا ترجمہ نقل کر دوں (ترجمہ) ابو یعلے موصلی نے اپنی مسند کبیر میں کہا ہے کہ عثمان بن عفان نے ممبر کھڑے ہو کر خطبہ دیتے ہوئے کہا کہ "میں ہر اس شخص کو اللہ کی قسم دلاتا ہوں جس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اِنَّ ھٰذَا الْقُرْاٰنَ اُنْزِلَ عَلٰی سَبْعَۃِ اَحْرُفٍ سنا ہے"، چنانچہ ہر جانب سے صحابہ کھڑے ہو گئے یہاں تک کہ انکی تعداد کوئی گن نہیں سکتا اور ہر شخص کہتا تھا کہ میں نے اسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کہتے ہوئے سنا۔ تو حضرت عثمان نے بھی کہا کہ میں نے بھی سنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا کہتے ہوئے سنا۔ (اس کے بعد قاری صاحب اپنی عبارت کا ترجمہ لکھتے ہیں کہ) اور یہیں سے ابو عبید اور ان کے علاوہ دوسرے حفاظ حدیث نے لیا ہے، کہ یہ حدیث احادیث متواترہ میں سے ہے... الخ

سلہ ابو یعلی موصلی۔ ان کا پورا نام احمد بن علی بن المثنیٰ ابو یعلے الموصلی ہے۔ ان کی وفات ۳۰۷ھ میں ہوئی انکی کتاب المسند الکبیر قاضی شوکانی کے خاص ہاتھ کی لکھی ہوئی جرمنی کے کتب خانے میں اس وقت موجود اور ان کا ترجمہ تذکرۃ الحفاظ جلد سوم ص ۲۴۸ میں موجود ہے۔ ان سے ایک روایت بھی منقول ہے۔ جسکو ابو یعلی محمد بن ابی بکر المقدمی سے وہ یوسف بن ماجد سے وہ ابراہیم بن عمر بن آبان سے وہ زہری سے اور زہری اپنے باپ سے۔ زہری کے باپ عبدالرحمٰن ہیں جو عوف سے روایت کرتے ہیں۔ یہی ایک روایت ہے جس میں زہری کا اپنے باپ سے روایت کرنا مذکور ہے۔ ورنہ ان کے باپ کا ذکر سلسلہ روایت میں اور کہیں نظر نہیں آتا۔ ذہبی اس روایت کو غریب قرار دیتے ہیں اور ابراہیم بن عمر بن آبان کو ضعیف۔ یعنی اس حدیث کو مشتبہ قرار دیتے ہیں۔ ۱۲ منہ

سلہ یہ حدیث بالکل موضوع اور محض اختراع ہے۔ میں نے اپنی کتاب اعجاز القرآن میں اس پر پوری بحث کی ہے۔ منافقین عجم نے صرف قرآن کو مشتبہ کرنے کے لئے یہ حدیث بنا کر مشہور کی اور اسکی بنیاد پر تمام اختلافات قرارت کی سر بفلک عمارت رفتہ رفتہ کھڑی کر دی۔ میرا ایک مستقل رسالہ بھی ان احادیث کی تنقید میں ہے۔ جس کا نام ہے الزخرف فی سبعۃ احرف ۱۲ منہ غفرلہ۔

علمائے حدیث سے استفسار

علمائے حدیث سے استفسار ہے کہ ان دونوں خطبوں میں سے کون سا خطبہ صحیح ہے؟ ابو یعلی کی روایت والا خطبہ تو بتا رہا ہے کہ اختلاف قرارت میں کسی کو شبہہ تھا لوگ اسکی مخالفت کر رہے تھے۔ اس لئے حضرت عثمان نے تمام صحابہ کو قسم دلیکر سب سے سبعۃ احرف والی حدیث کی تصدیق کرائی اور خود بھی قسم کھا کر تصدیق کی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حذیفہ بن الیمان کی شکایت سن کر ہی صحابہ کو مجتمع کیا گیا۔ اور خطبہ دیکر سب سے تصدیق کرا کر اختلاف قرارات کی بنیاد کو مستحکم کیا گیا۔ اس لئے اس کے بعد یہ توقع کہ تمام قراءتوں کو حضرت عثمان نے ختم کرا دیا، اور صرف ایک لغۃ قریش والی قرارت کو رائج کیا صحیح ماننے کے بعد کتنی متضاد توقع ہے۔ ابو یعلی موصلی جن کی وفات چوتھی صدی کے آغاز میں ہے ان کو تو اس خطبہ کی روایت مل جاتی ہے مگر صحاح کے مولفین میں سے کسی کی نظر کے سامنے یہ حدیث کبھی نہیں آئی۔ اور کسی کو اس خطبے کا واقعہ معلوم نہ ہوا۔ تعجب ہی تعجب ہے ناظرین جو ابن ابی داود والا خطبہ جس کو ہم نے فتح الباری ج ۹ ص ۲۴ سے ترجمہ کی صورت میں نقل کیا ہے اور یہ خطبہ ابو یعلے والا دونوں کے مفہوم کو ملا کر دیکھ لیں۔ ابن ابی داود کو اگرچہ محدثین نے بہت کچھ سراہا ہے، مگر ان کے والد برابر انکو کذاب ہی کہتے رہے۔ ابراہیم الاصبہانی نے بھی ان کو کذاب کہا ہے (لسان المیزان جلد ۳ ص ۲۹۲) ۳۱۶ھ میں ان کی وفات ہے اس لئے ابو یعلے الموصلی کے یہ بالکل ہمعصر ہیں۔ ابو یعلے نے ان سے نو برس پہلے ۳۰۷ھ میں وفات پائی ہے۔ ان کی ولادت ۲۳۵ھ کی ہے اسلئے ۷۲ برس عمر ہوتی ہے۔ ابو یعلی کی عمر معلوم نہ ہو سکی اور نہ سال ولادت مل سکا۔ ابن حجر نے تو ان کا ذکر ہی نہیں کیا نہ ثقات میں نہ ضعفا میں بہرحال دونوں ہمعصر ضرور ہیں اور عجب کیا ہے کہ ہمسن بھی ہوں۔ تو ایک زمانے کے دو محدث اپنی اپنی کتاب میں ایک ایک خطبہ حضرت عثمان کی طرف منسوب کر کے روایت کرتے ہیں ایک کے خطبے سے اختلافات قراءت کی جڑ کاٹی جاتی ہے اور دوسرے کے خطبے سے اختلافات کی بنیاد مستحکم کی جاتی ہے۔ اور ان دونوں میں سے ایک دوسرے کے خطبے کی کوئی خبر نہیں۔

دونوں خطبوں پر تبصرہ

ابو یعلی موصلی والا خطبہ تو صاف جعلی معلوم ہو رہا ہے کہ سبعۃ احرف والی حدیث کو متواتر ثابت کرنے کے لئے گھڑا گیا ہے، اور بہت بعد تیسری صدی کے اواخر میں گھڑا گیا۔ اسی لئے ابو یعلے کی مسند کے سوا اور کسی کتاب میں یہ روایت نہیں ملتی۔ اور اس خطبے کی روایت حضرت عثمان کی طرف کی گئی کہ انکوں نے ابن ابی داؤد والا خطبہ گھڑ کر حضرت عثمان کی طرف منسوب کر دیا تھا۔ اور پھر نقل مصاحف بعہد عثمانی والی حدیث بنا کر اور اسکو مشہور کر کے اس مضمون کی پوری طرح اشاعت کی تھی کہ پہلے ساتوں قراءتیں جاری تھیں مگر حضرت عثمان نے تمام صحابہ کے مشورے سے چھ قراءتوں کو موقوف و معدوم کر دیا اور، صرف ایک قریش والی قرارت کو قائم رکھا۔ حضرت عثمان سے صرف عبداللہ بن مسعود نے اختلاف کیا اس لئے ابن مسعود کے تلامذہ یعنی اہل کوفہ نے اختلاف قرارت کی حفاظت کی اور ان کو قایم رکھا، اور کوفے سے باہر کے تمام لوگ حضرت عثمان کے فرمان کے بموجب ایک قرارت کے سوا دوسری ساری قراءتوں کو چھوڑ بیٹھے، بھول گئے اور دوسری قرارتوں کے صحیفوں اور مصحفوں کو سب نے جلا دیا تو اس روایت کی شہرت کے اثر سے حدیث سبعۃ احرف کے متعلق شبہہ پیدا ہوا تھا کہ اگر واقعی قرآن سات حرفوں پر نازل ہوا تھا تو پھر حضرت عثمان نے اور ان کے ساتھ تمام صحابہ نے چھ حرفوں کو برباد کیوں کرا دیا۔ اس لئے حضرت عثمان ہی کی طرف ایک دوسرا خطبہ اور پھر تمام صحابہ سے حضرت عثمان کا قسم لیکر پوچھنا اور سب کا سبعۃ احرف والی حدیث کے صحیح ہونے پر قسم کھانا اس پہلے خطبے کی روایت بننے کے۔۔۔ تقریباً دو صدی کے بعد اس خطبے کی روایت وضع کر کے یہ ثبوت بہم پہونچایا گیا کہ ہاں حضرت عثمان نے اور ان کے ساتھ تمام صحابہ نے جو کچھ کیا بتقاضائے مصلحت کیا مگر اس سبعہ احراف والی حدیث پر ساری صحابہ کا ایمان اور سب کو اسکی صحت کا اعتراف تھا۔ جو کچھ ان لوگوں نے کیا اس حدیث کی صحت سے واقف رہتے ہوئے کیا۔ غلط کیا یا صحیح کیا، ایسا کرنے کا حق تھا یا نہیں یہ سوال خود بخود دلوں میں پیدا ہوا اور لاجواب رہے۔ یہی بہتر ہے

حقیقت حال

یہ ہے کہ یہ ساری داستان متعلق جمع قرآن بعہد صدیق اکبر و نقل مصاحف بعہد حضرت عثمان، اول سے آخر تک

بالکل کذب و افترا اور بہتان عظیم ہے۔ نہ عہد صدیقی میں قرآن جمع ہوا، نہ عہد عثمانی میں اختلافات قرارت تھے، نہ انکے مٹانے کے لئے کوئی کوشش کی گئی، نہ اس زمانے میں کہیں بھی کوئی سبعۃ احرف کے لفظ سے آشنا تھا۔ یہ ساری حدیثیں اور روایتیں ایک صدی کے بعد گھڑی جانے لگیں اور اسی زمانے سے اختلافات قرارت کے فتنے کی ابتدا کی گئی، جسکے لئے انزل القران علی سبعۃ احرف کی حدیث گھڑ کر اسکو رفتہ رفتہ پہلے مشہور کیا جانے لگا۔ قرآن پاک کی کتابت عہدی نبوی ہی سے ہر لکھا پڑھا صحابی اپنے لئے اپنے اہل و عیال کے لئے اپنے اعزہ و اقران اور پڑوسیوں کے لئے نقل پر نقل کر رہا تھا۔ آنحضرت صلعم لوگوں کو کتاب دیکھکر تلاوت کرنے کی برابر ترغیب فرماگئے تھے۔ اس پر دونا ثواب کی بشارت دیا کرتے تھے اسی لئے حفاظ قرآن بھی کتاب دیکھکر ہی پڑھتے تھے۔ البتہ سفر میں مصحف ساتھ لیکر چلنے کی ممانعت تھی کہ کہیں دشمنوں کے ہاتھ نہ لگ جائے۔ ازواج مطہرات حسب حکم داذکرن ما یتلی فی بیوتکن من ایات اللہ والحکمۃ (احزاب ع ۱ جلد ۲۲) پورا قرآن یاد کر چکی تھیں اور ہر ایک کے پاس قرآن مصحف کی صورت میں لکھا ہوا موجود تھا۔ ان کے مصاحف کے کاتبوں کے نام تک کتابوں میں مذکور ہیں اور وہ سب خود بھی لکھنا پوری طرح جانتی تھیں پھر صحابہ آنحضرت صلعم سے پوچھتے تھے کہ قرآن کتنے دنوں میں ختم کریں۔ آپ نے تین دن سے کم مدت میں ختم کرنے کی اجازت ندی۔ غرض اگر قرآن مرتب و مدون ہی نہ تھا تو ختم کرنے کا سوال کیوں اٹھا تھا؟ اور پورا قران لکھا ہوا مصحف کی شکل میں صحابہ کے پاس نہ تھا تو کتاب دیکھکر پڑھنے کا عام حکم کیا معنی رکھتا ہے؟ اور سفر میں قرآن ساتھ لیکر چلنے کی ممانعت کے کیا معنی ہیں؟ میں نے صفحہ ۶۲ میں بھی اس مضمون پر کچھ روشنی ڈالی ہے بضمن تذکرہ زید بن ثابت اس لئے مزید خامہ فرسائی یہاں ضروری نہیں سمجھتا۔ اتنا اس لئے لکھدیا کہ قرآن کی آیتیں قرآن کی سورتیں سب مرتب و مدون اور پورا قران مصحف کی شکل میں ترتیب کے ساتھ جس میں مرتب سورتیں تھیں اور ترتیب سور کے ساتھ جو مصحف تھا ہزاروں کی تعداد میں موجود تھا۔ حضرت صدیق اکبر کے وقت میں جمع قرآن کی ضرورت پیدا ہی نہیں ہو سکتی تھی اور نہ جنگ یمامہ میں ستر حفاظ قرآن کی شہادت سے ضیاع قرآن بلکہ کسی ایک حرف کے بھی ضایع ہونے کا خطرہ نہیں محسوس کیا جا سکتا تھا۔ کیونکہ اسوقت صحابہ و تابعین میں ستر ہزار سے زیادہ پورے قرآن کے حافظ موجود تھے، اور ہزاروں نسخے مصحف کے لکھے ہوئے تھے اور تقریباً ہر روز ایک مصحف کا اضافہ ہو رہا تھا اس لئے حفظ و کتابت دونوں کا غیر منقطع سلسلہ عہد نبوی سے جاری تھا اور جس طرح ہر روز چند حافظ فارغ التکمیل ہوتے تھے اسی طرح ہر روز چند نسخے قرآن مبین کے مکمل الکتابت ہوتے تھے۔ اور بفضلہ تعالےٰ یہ سلسلہ اس وقت سے اس وقت تک غیر منقطع تسلسل و تواتر کے ساتھ قایم ہے اور انشاء اللہ قیامت تک قایم رہیگا۔ اور چونکہ ہر مصحف اس پہلے مصحف کی بعینہٖ نقل تھا جس کو خود رسول اللہ صلعم نے لکھوایا تھا۔ اور جس کی ایک حضرت ام المومنین حفصہ قرار دی گئی تھیں جس کا نام الاعام یا الام تھا، اس لئے ہر مصحف میں وہی رسم خط تھی جو الامام کی تھی اور چونکہ ہر صحابی کی قرارت خاص تلقین نبوی تک منتہی ہوتی تھی، اس لئے تلفظ میں بھی باہم اختلاف ناممکن تھا۔ اگر کسی صحابی کو بھول چوک بھی ہو تو رسول اللہ صلعم کی بار بار کی تلاوت نمازوں میں اور نماز سے باہر سن سن کر ہر بھولنے والے کی یاد دہانی ہوتی رہتی تھی، اور صحابہ خود آپس میں بھی دور کیا کرتے تھے۔ اپنے اہل و عیال کے ساتھ بھی دور کیا کرتے تھے۔ اس لئے کسی طرح کے اختلاف قرارت کا وہم بھی نہیں کیا جا سکتا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود و حضرت ابی بن کعب وغیرہ کی الگ الگ قرارتیں اور ان کے الگ الگ مصاحف ایک دوسرے سے مختلف محض منافقین عجم کے فتنے ہیں جس کو انہوں نے کوفہ میں بیٹھکر بعض کوفی منافق طینتوں کو اپنا شریک کار بنا کر کھڑا کیا تھا۔

منافقین عجم کا تمام اسلامی ممالک میں سازشی جال

اس وقت ان منافقین عجم کی ایک بہت بڑی جماعت خلافت بنی امیہ کے خلاف ہر ملک اسلامی میں سازش کرتی پھرتی تھی جس کا اصلی مرکز خراسان تھا اور دوسرا مرکز کوفہ اور دوسری جماعت جھوٹی جھوٹی حدیثیں بنا بنا کر اصل دین کی تخریب میں لگی ہوئی تھی۔ صرف جھوٹی حدیثوں سے دین کی پوری

تخریب ہوتی نظر آئی تو پہلی صدی ختم ہونے کے بعد اس جماعت متقدمین نے نفس قرآن میں ہاتھ لگایا اور انزل القرآن علی سبعۃ احرف کی حدیث بنا کر پہلے اس کو مشہور کیا، اس وقت جمع احادیث کا ایک ہوکا ابن شہاب زہری اور ان کے توابع اور بعض معصرین کو تھا بقول ابن حجر کے کلما سمعوا شیئاً علقوہ جو کچھ سنا ٹانک لیا۔ یہ سبعہ احرف والی حدیث بھی یاروں نے لکھی اور پھر ان سے ان کے تلامذہ نے لی ان سے ان کے تلامذہ نے۔ روایت کو درایت پر مقدم سمجھنے کا اصول ان منافقین راویان حدیث نے ان بھولے بھالے جامعین کے پوری طرح ذہن نشین کرا دیا تھا۔

بنی امیہ کی خلافت کا خاتمہ اور حکومت بنی عباس کے دور کا آغاز

پھر جب بنی امیہ کا آخری خلیفہ مروان الحمار ماہ صفر ۱۳۲ھ کے اواخر ایام میں مارا گیا اور بنی عباس کا پہلا خلیفہ سفاح یعنی عبداللہ بن محمد بن علی بن عبداللہ بن عباسؓ ۳ ربیع الاول ۱۳۲ھ کو زمام خلافت کے مالک ہوئے تو چونکہ بنی عباس اور منافقین ایران میں خفیہ سمجھوتا ہو چکا تھا اور بنی عباس ان کو منافق تو جانتے نہ تھے بلکہ اپنا محسن سمجھتے تھے کہ انھیں کی جدوجہد اور کوششوں سے ان کو خلافت ملی اس لئے ان سے بڑی حد تک حسن سلوک و حسن معاملہ رکھنے لگے۔ اور ان منافقین نے اکثر سے بھی زیادہ مخرب دین روایتیں بنا بنا کر حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی طرف منسوب کر کر کے مشہور کرنا شروع کر دیں۔ اسی سلسلہ میں اختلاف قرارت کی روایتیں بھی بنائیں اور چونکہ حضرت عبداللہ بن مسعود ایک مدت دراز تک کوفے میں رہے تھے اس لئے اختلاف قایم رکھنے کا بہتان انہیں پر باندھا۔ اور مشہور یہ کیا کہ عہد نبوی سے عہد شیخین تک بلکہ فتح ارمینہ سے قبل تک تمام مسلمان ہر جگہ مختلف ہی قراتوں سے قرآن پڑھا کرتے تھے۔ حذیفہ بن الیمان کی شکایت پر حضرت عثمان نے صحابہ کے مشورے سے تمام امت کو ایک قرارت پر جمع کر دیا۔ ہم یہ لکھ چکے ہیں کہ صرف چند نسخے لکھوا کر اور مختلف ممالک میں بھیج کر وہ بھی بغیر اعراب اور نقطوں کے مصاحف کے ذریعے حضرت عثمان کبھی تمام دنیا سے اختلاف قرارت کو مٹا نہیں سکتے تھے۔ نقطوں اور اعراب کے اختلافات جو سیکڑوں کی تعداد میں قرارت کی کتابوں میں بھرے ہوئے ہیں ان کو بے نقطے اور بے اعراب کا مصحف کس طرح مٹا سکتا تھا۔ جب تک ہر مصحف کے ساتھ حضرت عثمان

ہر مصحف کے ساتھ ایک قریشی قاری بھی ہر ملک میں حضرت عثمان کو بھیجنا تھا

ایک قریشی قاری یعنی حافظ قرآن بھی ہر شہر میں نہ بھیجدیتے جو نقطوں اور اعراب کے اختلاف کو مٹا دیتا، اور لب و لہجہ کے فرق کو بتاتا۔ غرض یہ ہے کہ اگر ایک صاحب عقل سلیم رسول اللہ صلعم کی زندگی، صحابہ کی زندگی اور قرآن کی اہمیت پر غور کر لینے اور سمجھ لینے کے بعد ان حدیثوں پر منصفانہ نگاہ تنقید ڈالے اور راویان و جامعین احادیث کی سطوت سے مرعوب نہ ہو تو فوراً ان ساری حدیثوں کو جو جمع قرآن کے متعلق مروی ہیں بلا تامل موضوع و کذب و افترا کہدیگا۔ مگر جامعین احادیث کی سطوت ہمارے

جامعین احادیث کا بھرم رکھنے کیلئے اللہ، رسول اور قرآن کسی کی پروا نہ کرنا

علمائے کرام پر اس قدر غالب ہے کہ یہ قرآن کو مشتبہ و مختلف فیہ مان لینے کے لئے تیار ہیں مگر صحیح بخاری و صحیح مسلم کی کسی حدیث کو بھی موضوع ماننے کے لئے تیار نہیں۔ قرآن مشتبہ ہو تو ہو۔ رسول پر الزام آئے تو آئے صحابہ پر تہمت لگے تو لگے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ حفاظت و جمع قرآن جھوٹا ٹھیرے تو ٹھیرے، مگر ان دفاتر کی کوئی حدیث جھوٹی نہ ثابت ہو اس کا کیا جواب ہے۔ سب سے زیادہ تعجب تو یہ ہے کہ ان حدیثوں کی کمزوریاں ان کو کبھی نظر ہی نہیں آتیں۔ اور جو نظر بھی آتی ہیں تو ان کی ڈیڑھ سے ڈیڑھ تاویل کر کے اپنے دل کو سمجھا لیتے ہیں، ورنہ صاف کھا دیتے ہیں۔ اصل یہ ہے کہ علمائے محدثین اگلے ہوں یا پچھلے انہوں نے ان راویان حدیث کو جو اولاد السبایا یا خود سبایا میں سے تھے اور ان میں سے کتنے موالی صحابہ ہونے کی وجہ سے ان کے قبائل کی طرف منسوب تھے۔ کتنے مدنی بن بیٹھے تھے اور پھر تابعین میں شمار کئے جاتے تھے اس لئے یہ جامعین احادیث ان تابعین کو اگر مشتبہ قرار دیتے تو پھر سارا ذخیرہ احادیث مشتبہ ہو جاتا۔ اور ان کو جو جمع احادیث کا شوق اور ولولہ تھا اس کا بالکل خون ہو جاتا۔ اور چونکہ ان منافقین کو بھی

یہ لوگ منافق نہیں سمجھتے تھے اس لئے تابعیؒ ثقہؒ کی سرٹیفکیٹ دے کر ان کی ہر جھوٹی سچی روایات کو لکھ لیا کرتے تھے۔ ان میں سے بعض ہی ایسے نکلے جن کا کذب و افترا ظاہر ہو گیا۔ تو بعد والوں نے جب کافی شہادتیں پالیں تو ان کو غیر معتبر قرار دیا ورنہ اگر کسی نے کچھ الزام لگایا بھی تو دوسرے نے ثقہ۔ کہکر سنبھال لیا۔ اس لئے آج اس قسم کی ہزاروں حدیثیں صحاح و غیر صحاح میں نظر آ رہی ہیں، اور اختلافات قرارت پر تو ضخیم ضخیم کتابیں مستقل طور سے شائع ہو چکی ہیں اور ہمارے علمائے کرام کے لئے ذخیرۂ ایمان بنی ہوئی ہیں۔

مورخین کی خموشی

سب سے بڑھکر تعجب کی بات یہ ہے کہ امام المورخین ابو جعفر الطبری اور امام ابن اثیر نے اپنی اپنی کتابوں میں جمع صدیقی و نقل مصاحف بعہد عثمانی کا کوئی ذکر ہی نہیں کیا ہے۔ جیسے ان لوگوں کے نزدیک دینیات اسلام میں اتنے بڑے اہم واقعوں کی کوئی اہمیت ہی نہ تھی۔ یا ان لوگوں کے وقت تک یہ روایتیں بن کر بخاری و ترمذی وغیرہ میں داخل نہیں کی گئی تھیں، اور یہ حدیثیں اس وقت تک گھڑی نہیں گئی تھیں۔ ابن خلدون ان سب سے متاخر ہیں۔ انھوں نے بھی حضرت صدیق اکبرؓ کے عہد مبارک کے ذکر میں تو جمع قرآن کا کوئی ذکر نہ کیا۔ مگر حضرت عثمان ذوالنورین رضؓ کے سلسلہ ذکر میں ایک عنوان مستقل قایم کر کے نقل مصاحف والے واقعہ کو بیان کیا اور اسی ضمن میں جمع قرآن بعہد صدیقی کا حال بھی لگے ہاتھوں لکھ گئے۔ کوئی نکتہ سنج اگر غور کی نگاہ سے دیکھے تو صاف معلوم ہو جائے گا کہ یہ عنوان (غزو خلیفۃ الباب واھم المصاحف) اور اسکے تحت میں ساری عبارتیں (جو دو سطر کی تمہید اس غرض سے اپنے ساتھ رکھتی ہیں کہ اوپر سے مضمون بالکل بے تعلق نہ ہو جائے) صرف واقعہ نقل مصاحف کی تصریح کے لئے ہیں۔ حضرت عثمان نے نقل کرانے کیلئے جو صحیفے حضرت حفصہ کے یہاں سے منگوائے تھے وہ صحیفے کس کے اور کب کے لکھے ہوئے تھے؟ اسکو ثابت کرنے کے لئے اس سلسلے میں واقعہ جمع قرآن بعہد صدیقی کا بھی ذکر کر دیا گیا ہے۔ یعنی نقل مصاحف کا ذکر ابن خلدون کے نزدیک زیادہ اہم تھا جس کے لئے ایک مستقل عنوان قایم کر کے تقریباً پورے صفحے کا دو ثلث حصہ سیاہ کیا گیا۔ مگر اصل وہ صحیفے جن کی نقلیں لی گئیں ان کے جمع و تدوین کے ذکر کے لئے اس زمانے کے واقعات میں جس زمانے کا یہ واقعہ تھا کوئی ذکر نہ کیا۔ اور یہیں پر مختصر طور سے لکھدیا۔ کیا یہ ابن خلدون جیسے صاحب قلم و امام اصول تاریخ نویسی سے ممکن ہے؟ کہ جس واقعے کو جہاں لکھنا چاہیئے وہاں تو نہ لکھے اور دوسری جگہ محض ضمناً لکھدے۔ اور اہم واقعے کو غیر اہم بنا دے اور غیر اہم کو اہم؟ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔ یقیناً یہ عنوان اور اسکے ماتحت کی پوری عبارت جعلی ہے جو تاریخ ابن خلدون میں داخل کر دی گئی ہے۔ دونوں واقعات کی عبارت الگ الگ ہر ایک کی جگہ پر داخل کرنا مشکل تھا اسلئے بعد والے واقعہ کو اصل واقعہ قرار دیکر پہلے کا ذکر ضمناً کر کے بزعم خود دونوں کے ذکر سے

علمائے وقت سے باادب معذرت

میں نے جو کچھ بھی عرض کیا ہے ایک دکھے دل کی آواز ہے۔ مجھکو نہ اسلاف سے عداوت کی کوئی وجہ نہ موجودہ علمائے کرام سے خواہ مخواہ مخالفت کرنے کا کوئی سبب۔ میرے معلومات سارے کے سارے انہیں اسلاف کی تصانیف کے رہین منت ہیں بلکہ تبہ غفرلہ ؎

بندۂ ہمت اسلافم و آن سفلہ نیم کہ خورم من نمک و باز نمکدان شکنم

مگر افسوس یہ ہے کہ میں مجبور ہوا اور مجبور ہوں کہ اسلاف جیسے اپنے محسنین اور اپنے اساتذہ و شیوخ کی غلطیوں کو ایماناً و دیانۃً غلطیاں کہوں ان کی لغزشوں کو لغزشیں مانوں، ان کی صحیح رہنمائیوں کا اتباع کروں اور ان کی خطاؤں کے خطا ہونے کا جب علم الیقین ہو جائے تو اس کا کبھی اتباع نہ کروں اور غلط تاویل کر کے ان خطاؤں کو صواب نہ ثابت کروں۔ میں ایک مسلم حنیف ہوں اتخذوا احبارھم ورھبانھم اربابا من دون اللہ کا مصداق بننے کے لئے کبھی تیار نہیں ہو سکتا۔ میں مسلم ہوں، مسلم رہنا چاہتا ہوں۔ اور مسلم ہی مرنا چاہتا ہوں۔ ان شاء اللہ المستعان۔ کتب رجال کی میں نے کافی چھان بین کی ہے، راویان احادیث سے خوب واقف ہو گیا ہوں، حدیث کی کتابوں میں کس کس طرح جھوٹی حدیثیں بنا بنا کر عالی اسناد کے ساتھ ملاحدہ نے داخل کر دی ہیں۔ ان سے اچھی طرح آگاہ ہوں۔ کاتبوں اور وراقوں کی دخل اندازیوں کو بھی اچھی طرح جانتا ہوں اس موضوع پر اور نیز رجال شیعہ و صوفیہ وغیرہ پر میری تالیفیں ہیں

اس لئے میں نے جو کچھ عرض کیا ہے وہ ایماناً اور احتساباً اپنا ایک فریضہ سمجھ کر عرض کر دیا ہے۔ بعض جگہ سبقت قلم سے کچھ تیز الفاظ ضرور نکل گئے ہیں مگر وہ محض جذبۂ حمایت قرآن و ذب عن کتاب اللہ کے غایت جوش میں نکلے ہیں ان کی وجہ سے علمائے ناظرین مجھکو جتنا چاہیں برا کہہ لیں۔ مگر میں نے جو کچھ عرض کیا ہے اسکو دیانۃً و احتساباً ہی ملاحظہ فرمائیں کیونکہ اللہ تعالےٰ کے حضور میں مجھے بھی حاضر ہو کر ان تحریروں کا حساب دینا ہے اور ناظرین کو بھی اسکے مطالعے اور رد و قبول کا حساب دینا ہوگا، اور اسلاف سے بھی ان کی غلطیوں اور لغزشوں کے متعلق ضرور سوال ہوگا۔ اور وضاعین و کذابین بھی ضرور عرصۂ قیامت میں حاضر کئے جائیں گے فسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون۔ اس کے بعد ہم ان تمام اسلاف علما و محدثین و مفسرین کے لئے دعائے مغفرت کرتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ ان کی غلطیوں اور لغزشوں سے درگذر فرمائے اور ان کی حسنات کا اجر مضاعف در مضاعف عطا فرمائے اور پھر اپنے لئے بھی خواستگار عفو و مغفرت ہوں کہ ما ابری نفسی مجھسے بھی جو غلطیاں اور لغزشیں اپنی جہالت و قصور فہم وغیرہ کی وجہ سے ہوئی ہوں اللہ تعالےٰ معاف فرمائے اور پھر تمام ناظرین کے لئے بھی دعائے توفیق انصاف و قبول حق و رد باطل کے ساتھ ساتھ دعائے مغفرت و عفو و درگذر کرتا ہوں۔

اللھم اغفر لنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان ولا تجعل فی قلوبنا غلا للذین امنوا ربنا انک رؤف رحیم ۰ واغفر لجمیع المؤمنین والمؤمنات والمسلمین والمسلمات الاحیاء منھم والاموات انک سمیع مجیب الدعوات برحمتک یا ارحم الراحمین

اللھم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعہ وارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابہ

ربنا لا تزغ قلوبنا بعد اذ ھدیتنا وھب لنا من لدنک رحمۃ انک انت الوھاب

وصلی اللہ تعالیٰ علی سیدنا محمد والہ و صحبہ وبارک وسلم والاخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

معراجِ انسانیت

(معارف القرآن جلد چہارم)

گذشتہ سال کے آخر میں جبکہ بڑھتے ہوئے مالی خسارہ کے پیشِ نظر طلوع اسلام کو بند کرنے کا فیصلہ کیا گیا تو معارف القرآن (جلد سوم اور جلد چہارم) کی قیمت میں تین ماہ کے لئے رعایت کر دی گئی تھی تاکہ خسارہ کی تلافی کی کچھ شکل پیدا ہو جائے۔ اس رعایت سے قارئینِ طلوعِ اسلام نے فائدہ اٹھایا لیکن اس کے باوجود بہت سے حضرات بروقت کتابیں حاصل نہ کر سکے۔ چنانچہ ان کا اس وقت سے یہی تقاضا چلا آ رہا ہے کہ انھیں کتابیں رعایتی قیمت پر دی جائیں۔ یہ تقاضے اب ایسے شدید ہو گئے ہیں کہ ادارہ کے پاس کوئی چارۂ کار نہیں رہا سوائے اس کے کہ ان کے سامنے سپر ڈال دی جائے۔

چنانچہ یہ فیصلہ کیا گیا ہے کہ

معراجِ انسانیت

(معارف القرآن جلد چہارم)

کی قیمت میں پھر

تین ماہ کیلئے رعایت

کر دی جائے۔ یہ رعایت ۱۵ر جولائی سے ۱۵ر اکتوبر تک رہے گی۔

اس دوران میں معراجِ انسانیت

پیشی روپے کی بجائے بارہ روپے میں مہیا کی جائیگی۔

محصول ڈاک -/۲/۲ روپے بڈھ خریدار ـــــ دوکانداروں سے بھی یہی قیمت لی جائیگی ان کے ساتھ مزید کوئی رعایت نہ ہوگی۔

معارف القرآن جلد سوم (تاریخِ رسالت) ختم ہو چکی ہے۔

ناظم ادارہ طلوع اسلام۔ کراچی

باہتمام علم الدین کیپر ادبی پریس میں چھپکر دفتر طلوع اسلام کراچی سے شائع کیا

نوادرات

(مجموعہ مضامین علامہ اسلم جیراجپوری)

کے

چند عنوانات

آنحضرتؐ کا بچپن ـــــ اسوۂ محمدیہ پر ایک نظر ـــــ گنبدِ خضراء ـــــ حضرت ابوذر غفاریؓ ـــــ
حضرت اویس قرنیؓ ـــــ مثنوی اسرار خودی ـــــ پیام مشرق ـــــ جاوید نامہ ـــــ
ضرب کلیم ـــــ اسباب زوالِ امت ـــــ عربی خط ـــــ نابینائی ـــــ
سفر حج ـــــ میری طالب علمی ـــــ

بڑا سائز ـــــ ضخامت ۴۰۰ صفحات ـــــ قیمت مجلد چار روپے ـــــ محصول ڈاک نو آنے ـــــ

احمدیت اور اسلام

و

ختم نبوت

حضرت علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے فتنۂ احمدیت کے متعلق بیانات ہیں جو حضرت علامہ مرحوم نے ۱۹۳۴-۳۵ء میں پریس کو دیئے تھے ان تمام بیانات کو کتابی صورت میں جمع کر کے "طلوع اسلام" کی طرف سے شائع کیا گیا ہے۔ کیونکہ احمدیت جیسا کہ ۱۹۳۵ء میں اسلام کیلئے ایک خطرہ تھی آج پہلے سے زیادہ خطرہ ہے۔

ساتھ ہی جناب پرویز کا ایک قابل قدر مقالہ "ختم نبوت" بھی شامل کر دیا گیا ہے جس میں فتنۂ مرزائیت پر قرآن کی روشنی میں گفتگو کیگئی ہے جس سے کتاب کی افادیت کئی گنا بڑھ گئی ہے ـــ ضخامت ۹۶ صفحات ـــ قیمت ۱۲ر صرف ـــ مقامی اصحاب کتب فروشوں سے خرید سکتے ہیں بیرونی حضرات ۱۲ر آنے کے ٹکٹ بھیجکر منگا سکتے ہیں۔ کتب فروشوں کو ۳۳ فیصدی کمیشن دیا جائیگا جو حضرات مفت تقسیم کرنے کیلئے کم از کم سو کاپیاں خریدنا چاہیں ان کو چالیس فیصدی کمیشن دیا جائے گا۔

ادارہ طلوع اسلام کراچی

کوئی ہے جو اس سوال کا جواب دے؟

[یہ سوال پہلی مرتبہ جون ۱۹۵۱ء کے طلوع اسلام میں شائع ہوا تھا۔ لیکن ہمیں آج تک اس کا کوئی جواب موصول نہیں ہوا۔ نہ کوئی ایسا جواب ہماری نظر سے گذرا جو کہیں اور شائع ہوا ہو۔ حال ہی میں ہمیں جمعیت اہلِ حدیث کراچی کی طرف سے اس ضمن میں جو کچھ موصول ہوا ہے اسے ہم بلا تبصرہ سامنے کے صفحے پر شائع کر رہے ہیں۔

یہ سوال جسے ہم دوبارہ شائع کر رہے ہیں، آج بھی ویسا ہی قابلِ جواب ہے جیسا وہ پہلی اشاعت کے وقت تھا۔

کوئی ہے جو اس سوال کا جواب دے؟

طلوع اسلام]

کہا جاتا ہے کہ دین کے دو اجزا ہیں ایک قرآن اور دوسرے حدیث۔ دونوں خدا کی طرف سے وحی ہیں اور قیامت تک کیلئے واجب الاتباع۔

رسول اللہؐ خدا کا دین انسانوں تک پہنچانے کیلئے تشریف لائے تھے۔ حضورؐ نے قرآن کریم کا ایک ایک لفظ لکھوایا۔ ایک چھوڑ قریب چھبیس کاتب اس مقصد کیلئے متعین فرمائے۔ اس کے علاوہ سینکڑوں اصحابؓ کو قرآن حفظ یاد کرایا۔ ان کا حفظ کردہ بار بار سُنا، انھیں خود بھی سنایا۔ اس طرح قرآن کو کتاب کی شکل میں بھی محفوظ کیا اور الحمد سے والناس تک ایک ایک لفظ زبانی یاد بھی کرایا۔ چنانچہ اپنی وفات سے قبل، حجۃ الوداع میں لاکھوں مسلمانوں سے اس امر کا اقرار لیا کہ قرآن ان تک پہنچا دیا گیا ہے اور ان کے اقرار کے بعد اس پر خود اللہ کو شاہد قرار دیا کہ میں نے یہ قرآن ان سب تک پہنچا دیا ہے۔

یہ دین کے ایک حصہ کے متعلق ہوا۔

اس کے برعکس، دین کے دوسرے حصے (یعنی حدیث) کے متعلق یہ ہوا کہ ان کا کوئی مجموعہ نہ رسول اللہؐ نے خود مرتب کرایا، نہ کسی اور کو ایسا کرنے دیا، نہ کسی کو کوئی حدیث حفظ یاد کرائی نہ کسی کی حفظ کردہ سنی، نہ اس کی تصدیق فرمائی۔ چنانچہ رسول اللہؐ کی وفات کے وقت امت کے پاس کوئی مستند مجموعۂ احادیث موجود نہ تھا، نہ رسول اللہؐ نے دیا نہ صحابہؓ نے خود مرتب کر کے اس کی تصدیق رسول اللہؐ سے کرائی۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر قرآن اور حدیث دونوں دین کے اجزا تھے تو رسولؐ اللہ نے جس طرح اہتمام اور التزام کے ساتھ قرآن کو محفوظ شکل میں امت کو دیا اُسی طرح اپنی احادیث کا کوئی مستند مجموعہ امت کو کیوں نہ دیا؟

اگر دنیا کے تمام مسلمانوں میں سے کوئی شخص بھی اس سوال کا جواب دے سکتا ہے تو طلوع اسلام کے صفحات اس کے لئے کھلے ہیں۔ جواب صرف اس سوال کا ہونا چاہئے۔ اِدھر اُدھر کی باتیں نہیں ہونی چاہئیں۔

کوئی ہے جو اس سوال کا جواب دے؟

از مولانا محمد یوسف صاحب ـــــ صدر جمعیۃ اہل حدیث کراچی

ہم انشاء اللہ ادھر اُدھر کی باتوں میں ہرگز وقت ضائع نہ کرینگے صرف تمہیدی اور بنیادی حل کرانا چاہتے ہیں تاکہ آئندہ چل کر یہ مضمون تمام دنیا کے سامنے ایسا حل ہو جائے ـــــ کہ آئندہ کسی سائل کو نوبت ہی نہ پہنچے اور جتنے شبہات احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق پیدا کئے جاتے ہیں سب کا جواب ہو جائے اور دنیا دیکھ لے کہ جس طرح قرآن مجید واجب الاتباع ہے اسی طرح احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی امت پر واجب الاتباع ہیں۔

سوالات: احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم دین کا ایک حصہ یا جزو دین آپ کے نزدیک کیوں نہیں تسلیم کیا جاتا؟

(۱) کیا اسلئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی احادیث کا مجموعہ کتابی شکل میں قوم کے حوالہ نہیں کیا؟

(۲) کیا اسلئے کہ صحابہ کرامؓ کو حفظ کرنے کا حکم نہیں دیا؟

(۳) کیا اسلئے کہ کسی کو حدیث کے لکھنے کا حکم نہیں دیا؟

(۴) کیا یہ ضروری ہے کہ ہر نبی اپنی امت کو علاوہ کتاب کے اپنی احادیث بھی کتابی شکل میں مدون کرائے؟

(۵) کیا یہ لازم ہے کہ ہر نبی صرف کتاب اللہ ہی کے احکام پیش کرے اور اس کے رموز و تفاسیر و مطالب و متعلق احکام خود بیان نہ کرے جسکو ہم آج کی اصطلاح میں حدیث رسول کہتے ہیں؟

(۶) کیا قوم کی ہدایت صرف کتاب اللہ سے ہی ہوتی ہے یا پیغمبر بغیر کتاب اللہ کے اور بھی خدائی وحی سے (جسکو الہام یا القاء یا وحی کہتے ہیں) ہدایت کرتا ہے؟

(۷) کیا اختلاف احادیث جو ظاہری طور پر کسی حدیث میں نظر آتا ہو یہ مانع ہے قبول حدیث سے؟

(۸) کیا بہ سبب رواۃ حدیث کہ فلاں صحیح ہے، فلاں ضعیف ہے یا فلاں مجروح ہے یا فلاں میں تشیع ہے یا فلاں کاذب تھا یا فلاں کو نسیان تھا وغیرہ ذلک یہ احادیث کے رد کی وجہ سے ہے؟

(۹) کیا وہی اعتراض جو احادیث پر وارد ہوتے ہیں خواہ کوئی بھی اور کیسا بھی ہو وہی اعتراض اگر قرآن مجید پر منکر قرآن پیش کرے یا آپ کا خصم بطور الزام پیش کرے تو قرآن پاک کو رد کیا جائے گا؟

(۱۰) کیا جس مجموعۂ مستند کا آپنے ذکر کیا ہے کہ قرآن مجید کو کتابی شکل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش کیا تھا۔ یہ موجودہ قرآن وہی ہے؟

(۱۱) کیا جو حضرت عثمان غنیؓ نے قرآن مجید کے تمام نسخے جلا دیئے تھے صرف ایک رکھا تھا۔ کیا یہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مستند اور کتابی شکل میں صحابہ کو دیا تھا یا جو جلا دیئے گئے تھے ان میں سے کوئی تھا یا وہ کل نسخے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف زبانوں اور مختلف لغات میں صحابہ کو دیئے تھے۔ آخر وہ کیوں جلائے گئے اور کیوں ایک نسخہ رکھا گیا اور وہ کون سی لغت و زبان صحیحہ کی بنا پر رائج الوقت قرار دیا گیا ہے؟

(۱۲) پھر اس کا کیا ثبوت کہ موجودہ قرآن پاک یہ وہی ہے اور ہو بہو وہی ہے جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیل کے سامنے بطور تلاوت پیش کیا تھا یا جبرئیل نے حضورؐ پر اس کو پیش کیا تھا؟

جب تک ان بارہ سوالات کا مفصل جواب نہ دیا جائیگا اس وقت تک آپ کے سوال کا حل نہیں ہوگا۔

میں یقین اور پورے وثوق سے کہونگا کہ میری تشفی اگر آپ کر دینگے تو پھر ہر ایک حدیث یا مجموعۂ احادیث یا مطلق احادیث کے دینی حصہ ہونے کا ثبوت قرآن ہی سے پیش کروں گا۔ وما توفیقی الا باللہ۔

لنگوافون انسٹی ٹیوٹ وہ تنہا ادارہ ہے جو گراموفون ریکارڈ کے ذریعے سے نئی زبان سکھاتا ہے۔

زبان وہ سیکھئے
جو اہلِ زبان بولتے ہیں



نصابی کتابوں سے آپ "کوئی غیر ملکی زبان" بولنے کا صحیح طریقہ نہیں سیکھ سکتے۔ اس کیلئے ضروری ہے آواز کا وہ انداز اور اتار چڑھاؤ اور کلام کا وہ لب و لہجہ جو عموماً روزمرہ کی بول چال میں اہل زبان کام میں لاتے ہیں۔ لنگوافون سے یہ چیزیں بہت جلد پوری طرح اور بغیر محنت و کوشش کے ذہن نشین ہو جائیں گی۔

کوئی زبان سیکھنے کیلئے عموماً جتنا وقت درکار ہوتا ہے لنگوافون اس کی نصف مدت میں آپ کو وہ زبان بولنے، پڑھنے اور لکھنے کے قابل بنا دیتا ہے اور یہی نہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ دشوار کام یعنی بولی سن کر سمجھ لینے کی مہارت پیدا کر دیتا ہے۔

اس طریقۂ تعلیم میں درس و تدریس کے منجمد قواعد و ضوابط نہیں ہیں بلکہ شروع ہی سے آپ کو روزمرہ بول چال کے ایسے ماحول میں رکھ دیا جاتا ہے جو ٹھنڈی سڑکوں، قہوہ خانوں یا سیر گاہوں میں پایا جاتا ہے۔ صرف پندرہ منٹ روزانہ صرف کیجئے اور چند ماہ میں آپ اپنی دلپسند زبان میں آزادانہ اظہار خیال کر لینے پر قادر ہو جائیں گے۔ زبان سیکھنے کیلئے اس اچھوتے اور جدید طریقے کے متعلق پوری معلومات حاصل کیجئے۔ مندرجہ ذیل کوپن ڈاک میں ڈال دیجئے فوراً تفصیلی جواب دیا جائے گا۔

زبان سیکھنے کیلئے لنگوافون

اردو	انگریزی	فارسی
عربی	بنگالی	ہندوستانی
فرانسیسی	روسی	چینی
اسپینش	اطالوی	ڈچ
سویڈش	نارویجن	فنش
زچ	پولش	لاطینی
یونانی	ایفک	ملائے
ہوسا	آئس لینڈک	سواحلی
جرمن	ترکی	پرتگالی

اپنی پسند کردہ زبان کے آگے چوپارہ (x) بنا دیجئے اور نیچے غرض یا وجہ لکھئے۔

زبان سیکھنے کی وجہ یا غرض .....

نام .....

پتہ .....

جنرل سکریٹری صاحب

لنگوافون انسٹی ٹیوٹ متصل گرانڈ ہوٹل میکلوڈ روڈ کراچی

براہ مہربانی اپنی تفصیلی کتاب جس میں لنگوافون اور ہفتہ بھر کی مفت آزمائش کے متعلق وضاحت درج ہے۔ بھیج دیجئے۔

میرے پاس گراموفون باجہ موجود ہے / نہیں ہے

THE ANGLO-THAI CORPORATION LTD.

(Incorporated in England)

(EWART RYRIE BRANCH)

Importers, Exporters & General Merchants

Nadir House, McLeod Road
KARACHI

BRANCHES:—

BANGKOK.

SINGAPORE.

BOMBAY.

KUALA LUMPUR.

PENANG.

Agents for :—

Howards & Sons Ltd., Ilford, London.—
QUININE SALTS & FINE CHEMICALS.

Stafford Allen & Sons Ltd., London.—
MANAUFACTURING CHEMICALS.

J. R. Geigy, Basle.—*Insecticides.*—
DYES & PHARMACEUTICALS.

Eli Lilly International Corporation, Indianapolis (U.S.A.).—
PHARMACEUTICALS.

H. Bronnley & Co. Ltd., London.—
TOILET REQUISITES.

London Varnish & Enamel Co. Ltd., London.—
PAINTS & VARNISHES Etc., Etc.

Regd. No. S. 1089.

Bengal Oil Mills Ltd.

provides for

Both

INTERNAL & EXTERNAL CLEANLINESS

BY PRODUCING

Highly Vitaminised
&
Nutritive Cooking Oil



High Class
Washing Soap which
Cleanses Clothes 'Milky White'



BENGAL OIL MILLS LTD.

Pakistan's Premier Oil & Soap Mills

Inaugurated by QUAID-E-AZAM

Telegrams : "BENGALI"

P. O. BOX No. 162
KARACHI-2

Telephone | Office : 3 3 3 6
Mills : 2 6 0 8

Cover Title Printed at Abbasi Litho Art Press, Frere Road, Karachi and Text Printed at Adil Press, [illegible] Karachi, published by Khurshid Alam & issued from Tolu-e-Isam Press, Khaqan Road, Karachi.